شریعت، طریقت اور حقیقت کے فوائد و مقاصد

# نورٌ علیٰ نور

ترجمہ

## سراج العوارف فی الوصایا والمعارف

تصنیف: حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ العزیز

ترجمہ: مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہ

فرید بکسٹال ۴۰۔ اردو بازار لاہور

شریعت، طریقت اور حقیقت کے فوائد و مقاصد

# نورٌ علیٰ نور

ترجمہ

## سراج العوارف فی الوصایا والمعارف

تصنیف : حضرت شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہ العزیز

ترجمہ : مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہٗ

فرید بکسٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

نام کتاب ——— سراج العوارف فی الوصایا والمعارف
ترجمہ ——— نورٌ علیٰ نور
تصنیف ——— حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ
مترجم ——— علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہٗ
ناشر ——— رومی پبلیکیشنز ۳۸ اُردو بازار لاہور
مطبع ——— حامد اینڈ کمپنی پرنٹرز لاہور

قیمت ——— ۲۵/روپے

۷۸۶/۹۲

یاربّ یاربّ یاربّ

گرچہ من سربسر گنہ کردم
نامۂ عُمر خود سیہ کردم
تو بریں نامۂ سیاہ مبیں
کرمِ خویش بیں، گناہ مبیں

---

بر عملِ خویش نہ دارم امید
بر کرم تُست مرا اعتمید
چارۂ من ساز کہ بے چارہ ام
گر تو نہ سازی بکہ رو آورم

# اجمالی فہرست مطالب و مضامین کتاب مستطاب


| نمبر شمار | مضمون | صفحہ | نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ | تقریظ اول و تاریخ طبع اوّل فارسی | ۱۲ | ۱۷ | حاضری مسجد و جماعت کی تاکید | ۳۹ |
| | از تبرکات امام احمد رضا خاں بریلوی | ۱۳ | ۱۸ | پردیسیوں سے الفت | ۳۹ |
| ۲ | مناقب احمد نوری | ۱۴ | ۱۹ | ترکِ تقلید گمراہی ہے | ۴۰ |
| ۳ | مختصر سوانح حیات مصنف گرامی | ۱۶ | ۲۰ | تاکید غلامی حضور غوث اعظم | ۴۱ |
| ۴ | حمد و نعت، منقبت | ۱۸ | ۲۱ | قدمی ہٰذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ کی | ۴۱ |
| | **پہلا لمعہ: وصیتوں کے بیان میں** | | | بحث | |
| ۵ | چند گرامی ارشادات | ۲۷ | ۲۲ | محبوب الٰہی اور محبوب سبحانی کی تشریح | ۴۷ |
| ۶ | حق مذہب اہلسنت میں منحصر ہے | ۲۷ | | **دوسرا لمعہ**: عقائد اہلسنت و جماعت میں | |
| ۷ | حقیقت، خلافِ شریعت نہیں۔ | ۲۷ | ۲۳ | متنِ تکمیل الایمان | ۴۹ |
| ۸ | اخلاق حسنہ دین کا جزو اعظم ہیں | ۲۷ | ۲۴ | انبیاء و اولیاء کا علمِ غیب | ۵۵ |
| ۹ | تصوف سے کیا مراد ہے؟ | ۲۷ | ۲۵ | اہلِ بیت و اولیاء معصوم نہیں | ۵۵ |
| ۱۰ | مذہب اہلسنت کی موافقت و متابعت | ۲۷ | ۲۶ | جو کشف، کتاب و سنت کے | ۵۶ |
| ۱۱ | پیر کے شرائط اور بیعت ثانیہ | ۲۸ | | مطابق نہیں وہ مردود ہے | |
| ۱۲ | تحصیل علومِ دینیہ کی تاکید | ۲۹ | ۲۷ | موت کے بعد شخص معیّن پر | ۵۶ |
| ۱۳ | باہمی فیصلے، مطابق شرع کریں | ۳۲ | | لعنت جائز نہیں | |
| ۱۴ | مذہب میں تعصب، نشانِ قبولیت ہے | ۳۳ | ۲۸ | تحقیق معنیٰ لعنت | ۵۷ |
| ۱۵ | امراء و حکام کی صحبت | ۳۵ | ۲۹ | تفضیل شیخین، مذہب امام اعظم | ۵۷ |
| ۱۶ | بے تکلف عرس سے ممانعت | ۳۷ | ۳۰ | کوئی ولی کسی نبی کا ہم مرتبہ نہیں | ۵۸ |
| | | | | ہو سکتا | |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۱ | تصوف کی شرط اول | ۵۸ |
| ۳۲ | جاہل صوفیوں کے وسوسہ شیطانی کا جواب | ۵۸ |
| ۳۳ | فرشتے معصوم ہیں | ۵۹ |
| ۳۴ | حضرت عائشہ وخدیجہ اور فاطمہ ومریم | ۶۰ |
| ۳۵ | خلافت بہ ترتیب افضلیت ہے | ۶۱ |
| ۳۶ | احکام شرع کا مذاق اڑانا کفر ہے | ۶۲ |
| ۳۷ | نیچری گمراہ ہیں اور گمراہ گر | ۶۲ |
| ۳۸ | معجزہ وکرامت تحقیق | ۶۳ |
| ۳۹ | ایمان بالغیب کیوں محبوب ہے | ۶۶ |
| ۴۰ | یزید پر لعنت سکوت افضل ہے | ۶۷ |
| ۴۱ | جمل وصفین میں خطاء اجتہادی کا حکم | ۶۹ |
| ۴۲ | ولایت وہبی ہے | ۷۰ |
| ۴۳ | حضور بے مثل وبے مثال ہیں | ۷۱ |
| ۴۴ | قضائے مبرم ومعلق کا فرق | ۷۱ |
| ۴۵ | حضرت امیر معاویہ سے سوءِ ظن رفض ہے۔ | ۷۲ |
| ۴۶ | افضل البشر بعد الانبیا ابوبکر صدیق | ۷۳ |
| ۴۷ | نبوت سلب نہیں ہوتی | ۷۴ |
| | **تیسیر المعبر: تصوف کے بیان میں** | |
| ۴۸ | تصوف اور سلوک فرق | ۷۵ |
| ۴۹ | وحدت وجودی وشہودی | ۷۵ |
| ۵۰ | مقامات سلوک قادریہ | ۷۷ |
| ۵۱ | جس طرح تمام رسول اصل رسالت میں مساوی ہیں یوں تمام اولیاء اصل ولایت میں برابر | ۷۸ |
| ۵۲ | طلبِ حق وطلبِ مردود | ۷۸ |
| ۵۳ | کرامت ولایت کی شناخت نہیں | ۸۱ |
| ۵۴ | ولی وغیر ولی میں طریق امتیاز | ۸۱ |
| ۵۵ | صوفی نما جاہلوں کا شیطانی وسوسہ | ۸۲ |
| ۵۶ | شیخین شجر نبوت کے پرورش کنندہ ہیں | ۸۴ |
| ۵۷ | مقام ترقی وتنزل کے اصطلاحی معنی۔ | ۸۴ |
| ۵۸ | نسبتِ عارفاں دو قسم پر ہے | ۸۶ |
| ۵۹ | ختم سیر الی اللہ اور شیطان لعین | ۸۷ |
| ۶۰ | اولیاء اللہ کی تکذیب کفر تک پہنچاتی ہے | ۸۸ |
| ۶۱ | صفات انسانی اور ان کا علاج | ۸۸ |
| ۶۲ | برزخ شیخ، راہ سلوک کی اصل الاصول ہے | ۸۹ |
| ۶۳ | ذات وحدت کی جلوہ گری | ۹۳ |
| ۶۴ | تحقیق عالم برزخ | ۹۴ |
| ۶۵ | قبر تین قسم پر ہے | ۹۵ |
| ۶۶ | آدمی کے لیے تین موتیں اور چار | ۹۶ |

| | | |
|---|---|---|
| | زندگیاں ہیں | |
| ۶۷ | حکمتِ نشر بعد حشر | ۹۷ |
| ۶۸ | خلافت آدم و تکبرِ شیطان | ۹۸ |
| ۶۹ | نسبت عاشقانہ و معشوقانہ | ۹۹ |
| ۷۰ | طلب صادق، طالب کو محروم نہیں چھوڑتی | ۱۰۰ |
| ۷۱ | مجذوب سے متعلق ایک سوال و جواب | ۱۰۱ |
| ۷۲ | روح کیا ہے؟ | ۱۰۲ |
| ۷۳ | نمازی فقراء اور ترک نماز | ۱۰۲ |
| ۷۴ | عالمِ صغیر و عالمِ کبیر | ۱۰۴ |
| ۷۵ | خدائے تعالےٰ واحد حقیقی ہے واحد عددی نہیں | ۱۱۱ |
| ۷۶ | صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں؟ | ۱۱۲ |
| ۷۷ | اولیاء اللہ کے مقولے | ۱۱۲ |
| ۷۸ | انسان پر تین روحوں کا قبضہ ہے | ۱۱۴ |
| ۷۹ | غوث ہر زمانہ میں ہوتا ہے | ۱۱۴ |
| ۸۰ | ولایت نبوت نبوت سے افضل ہے | ۱۱۶ |
| ۸۱ | قبض و بسیط کی تشریح | ۱۱۷ |
| ۸۲ | چشمِ سر سے دیدار الٰہی دنیا میں محال ہے | ۱۱۸ |
| ۸۳ | صفات اولیاء اللہ | ۱۱۹ |
| ۸۴ | فقراء مُلامتیہ؟ | ۱۱۹ |
| ۸۵ | حالت بیداری میں جسمانی معراج نبی کریم کا خاصہ ہے | ۱۲۰ |
| ۸۶ | روحانی معراج اولیاء اللہ کے لیے واقع ہے۔ | ۱۲۰ |
| ۸۷ | سماع کا اہل کون ہے؟ | ۱۲۰ |
| ۸۸ | ولایت کا اعلیٰ مقام | ۱۲۱ |
| ۸۹ | ولی پر اپنے احوال کا اخفاء فرض ہے | ۱۲۱ |
| ۹۰ | عبادت میں حضوری قلب کی تقسیم | ۱۲۲ |
| ۹۱ | روزنِ قلب بیداری میں بھی کشادہ ہو جاتا ہے | ۱۲۳ |
| ۹۲ | تقسیم نفس | ۱۲۳ |
| ۹۳ | مقام تلوین و تکوین | ۱۲۳ |
| ۹۴ | صوت سرمدی کیا ہے۔؟ | ۱۲۴ |
| ۹۵ | واصلان حق کی تقسیم | ۱۲۴ |
| ۹۶ | ماہیت خواب | ۱۲۴ |
| ۹۷ | سیر فی اللہ میں ورود تجلیات کا اثر | ۱۲۶ |
| ۹۸ | سُکر و صحو | ۱۲۸ |
| ۹۹ | اہلِ صحو پر اہلِ سُکر کا تدارک لازم ہے | ۱۲۸ |
| ۱۰۰ | حالت صحو میں حالت سُکر کے اقوال زبان پر لانا کفر و زندقہ ہے | ۱۲۹ |
| ۱۰۱ | تفصیل عوالم میں صوفیاء کے اقوال | ۱۳۱ |
| ۱۰۲ | کوئی مفہوم، تمام مفہومات کو محیط نہیں۔ | ۱۳۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰۳ | وجد و حال کا سبب | ۱۳۵ |
| ۱۰۴ | ولایت عامّہ و خاصّہ | ۱۳۶ |
| ۱۰۵ | تعریف فنا و بقاء | ۱۳۶ |
| ۱۰۶ | تقسیم اہلِ وصول | ۱۳۷ |
| ۱۰۷ | ولایت چار قسم پر ہے | ۱۳۸ |
| ۱۰۸ | تفصیلِ اقسام اولیاء | ۱۳۸ |
| ۱۰۹ | کرامت، مردوں کے حیض کی مانند ہے | ۱۳۹ |
| ۱۱۰ | نسبت اُویسی | ۱۴۲ |
| | **چوتھا لمعہ: سلوک کے بیان میں** | |
| ۱۱۱ | رسالہ عمل و معمول | ۱۴۴ |
| ۱۱۲ | دعائے بعد طعام | ۱۴۵ |
| ۱۱۳ | نماز تہجد کا طریقہ | ۱۴۵ |
| ۱۱۴ | کشائش رزق کی تدبیر | ۱۵۰ |
| ۱۱۵ | کشائش مغفرت کی تدبیر | ۱۵۱ |
| ۱۱۶ | نمازِ اشراق | ۱۵۱ |
| ۱۱۷ | نمازِ چاشت | ۱۵۱ |
| ۱۱۸ | نمازِ اوّابین | ۱۵۱ |
| ۱۱۹ | وظائف عشاء | ۱۵۲ |
| ۱۲۰ | وظیفۂ وقت خواب | ۱۵۳ |
| ۱۲۱ | ذکر حق چہار ضربی و ذکر | ۱۵۳ |
| ۱۲۲ | نماز تہجد کی پابندی اہم مہمات سے ہے | ۱۵۴ |
| ۱۲۳ | ذکر اتنا کہ دوسرے مجنون کہیں | ۱۵۵ |
| ۱۲۴ | ریاکاری تمام اعمال کی بربادی کا نام ہے | ۱۵۶ |
| ۱۲۵ | اہل سلوک کے لیے مقامات لغزش | ۱۵۶ |
| ۱۲۶ | اپنے کشف پر اعتبار نہ کرنا چاہیے | ۱۵۷ |
| ۱۲۷ | مقدار خوراک یومیہ | ۱۵۷ |
| ۱۲۸ | ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے | ۱۵۸ |
| ۱۲۹ | بُرے خاتمہ سے پناہ مانگنا چاہیے | ۱۵۸ |
| ۱۳۰ | بلوغ کے وقت دو شیطانوں کے مکر | ۱۵۹ |
| ۱۳۱ | وصول الی اللہ ذکر و شغل میں منحصر نہیں | ۱۶۰ |
| ۱۳۲ | اقامت بہتر ہے یا سیاحت | ۱۶۱ |
| ۱۳۳ | اوقات شب و روز کی تعیین | ۱۶۲ |
| ۱۳۴ | شجرہ خاندانی پڑھنے کا طریقہ | ۱۶۴ |
| ۱۳۵ | پنج گنج صغیر | ۱۶۵ |
| ۱۳۶ | پنج گنج کبیر | ۱۶۵ |
| ۱۳۷ | اورادِ خمسہ | ۱۶۶ |
| ۱۳۸ | اشغال خمسہ | ۱۶۶ |
| ۱۳۹ | بیعت لینے اور طالب بنانے کا طریقہ | ۱۶۸ |
| ۱۴۰ | دوسرے کے مرید کو بیعت میں لینا | ۱۶۹ |
| ۱۴۱ | دوسرے پیر سے تجدید بیعت | ۱۷۰ |
| ۱۴۲ | ایک سلسلہ کے مرید دوسرے سلسلہ میں | ۱۷۰ |
| ۱۴۳ | پیر و مرید یکجا ہوں تو مرید کیا کرے؟ | ۱۷۱ |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱۴۴ | خاندان قادریہ کا طریقہ توجہ | ۱۷۱ | ۱۶۵ | ذکر سے احوال طاری نہ ہوں تب بھی اُسے جاری رکھے۔ | ۱۹۲ |
| ۱۴۵ | اجنبی عورت بیعت کے بعد بھی اجنبی ہے۔ | ۱۷۲ | ۱۶۶ | حضوری قلب سے نماز تلاوت کا بیان | ۱۹۲ |
| ۱۴۶ | آخری مرتبہ سلوک کا شغل | ۱۷۳ | ۱۶۷ | ضربِ ذکر کے مقامات | ۱۹۲ |
| ۱۴۷ | راہ سلوک میں استقامت قلت کا طریقہ | ۱۷۳ | ۱۶۸ | ذکر شغل، اور مراقبہ کا فرق | ۱۹۳ |
| ۱۴۸ | مبارک و قابلِ لحاظ وصیتیں | ۱۷۳ | ۱۶۹ | آداب سالک بارہ ۱۲ ہیں | ۱۹۳ |
| ۱۴۹ | شغل دو نیم کہ سر خاندانی ہے | ۱۷۵ | ۱۷۰ | فنا کے مراتب | ۱۹۶ |
| ۱۵۰ | اسرار خاندانی، عام کرنے کی حکمت | ۱۷۵ | ۱۷۱ | عارفوں کے دل مسجد کے حکم رکھتے ہیں | ۱۹۷ |
| ۱۵۱ | بلا انتظارِ تکمیل، عطائے خلافت | ۱۷۶ | ۱۷۲ | جُمعہ و شب کے اوراد | ۱۹۷ |
| ۱۵۲ | مزارات سے اخذ فیضان کا طریقہ | ۱۸۰ | ۱۷۳ | حضرت مصنف کو عطائے خلافت | ۱۹۸ |
| ۱۵۳ | قبر کے عذاب و ثواب کا معلوم کرنا | ۱۸۰ | | **پانچواں لمعہ چند مسائل فقہ ہیں** | |
| ۱۵۴ | بد عقیدہ میّت کا اظہار حال | ۱۸۱ | ۱۷۴ | خبر واحد کا حکم | ۲۰۰ |
| ۱۵۵ | انوارِ اذکار و اشغال | ۱۸۲ | ۱۷۵ | بیباک فساق سے سلام و کلام و قرابت کا حکم | ۲۰۱ |
| ۱۵۶ | وجد و حال کے مختلف احوال | ۱۸۲ | ۱۷۶ | مسواک کی تاکید | ۲۰۲ |
| ۱۵۷ | ابلیس لعین کا طریقہ اغواء | ۱۸۴ | ۱۷۷ | بغیر اجازت وسلام، کسی کے گھر جانا | ۲۰۲ |
| ۱۵۸ | تحصیل علومِ دینیہ کی تاکید | ۱۸۶ | ۱۷۸ | والدین اساتذہ اور مشائخ کو نام لے کر ندا کرنا | ۲۰۲ |
| ۱۵۹ | موافقتِ زوجین | ۱۸۶ | ۱۷۹ | فضول مذاق کسی سے نہ کیا جائے | ۲۰۲ |
| ۱۶۰ | مزارتِ طیبہ پر حاضری کے آداب | ۱۸۶ | ۱۸۰ | مسکراہٹ، ہنسی اور قہقہہ میں فرق | ۲۰۳ |
| ۱۶۱ | آغاز سیر فی اللہ کی تجلیات کے آثار | ۱۸۶ | | | |
| ۱۶۲ | واردات راہِ سلوک کا اخفاء | ۱۸۸ | | | |
| ۱۶۳ | حالتِ ہیجان اور وسوسہ ولہان | ۱۸۹ | | | |
| ۱۶۴ | سلوک کے دشوار گزار راستے | ۱۸۹ | | | |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۱ | قرآن کریم بھول جانے کا وبال | ۲۰۲ |
| ۱۸۲ | سجدہ دو قسم پر ہے | ۲۰۲ |
| ۱۸۳ | بیت اللہ کے سوا کسی اور کا طواف | ۲۰۳ |
| ۱۸۴ | کافر و مشرک اور فاسق معلن کی مدح | ۲۰۴ |
| ۱۸۵ | قرآن کریم مجمع میں آہستہ پڑھا جائے | ۲۰۴ |
| ۱۸۶ | زن اجنبیہ سے تنہائی | ۲۰۵ |
| ۱۸۷ | مسلمان کو کافر کہنا اُس کے قتل سے بدتر ہے | ۲۰۶ |
| ۱۸۸ | خدائے تعالیٰ کے حلال کو حرام جاننا | ۲۰۷ |
| ۱۸۹ | گواہی کو چھپانا اور جھوٹی گواہی دینا | ۲۰۷ |
| ۱۹۰ | نابالغوں کے افعال کا گناہ والدین پر | ۲۰۷ |
| ۱۹۱ | حجاب، ستر کا فرق | ۲۰۸ |
| ۱۹۲ | غیر محرموں سے پردہ کا حکم شرعی | ۲۰۹ |
| ۱۹۳ | عورت کی آواز اور صورت بھی عورت ہے | ۲۱۰ |
| ۱۹۴ | باریک اور چست کپڑوں کا استعمال منع ہے ۔ | ۲۱۰ |
| ۱۹۵ | نابینا مرد سے پردہ لازم ہے | ۲۱۰ |
| ۱۹۶ | کافر عورتوں سے پردہ کا حکم | ۲۱۰ |
| ۱۹۷ | محارم سے کون لوگ مراد ہیں | ۲۱۱ |
| ۱۹۸ | عورت پر پیر طریقت سے پردہ لازم ہے ۔ | ۲۱۲ |
| ۱۹۹ | لا نکاح بین العیدین کا مطلب | ۲۱۲ |
| ۲۰۰ | شعر گوئی میں فقط مراتب کا لحاظ لازم ہے | ۲۱۳ |
| ۲۰۱ | سوگ کی مدت | ۲۱۴ |
| ۲۰۲ | محرم الحرام میں ترک زینت کا حکم | ۲۱۴ |
| ۲۰۳ | فاتحہ گیارھویں شریف | ۲۱۴ |
| ۲۰۴ | میلاد شریف کی مجلسیں | ۲۱۵ |
| ۲۰۵ | قیام و سلام کا انکار محرومی کا موجب ہے | ۲۱۵ |
| ۲۰۶ | میت پر نوحہ حرام ہے | ۲۱۵ |
| ۲۰۷ | بیوہ عورتوں کا نکاح | ۲۱۷ |
| ۲۰۸ | روافض و وہابیہ سے نکاح درست نہیں | ۲۱۷ |
| ۲۰۹ | عاشورا میں ایصال ثواب | ۲۱۷ |
| ۲۱۰ | سید الشہداء سے اخذ فیضان کا طریقہ | ۲۱۸ |
| ۲۱۱ | تعزیہ داری حرام ہے | ۲۱۸ |
| ۲۱۲ | جن کو انسان کا امام نہ کریں | ۲۱۹ |
| ۲۱۳ | ناجائز امور میں والدین کا حکم نہ مانا جائے ۔ | ۲۱۹ |
| ۲۱۴ | موذی جانوروں کا مارنا جائز اور شکار کھیلنا حرام | ۲۱۹ |
| ۲۱۵ | ذی روح کی تصویر کا حکم شرعی | ۲۲۰ |
| ۲۱۶ | رہائشی مکانوں میں قبریں نہ بنائی جائیں ۔ | ۲۲۲ |
| ۲۱۷ | جس بستی میں میت ہو وہیں دفن کریں | ۲۲۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۱۸ | میت زمین کو سونپنا بدعتِ سیئہ ہے۔ | ۲۲۴ |
| ۲۱۹ | نعش کو قبر سے نکالنے کی بعض صورتیں | ۲۲۴ |
| ۲۲۰ | قبر کی وصیت واجب التعمیل نہیں | ۲۲۵ |
| ۲۲۱ | قبر کا اندرونی حصہ پختہ نہ کیا جائے | ۲۲۵ |
| ۲۲۲ | دو سنت جو ان اطراف میں متروک ہو چکی | ۲۲۵ |
| ۲۲۳ | مصنوعی قبر بنانا حرام ہے | ۲۲۶ |
| ۲۲۴ | ماہِ محرم الحرام میں مجالس شہادت کا اہتمام | ۲۲۶ |
| ۲۲۵ | کسی قوم کی مشابہت کا حکم | ۲۲۷ |
| ۲۲۶ | عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم | ۲۲۹ |
| ۲۲۷ | علاج معالجہ | ۲۲۹ |
| ۲۲۸ | عقل تکلیفی نہ رہے تو قلمِ شریعت اٹھ جاتا ہے | ۲۲۹ |
| ۲۲۹ | طلاق ابغض المباحات ہے | ۲۳۰ |
| ۲۳۰ | زن شو میں افتراق | ۲۳۱ |
| ۲۳۱ | عورت کی موت مرد کو اجنبی بنا دیتی ہے | ۲۳۱ |
| ۲۳۲ | جادو ٹونے وغیرہ کا وبال | ۲۳۲ |
| | **چھٹا لمعہ:** اخلاق و نصائح کے بیان میں | |
| ۲۳۳ | اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کرو۔ | ۲۳۳ |
| ۲۳۴ | عالم کا قول دیکھو، فعل مت دیکھو | ۲۳۳ |
| ۲۳۵ | بزرگوں کی عادتیں بلکہ عبادتیں اختیار کریں | ۲۳۳ |
| ۲۳۶ | فساق و فجار کو نصیحت کا طریقہ | ۲۳۴ |
| ۲۳۷ | کمزوروں پر رحم | ۲۳۴ |
| ۲۳۸ | گالی گلوچ حرام ہے | ۲۳۴ |
| ۲۳۹ | پالتو جانوروں کی خبر گیری | ۲۳۴ |
| ۲۴۰ | بلا ضرورت شرعیہ مسجد میں رہنا | ۲۳۵ |
| ۲۴۱ | اولیاء کا انکار برا انجام لاتا ہے | ۲۳۵ |
| ۲۴۲ | منافقانہ ملاقات یا دوغلی پالیسی | ۲۳۵ |
| ۲۴۳ | بلا اجازت کسی کا خط پڑھنا | ۲۳۶ |
| ۲۴۴ | اپنے بدخواہ سے بدلہ لینا | ۲۳۶ |
| ۲۴۵ | صلہ رحمی اور ترک تعلق | ۲۳۶ |
| ۲۴۶ | چھوٹوں پر شفقت و عطا | ۲۳۷ |
| ۲۴۷ | بزرگوں کی نصیحت پر آزردہ نہ ہوں | ۲۳۷ |
| ۲۴۸ | روبرو مدح و ستائش ممنوع ہے | ۲۳۷ |
| ۲۴۹ | ہمسایوں پر احسان و سلوک | ۲۳۷ |
| ۲۵۰ | صرف عورتوں کی رائے پر کاربند نہ ہوں | ۲۳۸ |
| ۲۵۱ | غضبِ رحمانی اور غصہ شیطانی | ۲۳۸ |
| ۲۵۲ | کسی کی پردہ پوشی باعثِ اجر ہے | ۲۳۸ |
| ۲۵۳ | بے غرض دوست کون ہے | ۲۳۸ |
| | **ساتواں لمعہ** متفرق فوائد کا بیان | |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۵۴ | نیا چاند دیکھنے کے اوراد | ۲۳۹ |
| ۲۵۵ | غم و پریشانی سے بچنے کی دُعا | ۲۳۹ |
| ۲۵۶ | تسخیر جنّہ کے اعمال، خطرات سے خالی نہیں | ۲۴۰ |
| ۲۵۷ | عزائم کے عاملوں کا بُرا انجام بھی ہو سکتا ہے | ۲۴۰ |
| ۲۵۸ | جن و انسان کے مراتب کا فرق | ۲۴۱ |
| ۲۵۹ | بے مضرّت فائدہ خاص | ۲۴۲ |
| ۲۶۰ | تلاوت ختم قرآن کے طریقے | ۲۴۳ |
| ۲۶۱ | مُردوں کے احوال پر آگاہی کا طریقہ | ۲۴۵ |
| ۲۶۲ | جھوٹا پانی پاک ہے | ۲۴۵ |
| ۲۶۳ | حکایت عجیبہ نافعہ | ۲۴۶ |
| ۲۶۴ | عرض مترجم | ۲۴۸ |
| ۲۶۵ | تلخیص قطعۂ تاریخ از قلم فیض رقم حضرت مولانا الشاہ عبدالمقتدر بدایونی | ۲۵۰ |

# تقریظ و خلاصہ تاریخ طبع کتاب مستطاب سراج العوارف

از تبرکاتِ مجدد دین و ملّت، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز، خلیفۂ اعظم و اکرم، مقتدی الواصلین مولی الکاملین حضرت سید شاہ آلِ رسول صاحب مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مقرب بارگاہ باجاہ حضرت امام العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مصنف کتاب سراج العوارف فی الوصایا والمعارف۔

قد وعیٰ من العلوم غُرر الفوائد، واھدی للفھوم دُرر الفرائد کتابٌ باھر، اَمْ صُوابٌ زاھر، اَمْ عبابٌ زاخر، بل سحاب ماطر، بل فوق ما تکتھنہ الاوھام والخواطر، فقد حلّ محلّ البدر فی ظُلَم الدیاجر، ووقع موقع القطر فی ظماءِ الھواجر، وسترٰی ذالک اِن کنت ھنالک، ولولا مَنِیقُ نِطاقِ النطق عما فیہ مِن محاسن حق، ومناصب صدق، لاَرَیْناکَ ما نقرب بہ الاَعیان، واَسْمَعْناکَ ما تلذّ الاعیان وَاَفْھمناکَ ما تستلذّ الاَذھان ولکن فی طلعتہ الشمس ما یُغنیک عَن وَصف یُعَیِّنک، فَلْنَقْتَصِر علیٰ نتیجتہ للطّبع، انشا تُھا الآن فی تاریخ الطبع، وان کانَ یکفی ما ھتفَ ھاتف، اِذ اتانی فقال یُھنی ویلاطف، جاء سراج العوارف فی الوصایا والمعارف ۱۳۱۳ھ واعین لِھذ السید الجلیل بامتداد ظلہ الجمیل الظلیل وحامدین لِلّٰہ علیٰ ما اولیٰ، والمصلّین بالصلوٰۃ علیٰ اکرم مولیٰ، وآلہ وصحبہ الکرام العُلیٰ، وھی ھذہ علیٰ ما تریٰ، والحمد للّٰہ العَلِیّ الاعلیٰ۔

---

ایا سیدی یا ابن غر غطارف ... ویا احمد النور نور الاعارف
کلامک نور بهاء السلاسل ... وشهد مصفی عن الزیغ صارف
وتحقیق ترویح کشف القلوب ... دلیل الیقین سراج العوارف
ولا غرو ان جاء منک سراج ... فانک نوری نادی المعارف
ارانا سراجک باللیل شمسا ... وشمس بلیل عجیب وطارف
هو البدر یهدی ویهدی وینذی ... سراة ولمعا ورزعا لعارف
هو الصبح یحلو ویجلو ویخلو ... لعین وغینا وعن شین تارف
فهل مثله فی تلید وطارف ... واین فاین تراه الطوارف
کان الکتاب فقیه مفیض ... فجر لعارف وبحر لغارف
رجوت رضاک بتاریخ طبعه ... نقلت وفی الخلد خلد الرفارف

سراج العوارف نور سته
نکنت سناء سراج العوارف

۱۳۱۳

# مناقب اسوۃ المحققین الکرام ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ

## قصیدۂ مبارکہ مدحیہ مشرقستانِ اقدس سے چند اشعار

از قلم حق رقم

مجدد دین و ملت، امام اہلِ سُنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی قدس سرہٗ

ماہ سیما ہے احمد نوری — مہر جلوا ہے احمدِ نوری
نُور والا ہے احمد نوری — نورِ والا ہے احمدِ نوری
نُور سینہ ہے احمد نوری — طورِ سینا ہے احمدِ نوری
برکاتی جہاں جمی ہو برات — اس میں دولہا ہے احمدِ نوری
شمس دین کی شعاعوں کا نیرے — سر پہ سہرا ہے احمدِ نوری
میرا مرشد ہے مصحفِ ناطق! — نوری آیہ ہے احمدِ نوری
نام بھی نور، حسن تام بھی نور — نور دونا ہے احمدِ نوری
لاولد رہتے ہیں تمام ابدال! — فرد و تنہا ہے احمدِ نوری
شکل دیکھو تو نور کی تصویر — نوری پُتلا ہے احمدِ نوری
طالبانِ حریم حق کے لیے — راست قبلہ ہے احمدِ نوری
گُل بغداد کی مہک میں بسا — بھینا بھینا ہے احمدِ نوری
وہ عوارف کا نور بار سراج — جگ اجالا ہے احمدِ نوری
آل احمد ہیں مصطفٰے کے چاند — ماہِ پارا ہے احمدِ نوری
خسروِ اولیاء ہیں آلِ رسول — شاہزادہ ہے احمدِ نوری
میرے آقا کا لاڈلا بیٹا — نازوں پالا ہے احمدِ نوری
شبِ بدعت سے کیسے ہو کافور — نور افزا ہے احمدِ نوری

تیری نعمت پہ، تیری رحمت پر　　میرا دعویٰ ہے احمدِ نوری
جس کا میں خانہ زاد، نواس کا　　پیارا بیٹا ہے احمدِ نوری
میرے آقا کا تجھ پہ، اور تیرا　　مجھ پہ سایہ ہے احمدِ نوری
نورِ احمد مجھے بھی چمکا دے　　نام تیرا ہے احمدِ نوری
اتنا کہہ دے، رضا ہمارا ہے
پار بیڑا ہے احمد نوری!

**بشارت جلیلہ** :- اس قصیدہ مبارکہ کو استماع فرما کر حضور ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ العزیز کو ایک نفیس عمامہ، معطر و معنبر، عطا فرمایا اور اپنے دست اقدس سے آپ کے سر مبارک پر باندھا۔ حضرت مولانا مطیع الرسول محمد عبد المقتدر صاحب قادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عطیہ بہیہ کی تاریخ فی البدیہہ تاج الفخر فرمائی
۱۳۱۵
(الجوار مشرقتان اقدس مطبوعہ بریلی)

# مختصر سوانح حیات

حضرت نور العارفین الکرام، سلالۃ الواصلین العظام، حامیٔ شرعِ مبین، رکنِ رکین دینِ متین، سیدنا وسندنا، مولٰنا ومقتدانا السید الشاہ ابو الحسین احمد نوری الملقب بہ میاں صاحب۔ قادری برکاتی آل رسولی، تاجدارِ مسند مارہرہ مطہرہ قدس سرہٗ۔

خاندان برکاتیہ عالیہ کا آغاز سرزمین مارہرہ میں ۱۰۱۷ ہجری، عہد جہانگیر میں مقدام العارفین حضرت سید شاہ عبد الجلیل خلفِ اکبر سند المحققین حضرت میر سید شاہ عبد الواحد بلگرامی، قدس سرہما کے یہاں تشریف لانے اور مستقل قیام فرمانے سے ہوا۔ جسے اب قریباً چار سو سال ہونے آتے ہیں۔ اس خاندانِ فضل وکمال سے عرفان وہدایت وارشاد وولایت کے بہت سے مہر درخشاں، ماہِ تاباں طالع ہوئے۔ جن کے انوار نہ صرف مارہرہ اور اس کے مضافات کو منور فرماتے رہے، بلکہ ان کی روشنی حدودِ ہند سے گزر کر اطراف عالم میں دور دراز تک پہنچی۔ قطب العارفین، شمس الدین حضرت سیدنا الشاہ آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ کا نام نامی اسم گرامی، اس باب میں سند دانی ہے۔ آپ کے کشف وکرامات وخوارقِ عادات زبان زد خواص وعوام ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ مظہر جناب غوثیت مآب تھے۔

حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس سرہٗ کہ حضرت اچھے میاں قدس سرہٗ کے برادر خورد ہیں۔ ان کے ایک صاحبزادے حضرت السید الشاہ آلِ رسول قدس سرہٗ ہیں۔ آپ کی ولادت کریمہ ۱۲۰۹ھ کو مارہرہ شریف میں ہوئی۔ آپ نے اپنے عم مکرم حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کے خلفاء مولٰنا الشاہ عبد المجید صاحب اور حضرت مولٰنا الشاہ سلامت صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما علوم ظاہری کی ابتدا فرمائی اور حضرت مولٰنا نور ومولٰنا انوار فرنگی محلی اور حضرت مولٰنا الشاہ عبد العزیز

دہلوی وغیرہم اکابرِ علماء سے تکمیل کو پہنچایا۔

آپ کے ایک صاحب زادے سید شاہ ظہور حسن صاحب جن کی ولادت ۱۲۲۹ھ میں ہوئی۔ والد ماجد ہیں حضرت قدوۃ الکاملین زبدۃ العارفین حضرت سیدنا السید الشاہ ابوالحسین نوری کے۔ سید ابوالحسین احمد نوری کی ولادت ۱۲۵۵ھ ہے۔ آپ نے دو عقد فرمائے مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔ خلافت وبیعت آپ کو اپنے جدِّ امجد سے تھی۔ علومِ ظاہری کی تحصیل وتکمیل مولٰنا نور احمد صاحب بدایونی، مولٰنا محمد سعید صاحب بدایونی، حضرت مولٰنا عبدالقادر صاحب بدایونی، حضرت مولٰنا فضل رسول بدایونی اور مولٰنا احمد حسن صاحب صوفی مرادآبادی سے فرمائی، اور تربیت وتعلیم علوم باطنی اپنے جدِّ امجد اور اپنے گھر کے اکابر خلفاء مثل مولٰنا الشاہ فضل رسول صاحب بدایونی اور شاہ شمس الحق تنکا شاہ صاحب بخاری سے پائی۔ آپ کے بہت خلفاء اور ہزارہا مرید ہیں۔ آپ کا وصال شریف مارہرہ میں گیارہ رجب المرجب شبنہ ۱۳۲۴ھ میں ہوا۔ اور دالانِ پائیں گنبد حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ میں دفن ہوئے۔ آپ کی تصانیف وتالیف سے چند رسائل تکسیر وعقاید وآداب مریدین واوراد واذکار واشغال واعمال فقہ میں ہیں۔ سراج العوارف مطبوعہ کا ترجمہ آپ کے روبرو ہے۔ آپ شعر بھی کہتے تھے۔ اول تخلص سعید فرماتے تھے۔ پھر نوری کر لیا تھا۔

(تاریخ خاندان برکات)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ساری خوبیاں اللہ کو جس نے اپنی معرفت کے چراغ، اپنے شناساؤں کے دلوں میں روشن فرمائے. پھر اپنے (پسندیدہ) دین کی راہیں، ان لوگوں پر واضح کر دیں جن کی آنکھیں دلیل یقین سے منور ہیں، اور شریعت (محمدیہ) کو، راست رَووں کے لیے کشادہ راہ بنایا کہ ملحدوں کے شبہات، اس کے قریب جاتے ہی کمزور پڑ جاتے ہیں. اُسی نے حقیقتِ حقہ کے لیے ظاہر و باطن بنایا اور اُسی نے چشمۂ شریعت کو (پیاسوں کے لیے) مرجع و مصدر بنایا (کہ لوٹ لوٹ کر اسی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں) تو (خدائے تعالیٰ تک رسائی کے) اس کے سوا سارے دروازے بند ہیں اور وہ حقیقت جسے شریعت محمدیہ، رد فرما دے الحاد اور مردودِ بارگاہ ہے۔

اُسی نے اپنے فضل سے سلوک (د قربت) کی راہ ہویدا کی کہ غلاموں کو (جو فقر کی راہوں پر گامزن ہیں) بادشاہوں کی مجلسوں تک پہنچاتی ہے (اور وہ سلاطین ان درویشوں کو عزت و احترام کا مقام دیتے ہیں)

اسی نے تصوف کو (کہ نفسانی آلائشوں سے صفائی کا اعلیٰ ذریعہ ہے) اتباعِ شریعت کی زینت سے آراستہ کیا. اور اس کے اِرد گِرد کے مقامات کو قبیح بدعتوں کے عیبوں سے (بچا کر) اپنی حفاظت میں لے لیا۔

والہذا اپنے قرب و ولایت کی نعمتوں سے اہلِ سنت کو مخصوص فرمایا. جو (کسی امام مجتہد کے) فقہ کے پابند اور اس کی رہنمائی میں آگے بڑھتے ہیں. وہی اس کے

اہل ہیں کہ ان کی اقتدا کی جائے، اور انہیں کے نور سے ہدایت لی جائے تو جو ان کے نشانِ قدم پر چلتا رہے گا ہرگز ہلاکت میں نہ پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اُن کی وجاہتوں کے طفیل، ہمیں بھی انہیں بامرادوں میں بنائے جو عرفان و یقین کی جنتوں میں فائز المرام ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی فاضل ترین صلوات و کامل ترین تسلیمات اور پاکیزہ ترین تحیات اور بالیدہ ترین برکات، بہترین مخلوقات پر جو افق کائنات کے درخشاں سورج ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے معدن وہ کہ جن سے کائنات کی ابتدا ہوئی اور انہیں پر انتہا۔ بلکہ وہی ذریعہ معرفت ہیں اور وہی منتہیٰ۔ بلکہ سب کچھ انہیں کے وسیلہ سے ظہور میں آیا اور سب کچھ انہیں میں مخفی ہے۔ انہیں سے ہر شئے کی تجلی ہے اور ہر چیز انہیں میں گم تو یہ تمام کا تمام انہیں کے وسیلے سے ہے اور تمام کا تمام انہیں میں پوشیدہ۔ تمام کا تمام انہیں سے ہے اور تمام کا تمام انہیں کا۔ تمام کا تمام انہیں کی طرف متوجہ ہے اور انہیں کی مرضی پر قائم۔ تو وہی کل ہیں۔ انہیں سے جُود نے فیض پایا اور انہیں سے وجود نے فیضان لیا۔ انہیں کے جُود سے شریعت و طریقت کے پھلوں میں پختگی آئی اور انہیں کی عطا سے معرفت و حقیقت کے درختوں نے پتے دیئے۔

وہی نورِ حق، وہی ظلِ رب، ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں اُن کی مِلک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

(امام احمد رضا)

اُن کی کرامت مآب آل اور عظمت مآب صحابہ پر، اور ان کی اُمت کے اولیأ پر جو کاملین کے سرتاج ہیں اور ان کی ملت کے علماء پر، جو عاملین کے قائد رہنما ہیں۔ (درود و سلام)

خصوصاً مرکزِ دائرۂ ولایت۔ قطب مدارِ عرفان و ہدایت پر جو اس کے اطراف کو محیط اور اس کی جوانب پر گرفت رکھنے والے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ انہیں سے ابتدائے کارِ ولایت ہے اور انہیں پر اس کا اختتام۔ انہیں پر اس کا درود ہوتا ہے، اور

انہیں کے ہاتھوں اس کی تقسیم، تو اس عالم میں کوئی ولی ایسا نہیں جو ان کی طرف احتیاج نہ رکھتا ہو اور ان کے حضور اپنے اسرار میں با ادب نہ ہو۔ ایسے بلند حوصلہ کہ تمکین میں ان، سب سے بالا، اور ساری گردنیں ان کے روبرو، ادب سے جھکی ہوئی ہیں۔ (وہ کون)

ہمارے آقا ہمارے مولیٰ، غوث الثقلین، غیاث الکونین، مغیث الملومین ولی الاولیاء، فرد الاصفیا، قطب ربانی ابی محمد السید الشیخ الامام عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

قیامت کے روز مولیٰ تبارک و تعالیٰ ہمارا حشر ان کے خدام میں فرمائے۔ جس دن ان کے پیش خدمت، اُن کے سائے اور ان کی حمایت میں ہوں گے۔

اور ان سب کے ساتھ، اُن سب کے طفیل، اُن سب کے وسیلے، ہم سب پر بھی (درود و سلام)

۱۔ جب تک اسرارِ معرفت کی تابشیں

۲۔ اور مشرقستانِ غیب سے تجلیوں کی شعاعیں

۳۔ دلوں کے مطلعوں پر جلوہ فگن

۴۔ نور بار رہیں۔

آمین آمین آمین۔ یا ارحم الراحمین

اما بعد عرض گزار ہے یہ فقیر سید ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ "میاں صاحب" مارہروی قادری برکاتی چشتی نظامی، اللہ تعالیٰ اسے اُس کے اسلاف کرام کے طریق و روش پر ثابت قدم رکھے اور اُن سے، اور اُن کے طفیل اس بندہ سے بھی تا قیام قیامت راضی رہے" کہ دنیا گذشتنی و گذاشتنی اور بالآخر کام سرانجام پانا ہے۔ اس حی و قیوم کے ساتھ (کیونکہ قانون قدرت ہے) کہ جسے، لذتِ کام و دہن کے لیے، دنیاوی زندگی کا شربتِ خوشگوار پلاتے ہیں، لامحالہ اُسے ایک روز موت کا بے ذائقہ جام بھی چکھاتے ہیں (اور وہ جان و جہاں سے گزر جاتا ہے) خواہ اسے گوارا ہو یا گوارا نہ ہو۔

(حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ) جو اللہ سے مِلنا پسند کرے گا اللہ اس کو ملنا پسند فرمائے گا اور جو اللہ سے ملنے کو مکروہ رکھے گا، اللہ اُس کا ملنا مکروہ رکھے گا۔ (صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں کون ایسا ہے کہ موت کو مکروہ نہ رکھے۔ فرمایا یہ مراد نہیں بلکہ) جس وقت دم سینہ پر آئے اُس وقت کا اعتبار نہیں ہے۔"

اس لیے ہر متنفس پر ایسی چیز کی تلاش لازم ہے جس کی بدولت وہ کڑوا گھونٹ اس کے لیے ہر مٹھاس سے بڑھ کر میٹھا ہو جائے۔ اور جاں کنی کے دقت اُسے اپنے مولیٰ تبارک و تعالیٰ سے لقاء کا ایسا اشتیاق ہو، جیسے تین روز کا پیاسا، سورج کی تمازت ریت کی تپش اور گرم ہواؤں کے جھونکوں کے وقت، سرد ٹھنڈے، خوشگوار اور میٹھے پانی کا خواست گار ہوتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ چونکہ جب یہ شوقِ ملاقات' اس حد تک ہو گا تو بحکمِ حدیث شریف وہ یکتا و منفرد بھی اس بندہ سے ملنا پسند فرمائے گا اور جس سے ملنا، اللہ عزوجل کو محبوب اور اس کی رضا سے ہو، تو نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ تمام مقامات جنّت اور ملائکہ رحمت، بلکہ خود حضرت رسالت مآب علیہ افضل الصلوات والتحیات، اس سے مل کر مسرور و شادماں ہوں گے اور یہی معنی وہ سرّ دراز ہے جو حدیث اِشْتَاقَتِ الْجَنَّةُ اِلٰی اَرْبَعَةٍ (کہ جنت خود مشتاق ہے چار بندوں کی) اور حدیث شریف یَا لَیْتَنِیْ رَاَیْتُ اِخْوَانِیْ (کاش میں اپنے بھائیوں کو دیکھ پاتا) سے آشکار ہے۔ مگر یہ مقام اُس وقت تک میسر نہیں آتا جب تک کہ دل عقائد باطلہ سے صاف اور منزّہ نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے فرمایا کہ اَھْلُ الْبِدَعِ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِیْقَةِ (ابو نعیم) (بدعتی لوگ تمام جہان سے بدتر ہیں) اور دوسری حدیث میں فرمایا اَصْحَابُ الْبِدَعِ کِلَابُ اَھْلِ النَّارِ (دار قطنی) (اہلِ بدعت دوزخیوں کے کتے ہیں) تو یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ حق جلّ وعلا اور اس کے محبوبانِ برحق اور اس کی گراں مایہ نعمتیں کہ جنتیں اور ان کی آسائشیں ہیں۔ ان لوگوں کو اپنا دوست بنائیں اور ان سے مِلنا پسند کریں جو بدترین خلائق ہیں اور جہنمیوں کے کتے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور جب ایسا ہونا محال و ناممکن الوقوع ہے تو تمام فرائض سے اہم و اوّل فرض یہ ہے کہ ہر مسلمان کے عقیدے، مذہب مہذب اہلسنت وجماعت کے مطابق ہوں کہ حق انہیں میں منحصر ہے اور تمام اولیائے کرام، اکمل الاولیاء سیدنا صدیق اکبر اور امام الاولیاء سیدنا علیؓ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر اس وقت تک، اور اس وقت سے لے کر حضرت امام مہدی بلکہ ان کے بعد کے دور تک، اسی مذہب پہ ثابت قدم رہے اور اسی پر گامزن رہیں گے اور کیوں نہ ہو جبکہ حدیث شریف میں فرمایا کہ "جس نے جماعت مسلمین کو ایک بالشت بھر چھوڑا، اس نے اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار دیا"۔

بے ادب بے نصیب ہیں جو اپنی نفسانی خواہشات کے باعث جماعت اہلسنت سے خلاف کرتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ اپنی نادانی سے دم سنّیت کا بھرتے ہیں۔

اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اپنے معاونوں اور حاشیہ برداروں پر یہ واضح کرتے ہیں کہ اولیائے کرام اور مشائخ عظام کی راہ وروش وہی ہے جس پر ہم ہیں (مسلمان یاد رکھیں کہ) اُن کی کتابوں، کتابوں کے دیباچوں اور تقریروں میں جو مواد مضامین، علمائے اہلِ سنت کی موافقت میں ملتے ہیں وہ سب تقیہ اور زمانہ سازی پر محمول ہیں۔ اس لیے کہ اُن کی خلوتوں اور تنہائیوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان کے اُن دعووں کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔

کہنا چاہیئے کہ اُن کا طور طریق بالکل منافقوں جیسا ہے جو آغاز اسلام میں رہا۔ اور ہم (بہ بانگِ دُہل) عزت و جلالِ خداوندی کی قسم سے (مؤکد) کہتے ہیں کہ ہم، ہمارے مشائخ (طریقت) اور تمام ہی اولیائے کرام، ظاہر و باطن میں خلوت، جلوت (گوشۂ تنہائی اور انجمن آرائی) میں، مذہب اہل سنت وجماعت پر رہے ہیں۔ اسی پر قائم رہیں اور اسی پر (انشاء اللہ تعالیٰ) ثابت قدم رہیں۔ اسی پر ہم زندہ رہے۔ اسی پر وفات پائیں گے اور اسی پر بروز حشر اُٹھائے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص ہماری اور اُن کی نسبت، اس کے برخلاف کہتا ہے وہ کذّاب و مفتری ہے (کہ جھوٹ بولتا اور تہمت لگاتا ہے) ہم اور ہمارے مشائخ اور تمام اولیائے الٰہی، دُنیا و آخرت میں، اس سے اور

اُس کے اس افتراء سے بیزار، بیزار اور ہزار در ہزار بار بیزار ہیں۔ جو موجود ہیں وغیر موجودین تک یہ بات پہنچا دیں

دوسرا[۲] فرض یہ ہے کہ تمام اعمال جوارح کو، نیکیوں کے اکتساب، شریعت کے اتباع اور سُنت نبویہ کی اقتداء کا آئینہ دار بنائیں اور یقین مانیں کہ ہر وہ روش جو اس راہ سے مخالف اور دُور دُور ہے، لا واللہ، ہرگز، خدا کی طرف نہیں بلکہ شیطان کی جانب ہے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی — کایں کہ میروی بہ ترکستانست

محال است سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جُز در پے مصطفا!

(اے خانہ بدوش گنوار، مجھے قوی اندیشہ ہے کہ تو کعبہ تک نہ پہنچ سکے گا اس لیے کہ تو جو راہ چل رہا ہے وہ ترکستان کی طرف لے جاتا ہے)

(اے سعدی یہ بات محال و ناممکن ہے کہ پاکیزہ اور صاف راستہ، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر کہیں میسر آجائے۔)

اللّٰھم صل وسلم وبارك علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

ہاں کچھ ایسے بھی ناخدا ترس انسان موجود ہیں جو شیطان کے اغواء کا شکار ہو کر بیباکانہ جرأت اختیار کرتے اور شریعتِ مطہرہ کو فضول اور بے ضرورت سمجھنے لگتے ہیں۔ اُن کا گمان فاسد یہ ہے کہ حقیقت، خلاف شریعت ہے۔ یا یہ کہ شریعت وصول کا آلہ و ذریعہ ہے۔ اور جب آدمی واصل ہو گیا اور حق تک پہنچ گیا تو اب شریعت کی کیا حاجت"۔

ایسی ناپاک ذہنیتوں کا جواب، اس جواب سے بہتر نہیں دیا جاسکتا۔ جو حضرت سید نا سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ آپ سے کہا گیا کہ ایک گروہ یہاں ایسا ہے جو کہتا ہے کہ شریعت، منزل تک پہنچنے کے لیے ایک راستہ ہے اور ہم کہ منزل تک واصل ہو چکے، ہمیں شریعت کی کیا حاجت"۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کر جہاں تک پہنچنے کا تعلق ہے وہ سچ کہتے ہیں، بے شک وہ پہنچے۔ لیکن یہ پوچھو کہ

کہاں پہنچے۔ جہنم تک پہنچے" والعیاذ باللہ تبارک وتعالیٰ

نمبر ۳ فرض ہے، قلب و باطن کا رذیل عادتوں سے متخلّی یعنی خالی، اور جمال باطن کا اخلاقِ جمیلہ کے زیورات سے متحلّی یعنی آراستہ و پیراستہ ہونا۔ جبکہ ناواقف و بدفہم سمجھتا ہے کہ جب ہم نے نماز روزہ اور غیرہ فرائض و واجبات) ادا کر دیے تو شریعت کے احکام کی تعمیل ہو گئی۔ اور یہ نہیں جانتے کہ شریعتِ مطہرہ جس طرح نماز روزے کو فرض اور ریاء و زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح اخلاص و تواضع، وفا و صفا، تقویٰ و طہارت، خوف و خشیت، ایثار و مودّت، سلوک و مروت، حیاء و غیرت وغیرہا) اخلاق فاضلہ کو فرض، اور ریاء و تکبر، عہد شکنی و بدباطنی احبّ جاہ و محبّت ریا، تعظیم امراء و تحقیر مساکین اور حرص و بخل و بندگی شیطان و اتباعِ خواہشات) وغیرہا عاداتِ رذیلہ کو حرام ٹھہرایا ہے۔ تو ان اخلاق حسنہ اور عاداتِ قبیحہ سے واقف ہونا اور بحکم شریعت ان پر عمل پیرا رہنا، یہ بھی شریعت کا جزوِ اعظم اور اتباع شریعت ہی ہے (فرق اتنا ہے) کہ اول قسم کے اعمال کا چہرہ جوارح اور انسان کے اعضاءِ بدنی کی طرف ہے اور دوسری قسم کے احوال کی توجہ انسان کے باطن کی طرف ہے۔ تو جب تک تم ان دونوں کی شریعت کے تازیانہ سے سرزنش نہ کرو گے تمہیں حق نہیں کہ اتباع شریعت کا دعویٰ کر سکو۔

حاشا وکلّا۔ اتباع شریعت سے وہ مراد نہیں کہ نرے ظاہر داروں کو مطلوب۔ جن کی نظر صرف، اعمالِ جوارح پر مقصود۔ ظاہر احکامِ شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزّہ کر لیا اور متقی و مفلح بن گئے۔ اگرچہ باطن، مہلک آفات سے گندہ ہو رہا ہو جیسے کوڑے کے ڈھیر پر زربفت کا خیمہ، اوپر زینت اور اندر نجاست۔ پھر کیا یہ باطنی خباثتیں، ظاہری صلاح پر قائم رہنے دیں گی۔ حاشا۔ معاملہ پڑنے دیجئے کون سی ناگفتنی ہے کہ نہ کہیں گے اور کونسی ناکردنی ہے کہ اٹھا رکھیں گے۔ اور پھر بدستور صالح کے صالح، متقی کے متقی۔ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ افادات رضویہ)

اور چوتھا فریضہ یہ ہے کہ بقایائے شرکِ خفی دل سے دُور کیے جائیں، کہ یہی تمام مرادوں کی مراد ہے ــــــــــــ اسی مقصدِ اعظم کے حصول کے لیے صوفیائے کرام نے ایک راہ مقرر کی ہے جس کا نام سلوک ہے اور یہ راستہ ہی منزل تک پہنچاتا ہے اس کا نام تصوّف ہے۔ اس علم کا مغز اور اس کے دائرہ کا مرکز وہی ایک بات ہے جس کی بدولت، یہ راہ، امن و سکون سے طے ہو جاتی ہے اور جس کی جانب ہم نے اوپر اشارہ کیا یعنی شریعتِ مطہرہ کے دقائق و نکات کی رعایت اور باطن کی بقایات شرکِ خفی سے محافظت۔ کہ حدیث شریف میں اسے چیونٹی کی رفتار سے کم تر رفتار فرمایا گیا ہے۔ اور اور راہِ سلوک کے تمام علوم، اپنے متفاوت طریقوں اور متنوع وضعوں کے باوجود اسی ایک کلمہ سے وابستہ ہیں جو جوامع الکلم کے صاحب مختصر لیکن جامع کلام سے واصف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الشرکُ اخفیٰ من دبیب النمل (شرک، چیونٹی سے بھی کم رفتار ہے)

الغرض تمھیں یاد رکھنا چاہیے کہ شریعتِ مطہرہ، ظاہر و باطن سے متعلق، تمام ہی علوم کو محیط و شامل ہے اور ہر وہ چیز جو اس کے احاطہ سے خارج ہے وہ بالیقین مذموم و باطل۔ آزادی پسند، آوارہ گرد اور نفس و شیطان کے قید و بند میں گرفتار بے راہوں نے، نعرے لگانے، بدخوئی سے پیش آنے، سر کے بال کمر تک بڑھانے ڈاڑھی منڈوانے، ریشم پہننے، مزامیر پر قوالیاں سُننے اور فاحشہ عورتوں کے ناچ دیکھنے کو، راہِ سلوک قرار دیا ہے اور احکامِ شرع کا مذاق اڑانے، علمائے شرع کی تحقیر اور ان سے دشمنی کرنے، حلول و اتحاد پر اعتقاد رکھنے اور انی انا اللہ (کہ میں اللہ ہوں) کے نعرے کو کمالِ تصوّف سے موسوم کیا ہے

بوقتِ صبح شود ہم چو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق، در شبِ دیجُور!

(صبح قیامت کو، روزِ روشن کی طرح یہ بات تجھ پر عیاں ہو جائے گی کہ رات کے اندھیرے میں عشق کس سے لڑایا)

لہٰذا فقیر نے ایسے حالات میں کہ آفات و آلام کا ہجوم ہے اور قسم قسم کی بیماریوں کا اژدہام اپنی یادگار اور اپنے پسماندگان و متوسلین خاندان کے لیے، بطور نمونہ یہ ایک مختصر کتاب جو سات لمعات وصایا[1]، عقاید[2]، تصوف[3]، سلوک[4]، فقہیات[5]، اخلاق[6] اور فوائد[7] مختلفہ پر مشتمل ہے، ترتیب دی اور اس کا نام بہ لحاظِ تاریخ رکھا۔

## سراج العوارف فی الوصایا و المعارف ۱۳۰۹ھ

میں بارگاہِ الٰہی سے سوال کرتا ہوں کہ اسے اپنے وجہ کریم کے لیے اخلاص سے معمور فرمائے اور اس کتاب سے اس فقیر کو، اس کے پڑھنے والوں اور کاتب و ناظرین کو نفع بخشے۔ اُس روز کہ نہ کسی کا مال کام آئے گا نہ اولاد۔ مگر ہاں جو اپنا دل سلامت لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور آئے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین الیٰ یوم الدین والحمد للہ رب العٰلمین۔

# پہلا لمعہ (تابش) وصیتوں کے بیان میں

برادرانِ دینی ویقینی! یاد رکھو کہ اس فقیر کو سفرِ آخرت درپیش ہے بلکہ قریب آچکا۔ لہذا سنت نبوی علیہ التحیۃ والثناء کی تعمیل اور اپنے اسلاف کرام وآباء واجداد کی تقلید میں، تحریرِ وصایا میں مشغول ہوں اور دنیائے دنی سے اپنا دل پھیرے ہوئے۔ میں تمام گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے جب تک زندگی باقی ہے میں ان سے دُور رہنے کا عزم کرتا ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ جلّ جلالہ، وعمّ نوالہ، اس فقیر کی توبہ قبول فرما کر بخشے۔ اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے مرشدان طریقت کے طفیل میری اور میرے متوسلین ومحبین کی بخشش فرمائے اور اولیائے کے عالی درجات اور بلند مراتب تک پہنچائے۔ اور انبیاء، صدیقین وشہداء وصالحین کے جوارِ اقدس میں مقام عطا فرمائے کہ وہی بہترین رفیق ہیں۔ آمین یارب العٰلمین۔

## پہلی نصیحت و وصیت یہ ہے کہ

ایمان واسلام کو قبول کرنے کے بعد، مذہب اہل سنت وجماعت پر ثابت قدم رہیں، اور حنفی مسلک وقادری مشرب کے مطابق اپنا ظاہر وباطن آراستہ و پیراستہ رکھیں۔ یعنی بالفاظ دیگر اپنا ظاہر شریعتِ غرّاء (روشن وتابناک) کے موافق اور باطن طریقتِ عالیہ کے مطابق بنائیں۔ شریعت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد رہیں اور طریقت میں حضور پُر نور حضرت غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متبع وفرماں بردار بنیں۔ تمام احکام اسلام کی تعمیل وپیروی اپنے اوپر فرض جانیں۔ علماء، فقراء کا ادب ملحوظ رکھیں۔ خانقاہ ودرگاہ شریف کی خدمت

بجالاتے رہیں۔ نماز پنجگانہ کے لیے مسجد کی حاضری اور نماز باجماعت اختیار کریں۔ خصوصًا والدین اور اپنے شیخ طریقت اور علومِ دینیہ کے اساتذہ اور ان کی اولاد کی خدمت گزاری میں کوشش کرتے رہیں۔ اپنے شیخ طریقت کو، اپنے زمانہ کے تمام مشائخ سے اپنے حق میں برتر و بالا جانیں۔ اپنے آپ کو تمام مخلوقاتِ الٰہی سے ذلیل و بے قدر سمجھیں اور ہمیشہ ہمیشہ تواضع پسند اور منکسر المزاج رہیں۔

**دوسری وصیت** یہ ہے کہ شریعت محمدیہ کی جملہ اقوال و افعال میں اتباع، اور احکامِ طریقت کی بجاآوری کے بعد، ایسے پیر کے ہاتھ پر بیعت ہوں جس میں یہ تین شرطیں (خوب تحقیق و تفتیش کے بعد) دیکھ لیں۔

۱۔ وہ صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہو۔

۲۔ شریعت مطہرہ کے احکام پر کاربند ہو۔

۳۔ اس کا مسلک بھی صحیح ہو۔ یعنی اسلام میں مذہب اہلسنت و جماعت کا پابند ہو۔

بظاہر شریعت کا اتباع کرتا ہو اور طریقت میں کسی ایسے شیخ کا مرید ہو جس کا سلسلہ صحیح و ثابت ہو۔ یہ نہ ہو کہ کسی ارادت و بیعت اور خلافت کے بغیر خود بخود، بلا اجازتِ شیخ، دوسروں کو مرید کر اور لوگوں کو فریب دے کر اپنے ارادتمندوں میں پرونا ہو۔ الٰہی ہمیں ہمارے اعمال کی شامت سے بچا۔

لہٰذا خوب واضح رہے کہ ایسے شیخ کے ہاتھ پہ جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو۔ بیعت کے بعد۔ اس کے پاس حاضر رہ کر، کچھ روز قیام کریں اور مجاہدہ باطن کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر اس راہ کی طرف حصولِ نسبت، بلکہ منصبِ خلافت پانے کے بعد بھی ہمیشہ ہمیش یادِ الٰہی میں مشغول رہیں اور خدا سے، بجز خدا، کچھ اور طلب نہ کریں کہ جب خدا مل گیا تو خدائی ہاتھ آگئی، ہر چیز مل گئی۔ اس لیے کہ ماسوی اللہ کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے وہی ہے۔ یعنی تنہا وہی ہے (کہ وجود اسی کے لیے ہے باقی سب ظلال و پرتو)

الا کل شیٍ ماخلا اللّٰہِ باطل

(کل ھالك الا وجھہٗ وکل من علیھا فان. وکل نفس ذائقۃ الموت)

پھر اُس سے اُس کے غیر کی طلب بے فائدہ و لاحاصل. تو ایک لمحہ ایک آن مولا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہیں اور ایک سانس بے کار نہ جانے دیں۔ اور خود کو یادِ الٰہی میں مشغول رکھیں کہ کسی اور کام کی فرصت ہی نہ پائیں۔

تیسری وصیّت یہ ہے کہ اپنے خاندانی شیخ یا اپنے خاندان کے شیخ کی اولاد، جنہیں اپنے آباؤ اجداد سے بیعت و خلافت حاصل ہو، یا اپنے شیخ کے خلفاء کے علاوہ کسی اور خاندان میں بیعت نہ ہوں، اور حتی الامکان، جہاں تک بس چلے، اپنے خاندان کے شیخ کی غلامی نہ چھوڑیں۔ اور اپنے پیر کے علاوہ، اُن کے ہمسر و ہم عصر، پیروں سے کوئی سروکار، اس باب میں نہ رکھیں۔ ؎

باغِ مراچہ حاجتِ سرو و صنوبر ست

شمشاد خانہ پرورِ ما، از کہ کمتر ست

"یعنی ہمارے باغ کو کسی سرو و صنوبر کی کیا حاجت کہ ہمارے گھر کا پرورش پایا (بلند و خوشنما درخت) شمشاد، آخر (کس بات میں) اور کس سے کم ہے۔ ؎

ہم تمہارے ہو کے کس کے پاس جائیں — آپ ہی ہم پر تو رحمت کیجیے

عزیز بیٹے! جب تُو نے ایک پیر کے ہاتھ پر (جو جامع شرائط بیعت ہے) بیعت کر لی تو دوسرے پیر کی طرف نظریں نہ دوڑا۔ تاکہ تو ہرجائی نہ مشہور ہو جائے الا ماشاءاللہ کہ ضرورتیں، ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں، (الضرورات تبیح المحذورات)

اور یہ وصیت اگرچہ باعتبار عمومِ الفاظ، عام ہے لیکن اس کا خصوصی تعلق درگاہ مارہرہ شریف کے خاندانِ برکات کی اولاد سے ہے۔

چوتھی نصیحت یہ ہے کہ بقدر ضرورت، کتاب و سنّت سے علم دین کی تحصیل میں

پُوری پُوری جد و جُہد کریں۔ اور اس فریضہ کو دوسرے تمام امور پر مقدم رکھیں۔ اس سے فراغت پاکر پھر طریقہ باطنی (سلوک و تصوف) میں قدم رکھیں۔ اس لیے کہ جاہل صوفی اور ناواقف عبادت گزار، شیطان کا مسخرہ ہے اور محض ناکارہ اور ناقابلِ قبول۔

اس کے علاوہ درجات کی ترقی، مراتب کی بلندی، اور نکات کی دریافت۔ اس راہ میں صرف عالم دین کو حاصل ہوتی ہے، جاہل کا اُس میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ جلوہ سامانی اور نکتہ بینی کہ صاحبِ علم، سالک کو میسّر آتی ہے، کسی بے علم کا اس میں کوئی نصیبہ نہیں۔ ہاں مشیّت ایزدی شاملِ حال ہو اور مولا تعالیٰ اُسے اپنے فضل سے نواز کر کسی مرتبہ و اعلیٰ تک پہنچا دے اور کسی صاحبِ علم کا ہم مرتبہ و ہم پایہ بنا دے تو یہ محال و ناممکن تو نہیں۔ البتہ اس کا وقوع بہت نادر ہے اور نادر معدوم کی مانند ہے۔

الٰہی ہمیں علم نافع، فہم کامل اور عرفانِ تام عطا فرما۔ اور ہمیں جہالت و غفلت میں ہلاک نہ کر۔ بے شک تو پروردگار دانا ہے اور میں بندۂ نادان و غافل۔

برحمتک یا ارحم الراحمین

اس مقام کی مناسبت سے ایک حکایت یاد آئی جسے لکھنا مفید معلوم ہوتا ہے یہ حکایت میں نے جدّی و مرشدی حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی (مرشدِ گرامی امام اہلسنت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی) قدس سرہ العزیز کی زبان فیض ترجمان سے سُنی تھی کہ

ایک روز حضرت مودود چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شہر میں ایک درویش وارد ہوا۔ جس کی نسبت قوی اور حالت اچھی تھی۔ یہاں تک کہ شہریوں کا ایک بڑا گروہ، اُن کے کمالات کا معتقد و گرویدہ ہو کر اُن کی طرف رجوع ہوا۔ ادھر شہر کے ایک بڑے طبقہ نے ان صاحبزادے کو برانگیختہ کیا کہ فلاں درویش آخر ہمارے آیا ہی کیوں؟ اور آیا تو اب ہمارے شہریوں کو اپنے کمالات کی طرف کیوں رجھاتا

ہے۔ لہذا مناسب یہی ہے کہ اُسے اس شہر سے باہر نکال دیا جائے۔

یہ مشورہ دے کر اُن لوگوں نے صاحبزادہ کو (اپنی موافقت پر) آمادہ کر لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن وہ نووارد درویش چونکہ ایک کامل بزرگ تھے۔ اس لیے یہ لوگ اُن کی ایذار سانی پر قدرت نہ پا سکے۔ اور صاحبزادہ صاحب چونکہ اس وقت کم سن تھے اور محض شہریوں کی انگیخت پر، اُن درویش کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے، لہذا اُن درویش صاحب نے صاحبزادہ کو اپنے پاس بلایا، شفقت سے پیش آئے، مہربانی کا سلوک فرمایا اور نصیحت فرمائی کہ بابا پہلے علمِ دین پڑھو۔ اس کے بعد فقیری کا دعویٰ کرو۔ اس لیے کہ جاہل عبادت گزار شیطان کا مسخرہ ہے۔ اور چونکہ صاحبزادہ کا پیشوائے عالم ہونا، مقدراتِ الٰہیہ سے تھا۔ اس لیے آپ نے اُن بزرگ کی نصیحت پر عمل فرمایا کہ جس بلند مرتبہ پر پہنچنا تھا اس پر پہنچے۔

پانچویں نصیحت یہ ہے کہ اولیائے الٰہی میں سے اگر کوئی منظر میں آئے تو تمہارا دستِ عقیدت ہو اور اس کا دامن۔ اسکے ساتھ نیاز مندی سے پیش آئیں اور اس کی خدمت کو، دارین کی سعادت جانیں۔ لیکن اس مقام پر اپنا قدم پوری پوری ہوشیاری اور بتمامہ آگاہی کے بعد اٹھائیں۔ اس لیے کہ اس دور میں اس کام کی اصلیت مفقود ہے اور ظاہری ہم جنسی موجود۔ کسی کی چرب زبانی اور شیریں بیانی پر فریفتہ نہ ہوں کہ اللہ والے ہر دور میں کبریتِ احمر (خالص سونے) سے زیادہ نایاب ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے دامِ فریب میں گرفتار ہو جائیں۔

لہذا گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہیں اور آنے جانے والوں کی حسبِ مقدرت، اگرچہ جو کی روٹی ہی میسر آئے، تواضع و خدمت کریں۔ سائل کو حتی المقدور، محروم نہ لوٹائیں اور اپنے ذاتی کام کے لیے، کسی دنیادار کی چاپلوسی، خوشامد نہ کریں۔ نہ اسکی ہاں میں ہاں ملائیں۔ کارسازِ حقیقی ہی کام بناتا ہے۔ ہاں دوسروں کی کوئی

ایسی جائز حاجت درپیش آجائے خصوصاً اپنے دینی و یقینی بھائیوں کی، تو ظاہرداری کے ہر طریقہ مثلاً خوشامد وغیرہ کو عمل میں لائیں اور اپنی مقدرت بھر، حتی الامکان اس میں اس میں کوشاں رہیں۔ اگرچہ اس میں خود اپنا نقصان اور ضرور ہو۔ اسے پسِ پشت نہ ڈالیں کہ حکم یوں ہی ہے۔ اور اے میرے بھائیو! اس کام میں تم پر کوئی وبال و عتاب نہ ہوگا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

چھٹی نصیحت یہ ہے کہ آیۂ کریمہ اَطِیعُوا اللّٰہ واطیعوا الرَّسُول کے معنی (یعنی ہر حال میں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو) پر اطلاع و واقفیت کے بعد، کہ یہی آیت ہمارے شیخ کی جامع و مانع وصیت ہے، اپنی خصومتوں کی اصلاح، اور مقدمات کے تنازع نبٹانے کے لیے، زمانۂ حال کے محکموں کی طرف رجوع نہ ہوں بلکہ کتاب اللہ یعنی قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت و شریعت یعنی حدیث وفقہ واصول وتفسیر کی طرف رجوع ہوں اور اپنے تنازعے، ان کی بارگاہوں میں پیش کریں اور انہیں کی جانب متوجہ رہیں۔ جیسا کہ اس آیت کے بعد دوسری آیت میں آیا کہ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ۔

لہٰذا شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام، کی طرف رجوع لائیں و اور متوجہ ہوں۔ اسی کو اپنے اوپر لازم جانیں کہ یہی عین ایمان ہے۔

میں اسی فکر و اندیشہ میں تھا کہ میرے دل نے مجھ پر عتاب کیا اور میری جان نے بڑا پیچ و تاب کھایا کہ بقول مشہور ؎ خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت

اوروں کی بُری بات تو بھاتی نہیں تم کو
پر اپنی بُرائی نظر آتی نہیں تم کو

اے روسیاہ! تو نے خود کون کون سی نیکی کی ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے اور اپنے آپ کو پند و نصیحت کے اہل، افراد میں شمار کرکے، پند و نصیحت کا

غلغلہ آسمان کی بلندی تک پہنچاتا ہے۔ یہ سب کچھ شیطانی وسوسہ ہے کہ تیرے دل میں سما گیا ہے اور تجھے دوسروں کو نصیحت پر ابھارتا ہے۔ تجھے اس کے کید و مکر اور عیاریوں کے ڈھنگ نہیں معلوم۔ ایسا نہ ہو کہ تجھے وہ نقصان پہنچائے۔ آیۂ کریمہ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (جو چاہتے ہیں کہ بے کیے ان کی تعریف ہو) اور آیۂ کریمہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (وہ کیوں کہتے ہو جو خود کرتے نہیں) کا مضمون (کہ ایسے لوگ قابلِ مذمت ہیں) اپنے ذہن میں رکھ اور شیطان کے شر سے دور رہ۔ جو کرتا ہے وہی کہہ، اور جو کہتا ہے وہی کر۔ تاکہ مخلوق الٰہی انہیں میں تیری تعریف و توصیف کرے جو تو کرتا ہے، نہ یہ کہ اس کے برخلاف تیری تعریف کریں اور تو اس پر پھول جائے۔ یہ حرکت تو اچھی نہیں۔"

لیکن اس سب کچھ کے باوجود کرنا کیا چاہیے (بس یہی کہ الٰہی) ہمارے کرتوتوں کو نہ دیکھ کر کہ سراپا گناہ گار ہیں۔ ہمارے اس قول کو دیکھ کہ ہم شرم سار ہیں (الٰہی) باپ اگر خراب و آوارہ ہو جائے تاہم وہ بیٹے کی آوارگی کا روادار نہیں ہوتا۔ ے

گر گوہرِ طاعتت نہ سفتم ہرگز ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وز گرد گنہ ز رخ نہ رفتم ہرگز<br>
نومید نیم ز آستانِ کرمت ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ زیرا کہ یکے را دو نہ گفتم ہرگز

(یعنی میں اگرچہ تیری بندگی کے موتی نہ پرو سکا اور گناہوں کے خس و خاشاک (یا اس کے قرب و نزدیکی) سے اپنا منھ نہ پھیر سکا۔ پھر بھی میں تیرے کرم والے آستاں سے نا امید نہیں۔ اس لیے کہ میں نے تجھ ایک خدا کو کبھی دو نہ جانا)

ساتویں نصیحت یہ ہے کہ اپنے دین و عقائد پر ایسے سخت اور مضبوط رہیں کہ دوسرے متعصب سمجھیں۔ اس لیے کہ دینِ حق (و عقائدِ حقہ) میں تصلب مقبولیت کی علامت ہے۔ اور محمود و پسندیدہ، اور دینِ باطل میں غلو (غالی ہونا اکڑ جانا) بدبختی کی نشانی ہے اور مذموم و ناپسندیدہ۔

- فقراء و مساکین اور غرباء سے اُنس و محبت اختیار کریں۔
- دنیا دار اُمراء اور اہلِ دولت سے دور بھاگیں اور ان سے پرہیز کریں۔
- فاسقوں فاجروں اور بے باک کافروں مشرکوں سے خود کو دور رکھیں۔
- نیز غیر مسلموں اور شرک پسندوں سے (دور بھاگیں) اس لیے کہ بُری صحبت مقناطیس اور لوہے کی مانند ہے۔ یعنی بُری صحبت، بدسیرتوں کو اس طرح کھینچتی ہے، جیسے مقناطیس لوہے کو۔

پھر ارشاد خداوندی ہے لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُسْلِمِیْنَ (کہ ایمان والے، مسلمانوں کو چھوڑ کر، کافروں کو دوست نہ بنائیں) تو اس آیہ کریمہ پر ہمیشہ عمل پیرا رہیں تاکہ ہلاکت کے بھنور سے نجات پائیں، نیز دنیا دار حاکموں، بادشاہوں اور فرمانرواؤں سے اگرچہ نیکوکار اور عدل شعار ہوں، دُور دُور رہیں اس لیے کہ فقیروں کا، دولتمندوں سے اختلاط و ہم نشینی مہلک زہر کے مانند ہے (کہ اس کا کوئی تریاق نہیں بلکہ) اس کا ایک گھونٹ بھی ہلاک و تباہ اور عارف کے دل کو سیاہ کر دیتا ہے۔ بلکہ دنیا داروں کے دلوں کا عکس بھی، عارفوں کے دلوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

اور وہ جو مشہور ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ (لوگ اپنے فرمانروا کی رَوش پر چلتے ہیں) اُس سے یہی معنیٰ مراد ہوتے ہیں۔

بلکہ کہنا چاہیے کہ اس کہاوت میں ملوک سے مراد، معنیٰ مشہور کے علاوہ، ہر وہ فرد ہے جسے غلبہ و برتری حاصل ہو، مغلوب کے مقابل۔ کیا تم نے وہ واقعہ نہیں سُنا کہ جب حضرت قاضی القضاۃ سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بغداد کا قاضی بننا قبول کر لیا تو حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہ نے کہ آپ کے ہم دم اور ہم مکتب تھے، ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ میرے روبرو مت آؤ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرا دل کہیں تمہیں دیکھ کر سیاہ نہ پڑ جائے اس لیے کہ تم نے منصب قضا قبول کر لیا ہے۔"

اللہ اللہ! یہ کونسا مقام اور کیسا حیرت انگیز کلام ہے۔ امام عالی مقام کے قاضی القضاۃ ہونے کے زمانے کو دیکھو کہ سرتاپا عدل عام اور انصافِ تمام سے مالا مال ہے اور پھر حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر غور کرو کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ پھر آپ کے مقابلہ پر دوسروں کے لیے کیا کہا جا سکتا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ اسی روز سے کہ امام ابویوسف نے اس منصب کو قبول فرمایا۔ آپ کبھی ان سے ملاقات کو جاتے تو انداز یہ ہوتا کہ قیام گاہ کا چراغ گل کر دیا جاتا۔ اور امام ابویوسف آپ کی پشت پر بیٹھے رہتے۔

ایک روز خلیفہ بغداد نے حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے استدعا کی کہ میں آپ کے توسل سے، حضرت شیخ کی خدمت میں عرض سلام کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے امید نہیں کہ وہ قبول فرمائیں۔ خود میرے ساتھ آپ کی ملاقات کا عالم یہ ہے تو آپ کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال میں آپ کی خواہش کا اظہار کر دوں گا۔ اگر قبول فرمایا تو آپ کو ہمراہ لے چلوں گا ورنہ مجبوری ہے۔ چنانچہ ایک روز حضرت امام ابویوسف نے، برسبیل تذکرہ، خلیفۂ وقت کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت شیخ نے بڑی ناگواری سے جواب دیا کہ میرے بھائیؒ! تم میری ایذا رسانی پر کیوں کمربستہ ہو۔ خلیفہ وقت سے ملاقات پر مجھے سلب ایمان کا اندیشہ ہے اکہ کہیں ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔ا

الغرض بڑی حیل و حجت اور نشیب و فراز کے اظہار کے بعد، محض امام ابویوسف قدس سرہٗ کے پاس و لحاظ سے، اس شرط پر اجازت دی کہ وہ آئے، تمہاری پیٹھ کے پیچھے بیٹھے اور تمہارے واسطے سے جو بات کہے بہت آہستہ کہے۔ یعنی اُسے جو کچھ کہنا ہے وہ نہایت پست آواز میں تم سے کہے اور تم مجھ سے کہو۔ پھر زیادہ نہ بیٹھے صرف سلام کے بعد، ضروری بات کہے اور واپس لوٹ جائے۔

آخر کار انہیں شرائط پر خلیفہ وقت نے اس ملاقات کو بسا غنیمت جانا۔ پھر خدمت میں حاضر ہوا اور بعد سلام عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری دعوت قبول

فرمائیں. لیکن شیخ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ "میرے نزدیک، کوئی مال حلال اور پاکیزہ نہیں. مگر میرے والد ماجد کا ترکہ، میں اسی سے کھاتا پیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ میری تمام عمر کے لیے کافی ہے، اور بالفرض اگر وہ تمام مال خرچ ہو گیا اور میں زندہ رہا تو اپنے استاذ محترم یعنی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال سے قرض لے کر اپنی گزر اوقات کروں گا کہ ان کے مال کو بھی میں اپنے والد ماجد کے مال کی طرح حلال و پاکیزہ سمجھتا ہوں. تو اس سے بقدر سدِّ رمق (کہ زندگی کا سہارا رہے) کھا پی کر زندگی گزار دوں گا." یہ فرما کر ملاقات ختم کی. بادشاہ کو اجازت رخصت دی اور خود بندگی میں مشغول ہو گئے.

برادر عزیز! اللہ تعالیٰ نے دنیا پیدا فرمائی مگر روز پیدائش سے کبھی اس کی طرف نہ دیکھا. لہٰذا مخلوق خدا پر بھی اپنے خالق کی فرمانبرداری لازم ہے (اور یہ اس وقت پوری طرح میسر آتی ہے کہ) دنیا سے دل نہ لگائیں. (اسے جی بھر کر نہ دیکھیں، نہ آنکھیں میچ کر اُسے برتیں.) اور بالکل اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ دنیا داروں سے خلط ملط نہ رکھیں اور اُن سے مانوس نہ ہوں. مگر اسی قدر کہ حق تعالےٰ کے لیے ہو اور شریعت محمدیہ اُس کی اجازت دے تو ایسی حاجت شرعیہ کے وقت بقدر حاجت معاملہ روا جانیں. کہ یہ دُنیا داری نہیں اور نہ درحقیقت یہ دُنیا سازی ہے.

یہ ایسے ہی ہے جیسے غرباء و مساکین کے لیے مال کا روک لینا. یا سفر حج کے انتظام اور حقوق اللہ کی ادائیگی مثلاً "زکوٰۃ" وغیرہ میں دینے، یا حقوق العباد، مثلاً اہل و عیال کے نفقہ اور ذوی القربیٰ اور یتیموں مسکینوں کی مالی امداد، یا خود اپنے قابل، قلیل تر خوراک کے لیے مال کا جمع کرنا کہ فرض ہے، اور کہیں واجب، کہیں مستحب اور کہیں موافق سُنت. یہ ہرگز دنیا داری نہیں اور نہ اس کا نام دنیا داری ہے. مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

چیست دُنیا؟ از خدا غافل بُدن　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(دُنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل رہنا. نہ اسباب خانہ. نہ چاندی اور نہ اہل و عیال)

الغرض۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں غفلت و تساہل نہ برتیں کہ یہی غفلت عین دنیا ہے۔ اور دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی اساس۔ لہذا اس سے ہمیشہ نفرت ہی چاہیے۔

آٹھویں نصیحت یہ ہے کہ خلقِ خدا کو آزار نہ پہنچائیں تاکہ خود ایذا نہ پائیں۔ اور بمصداق احادیث کریمہ کہ

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ. اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ (رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر تم رحم کرو، تم پر وہ رحم فرمائے گا۔ جس کی حکومت آسمان میں ہے (ابو داؤد ترمذی)

اِرْحَمُوْا تُرْحَمُوْا (تم اوروں پر رحم کرو۔ دوسرے تم پر رحم کریں گے)

تمام عزیز و اقارب، یتامیٰ و مساکین، اور غریب الوطن اشخاص، زن و فرزند بلکہ ہر صاحبِ ایمان، اہل اسلام مرد عورت کے حقوق، جیسا کہ خدا اور رسول نے مقرر فرمائے ہیں ان کی نگہداشت اور ان کے ساتھ احسان و مدارات کا سلوک کریں۔ خود کو پسندیدہ اخلاق مثلاً محبت و اخلاص، موافقت و محبت، رفاقت و مروت وغیرہا سے آراستہ کریں۔ اور بری عادتوں مثلاً بغض و عناد، نفاق و دورخی، غرور و تکبر، کذب و زنا اور لواطت جیسی بے ہودہ حرکتوں سے اپنا دامن پاک صاف رکھیں تاکہ صفاتِ ملکوتی (فرشتوں کی صفات) آشکارا ہوں اور حیوانی و بہیمی اور شیطانی خصلتیں زائل و ناپید۔

گناہ صغیرہ و کبیرہ اور حکم صغیرہ و کبیرہ پر اصرار یعنی اس کی عادت ڈالنے سے پرہیز کریں کہ گناہ صغیرہ پر اصرار سے وہ گناہِ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علی الاعلان بیباکی سے نافرمانی میں غرق رہنے والے، نگاہ شریعت میں بدترین لوگوں سے ہیں۔ اور اس میں معاذ اللہ اندیشہ ہے بد انجام کا کہ مرتے وقت ایمان سلب نہ ہو جائے۔ (الٰہی ہمیں بری موت سے بچا) نیز بدعتوں اور دین میں نو پیدا باتوں سے کہ اصول شرع کے خلاف ہیں، ان کے مرتکب نہ ہوں۔ اس لیے کہ ایسی بدعات میں ملوث رہنے والے فاسق معلن سے بھی بدتر ہیں اور ان کے پیچھے نماز حلال نہیں۔

نویں نصیحت یہ ہے کہ اس فقیر کی سالانہ فاتحہ جسے عرف عام میں عرس

کہا جاتا ہے ہرگز ہرگز تکلف سے نہ کریں۔ اس لیے کہ تکلف شریعت میں ممنوع ہے اور فقیر ایسے تکلف کا روادار نہیں ہے۔ قدرے قلیل جو کچھ میسر آئے، اُسی میں سے اپنی مقدرت کے مطابق صرف کریں، کسی کے مقروض نہ ہوں۔ اور فکر و تشویش کی بلا سے آزاد رہیں۔

اور اس جگہ یعنی عرس میں تلاوتِ قرآنِ کریم و قرأت حدیث شریف و درود اور کلمہ طیبہ کے وِرد اور ذکرِ الٰہی کے علاوہ کوئی اور چیز، بدعاتِ سیئہ سے نہ ہونی چاہیے، اور جیسا کہ اب ہمارے زمانہ میں بدعات رواج پا رہی ہیں۔ ایسی کوئی چیز ہرگز ہرگز نہ کریں۔ مثلاً بے غرض و فضول روشنی کی کثرت، آتش بازی اور ناجائز و غیر مشروع مزامیر اور قوالوں کا اہتمام خصوصاً جبکہ سننے والے نااہل ہوں، ہرگز ہرگز روا نہ رکھیں۔

اسی طرح دوسرے بے جا صرفوں سے بموجب حکم قرآنی،

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

(کہ کھاؤ پیو اور فضول خرچ نہ کرو۔ بے شک وہ فضول خرچ کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا) اعراض کریں اور جس چیز کی شرعاً اجازت نہیں انہیں یک لخت چھوڑ دیں۔

اور یہ فقیر اگرچہ اس طور پر کہ مشائخ چشت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں معمول رہا، سماع کا منکر نہیں بلکہ کبھی کبھی تو مزاراتِ طیبہ کی مجالس میں حاضر رہ کر، سماع میں شریک بھی ہوا ہے۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں سماع کی عام مجلسیں، اُن شرائط سے جو سماع کو مباح و حلال کرتی ہیں، خالی نظر آتی ہیں، لہٰذا اس مجبوری، سوائے ترک کے کچھ اور کچھ علاج نہیں جانتا۔ اس لیے کہ سماع سننے کی اہلیت اس پُر آشوب دَور میں مفقود ہے اور دوسری شرائط بھی معدوم ہیں۔ اس لیے سماع کا چھوڑ دینا ہی لازم و واجب ہے ورنہ بوقت ضرورت اہلِ رخصت کے لیے جائز بھی رکھا گیا ہے۔

دسویں وصیت یہ ہے کہ خانقاہ و درگاہ کے اوراد و وظائف، تلاوتِ

قرآنِ کریم اور قرائت درود شریف خصوصاً دلائل خیرات وحصنِ حصین، وحرزِ یمانی و حزب البحر واسمائے اربعین ودعائے بشمخ وغیرہا کو خاندانِ برکات کے معمولات کے مطابق، ہمیشہ کے لیے اپنا معمول بنائیں۔ مسجد کی حاضری ترک نہ کریں اور پنجگانہ نمازیں، باجماعت ادا کریں، اور ذکر وشغل اور مراقبہ وغیرہا پر کاربند رہیں اور خاندان برکات کے ان معمولات کو ہرگز پسِ پشت نہ ڈالیں۔ اپنا ظاہر، شریعت مطہرہ کے موافق اور اپنا باطن صوفیائے کرام کے مطابق بنائیں۔ اور ہرگز ہرگز نماز باجماعت اور رمضان المبارک کے روزے ناغہ نہ کریں اور بلا عُذر شرعی انہیں نہ چھوڑیں۔ اور اپنے شیخ طریقت کی تعظیم و تکریم، بلکہ شیخ کی اولاد، اُن کے بھائیوں، قرابت داروں، غلاموں خدمت گاروں اور ان کے ہم وطنوں کا اکرام واحترام، اپنے اوپر لازم جانیں۔

اسی طرح اپنے والدین اور اساتذہ سے پیش آئیں اور حتی الامکان اُن سے نیکی و احسان کا سلوک کریں اور اپنے حق میں اُن سے دعائیں لیں۔ یوں ہی جو عمر، علم و عمل وغیرہا میں اپنے سے بڑا اور برگزیدہ ہو، اس سے آگے آگے نہ چلیں۔ جب تک کہ کوئی ضرورت اور واقعی مجبوری نہ ہو: مثلاً نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو یا کوئی ایسی ہی بات ہو تو اجازت ہے کہ ہمراہی کی بجائے پیش قدمی کرے اور اُس میں شامل ہو جائے۔

یوں ہی اگر کوئی پراگندہ حال، یا غریب الوطن، تمہارے پاس آئے اور اپنی ضرورت، اپنا حال بیان کرے تو پوری دلی توجہ سے سنیں اور اس سے نرمی و خوش اخلاقی سے پیش آئیں، اُس سے نفرت انگیز سلوک نہ کریں اور پیشانی پر بل نہ آنے دیں۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے قریب اور گناہ و نافرمانی سے دور رہیں خصوصاً غیبت یعنی کسی کی غیر موجودگی میں اس کی بُرائی بیان کرنے کے گناہ سے پوری پوری طرح اجتناب و پرہیز کریں کہ یہ بدترین گناہ ہے اور سخت ترین وعیدوں کی آماجگاہ۔

**گیارہویں وصیت** یہ ہے کہ یتیموں، غریبوں، مسافروں، کنیزوں، غلاموں ناتوانوں، بوڑھوں اور معذوروں جیسے لوگوں سے محبت کا برتاؤ کریں۔ اُن پر احسان

اور نیک سلوک سے پیش آئیں کہ ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری وصیت ہے۔ لہذا انہیں بہ نظر حقارت نہ دیکھیں۔ اُن سے زیادہ سخت کام نہ لیں اور ایسا کام آ ہی پڑے تو خود بھی اس کا ہاتھ بٹائیں اور جو خود کھائیں پیئیں اُنھیں بھی وہی کھلائیں پلائیں۔

ہمیشہ اپنا خاندانی لباس پہنیں اور وہ یہ ہے کہ پہلے اپنا سارا سر منڈائیں کہ یہ ہمارے خاندان برکات مارہرہ کی دائمی روش رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اور دو پلّوں یا قدحیہ (پیالہ نما) ٹوپی کو اس کے دونوں کنارے یعنی گوشے، کچھ کچھ لفظ "لا" کی شکل میں کھلے ہوتے ہیں، سر پر اوڑھیں۔ قادری درویشوں کا خرقہ، بدن پر پہنیں۔ پٹکہ کمر پر اور عمامہ (ٹوپی پر) باندھیں۔ اور تہ بند خواہ پاجامہ، ٹخنوں سے اوپر، بطور سترِ عورت استعمال کریں۔ اور ایک لانبا رومال (بشکل دوپٹہ) جس کی لمبائی تقریباً دو ہاتھ ہو، بصورت "لا" گلے میں لٹکائیں۔

یہ سارا لباس، علاوہ تہ بند کے اس کے رنگنے کی ضرورت نہیں، اگر گیروے رنگ یا ملاگیری خوشبو میں رنگا ہوا ہو۔ یا سیاہ یا کسی اور رنگ کا ہو مگر کُسم اور زعفران میں رنگا ہوا نہ ہو (گہرا رنگ ہو کر سُرخ ہو جائے خواہ ہلکا ہو کہ زرد رہے) کہ یہ حرام ہے ورنہ تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حدیث تفسیر اور فقہ واصول اور تصوف وسلوک وغیرہا شرعی علوم کی کتابوں کے مطالعہ کو مانوس اور اپنی عادت بنائیں۔ ان سے مناسبت پیدا کریں اور اپنے روز و شب کے اکثر اوقات کو ان میں مصروف رکھیں۔ شریعت طریقت میں اپنے آپ کو محض مقلّد سمجھیں اور ان دونوں دل پذیر طریقوں میں اپنے دعویٰ اجتہاد سے، دُور سے دُور تر رہیں۔

شریعت میں مذہب حنفی اور طریقت میں مسلک قادری کے پابند رہیں۔ اور اپنے آپ کو انہیں حضرات کا پیرو کار جانیں ورنہ بُرا انجام دیکھیں گے۔ اس لیے کہ اس دَور میں ترکِ تقلید کا انجام، وہی الحاد و زندقہ لبے دینی و گمراہی ہے۔ لہذا شریعت میں امامِ اعظم سے سروکار رکھیں اور طریقت میں حضور سیدنا غوثِ اعظم سے وابستہ رہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی غلامی، کسی نہج نہ چھوڑیں کہ سات پشت سے مارہرہ شریف کا یہ خاندانِ برکات، حضرِ غوثیت مآب کے خاندان سے نسبت غلامی رکھتا ہے۔ اور ہم سب غوث اعظم قطب عالم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بارگاہ کے پروردہ اور موروثی غلام ہیں اور حضور غوثیت مآب کو تمام اولیاء اللہ کا صدر نشین و پیشوا مانتے ہیں۔ اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس طرح انبیاء مرسلین میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان (ارفع و اعلیٰ) ہے۔ اسی طرح جملہ اولیائے الٰہی میں حضور غوثِ اعظم کی شان (برتر و بالا) ہے۔ ہاں فرق یہ ہے کہ حضور خاتمِ ولایت نہیں جبکہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خاتم نبوت ہیں اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اولیاء اللہ پر خواہ وہ سابقین میں ہوں، یا معاصرین ہیں، حاضرین میں ہوں۔ خواہ غائبین میں، ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں جیسا کہ خود آپ کا ارشاد ہے کہ

قدمی ھذہٖ علیٰ رقبۃِ کل ولی اللہ تعالیٰ

یعنی اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

(اور ہم اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دعویٰ صادقہ کہ آپ کی شان کے سزاوار ہے، ان کلماتِ طیبہ لطیفہ میں باذنِ الٰہی، اس جناب حق آگاہی سے، بحالت "صحو" یعنی عالم ہوش و حواس میں سرزد ہوا۔ اور اسی حالتِ صحو ہوشیاری میں آپ ان الفاظ کے اظہار پر مامور و ماذون ہوئے۔ نہ کہ حالتِ سکر میں (کہ مدہوشی کا عالم ہوتا ہے) اور آپ کو اجازت بلکہ حکم دیا گیا کہ علی الاعلان اپنی اس ارفع و اعلیٰ شان کا اظہار کر دیں۔ نیز آپ اس پر بھی مامور فرمائے گئے کہ جو آپ کی طرف رجوع نہ کرے۔ اس سے ولایت واپس اور سلب فرمالیں۔

اور وہ جو زمانہ حال کے نام نہاد صوفی کہ بظاہر صوفی اور درحقیقت سرکشی پر آمادہ ہیں محض نام نمود کے لیے صوفیائے کرام کا لباس پہنے ہوتے ہیں اور حقیقۃً صوفیائے کرام سے کوئی نسبت نہیں رکھتے، یہ گمان کرتے ہیں کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقولہ حالتِ سکر میں سرزد ہوا ہے۔ اس لیے لائق عمل و قابلِ اعتبار نہیں اور بالفرض

اگر لائق اعتبار بھی ہو تو اس مقولہ میں لفظ "ولی اللہ" سے مراد، آپ کے ہم عصر اولیاء ہیں۔ بلکہ وہ اولیاء جو اس وقت حاضر مجلس تھے۔ اولیائے غائبین بھی اس زمرے میں داخل نہیں۔ اور حق یہ ہے کہ یہ لوگ، کسی ضرورت کے بغیر تعمیم میں تخصیص، اور عموم میں خصوص کے دعویدار ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس قول میں عموم کو تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن حضرات سے بھی افضل و برتر ہوں جو یقیناً آپ سے فاضل تر ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ متقدمین میں حضرات انبیائے کرام کے استثناء کے بعد، کہ وہ تو بالاجماع تمام عالم سے افضل ہیں۔ خواہ وہ ملائکہ ہوں یا جن و انس۔ آپ کی افضیلت تمام صحابہ کرام و اہلِ بیت عظام، اور مشہور ائمہ اطہار، رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین پر ثابت ہوئی جاتی ہے اور متاخرین میں حضرت امام مہدی علیٰ جدہٖ و علیہ السلام کہ اخبار و آثار کی رُو سے آپ سے افضل ہیں، ان پر بھی غوث اعظم کی افضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ولی اللہ سے آپ کے ہم عصر اولیاء مراد لیے جائیں یا وہ جو اس وقت مجلس مبارک میں حاضر تھے۔ تاکہ اس خدشے اور مخمصے سے خلاصی و نجات حاصل ہو۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کی یہ ساری تاویلیں مردود ہیں۔ بلکہ حماقت و گمراہی اور گستاخی و بے ادبی پر مشتمل۔ اور حق تو یہ ہے کہ ان لوگوں کا ولایت خاصہ میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اگر مان لیں کہ انہیں ولایت سے کوئی نصیبہ ملا ہے۔ تب بھی وہ اس عقیدہ کا ذبہ کی موجودگی میں، اندیشہ ہے کہ اُن کی ولایت سلب کر لی جائے جیسا کہ شیخ صنعاء وغیرہ کا واقعہ موجود ہے اور اگر کسی کو اس میں شبہہ ہو اور یہ کہے کہ اس قسم کا کلام دوسرے بزرگوں سے بھی وقوع میں آیا ہے تو اس میں غوثِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کیا تخصیص۔ ؟

تو میں کہتا ہوں کہ اول تو ایسا مقولہ کسی ولی کی زبان سے بحالت "صحو" سرزد ہی نہ ہوا اور نہ سرزد ہوگا کہ یہ تو صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور متقدمین میں چوٹی کے علماء اور قابل اعتماد بڑے فضلاء میں سے کسی نے صراحۃً ایسی بات نقل نہیں کی۔ اور اُن متقدمین کے مقابلہ میں ان متاخرین کی ثقاہت و عدالت کا حال معلوم ہو۔ کہ وہ نسبت بھی نہیں جو ذرے کو آفتاب سے ہوتی ہے تو ایسی حالت میں ان متاخرین کے

اقوال کی صداقت پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے. پھر بالفرض یہ بات مان بھی لی جائے تو ہم کہیں گے کہ اوروں سے یہ نقل حدِ تواتر تک نہیں پہنچی اور نہ اس مقولہ نے جمہور اولیاء اللہ کے یہاں درجہ قبولیت پایا. لہذا اس قابل نہیں کہ اسے صحتِ استدلال بنایا جائے یا وثوق اور پورے اعتماد سے اسے اپنایا جائے۔

برخلاف حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول مبارک کے کہ حدِ تواتر تک بھی اسے رسائی ملی اور جمہور اولیاء اللہ نے اسے تسلیم بھی کیا. بالخصوص خواجہ خواجگان، سلطان الہند خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری سنجری رضی اللہ تعالیٰ. کہ بالاتفاق تمامی اولیا ہند (و پاکستان) میں سب سے زیادہ شرف و بزرگی کے مالک. اور تمام اولیاء میں، فضل وکرامت سے ممتاز ہیں. لیکن جب آپ نے یہ کلمہ طیبہ حضور کا سنا تو اسی وقت حضرت والا پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور اسی عالم میں فرمایا :-

بل علیٰ راسی و عینی (بلکہ آپ کا قدم میرے سر اور میری آنکھوں پر)

اور مشرق سے مغرب تک، جنوب سے شمال تک، تمام اولیاء الٰہی نے آپ کا وہ قول مبارک سنا. اس کے اعتراف میں رطب اللسان (تر زبان) ہوئے. سر تسلیم خم کیا اور کسی نے اس راہ سے سر مو تجاوز نہ کیا۔

لہذا ماننا پڑے گا کہ تمام اولیائے کرام بالخصوص سلطان الہند رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تصدیق و تائید میں عقیدہ کو حاصل ہے کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اولیاء اللہ سے بالیقین افضل و اعلیٰ ہیں۔

**فائدہ** :- اس مقولہ کی سند کے بیان میں حضور سلطان الہند سے. اور کتاب لاجواب "تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادر" سے

یہ کتاب حضرت عبد القادر بن محی الدین اربلی نے اپنے شیخ و مرشد برحق السید عبد القادر غریب اللہ بن السید عبد الجلیل الحسنی الحسینی کے حکم سے شہر احمد آباد میں لکھی اور اس کے گیارہویں باب کا عنوان باندھا کہ اس باب میں ذکر ہے اس بات کا کہ حضور خواجہ معین الحق والدین نے حضرت غوث اعظم سے فیض پایا. پھر اس میں لکھا کہ قدمہ المشائخ

وقطب الخلائق امیر محمد الحسنی نے اپنی کتاب "لطائف الغرائب عن لسان قطب العالم نصیر الدین محمود نورِ مضجعہ" "الودود" میں ذکر کیا کہ جب حضور سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باذن الٰہی یہ قول اپنی زبان سے ادا کیا کہ قَدَمِی ھٰذِہٖ عَلیٰ رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ" تو تمام اولیائے کرام نے اپنی اپنی گردنیں جھکا دیں (اور قدم پاک اپنی گردن پر لیا) حضرت خواجہ معین الحق والدین، اس وقت جوان تھے اور خراسان کے کسی پہاڑ کے غار میں مجاہدہ وریاضت میں مشغول۔

لیکن آپ اس امر الٰہی پر جیسے ہی مطلع ہوئے، تمام اولیائے اللہ پر سر جھکانے میں سبقت فرماتے ہوئے، آپ نے اپنا سر مبارک زمین پر رکھا اور فرمایا "بَل عَلیٰ رَاسِی" (نہ صرف میری گردن پر بلکہ آپ کا قدم پاک میرے سر پر)

ادھر اللہ تعالےٰ نے یہ حال حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کشف فرمایا اور آپ نے حضور سیدنا سلطان الہند کے حق میں، اولیاء اللہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ غیاث الدین کے نورِ نظر (معین الدین) نے اللہ تعالےٰ کے دوست داروں اور محبوبوں پر اپنی گردن جھکانے میں سبقت فرمائی لہٰذا ان کے اس تواضع اور حسن ادب کی بدولت، انہیں محبوب خاص بنایا وہ اللہ و رسول کے پیارے ہیں اور عنقریب مملکت ہندوستان میں تصرف کی باگ ڈور انہیں سونپ دی جائے گی۔"

چنانچہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جیسا فرمایا تھا وہی وقوع میں آیا۔
حضرت مولٰنا الشیخ محمد جمال الدین سہروردی نے "سیر العارفین" میں فرمایا کہ حضرت معین الحق والدین چشتی، اور حضور پُرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی ملاقات ایک پہاڑ پر ہوئی تو حضرت خواجہ خواجگان نے آپ کی ہم نشینی وصحبت گزینی میں (۵۷) روز وشب گزارے اور اس جناب پاک کی بارگاہ سے ہر نوع کے فیوض وبرکات طمانیت قلبی اور کمال حاصل کیے۔" السید آدم نقشبندی نے "نکات الاسرار" میں فرمایا کہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مجلس مبارک میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا ذکر چھڑا کہ قَدَمِی ھٰذِہٖ عَلیٰ رَاسِ

کُلّ ولی اللہ۔" تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو ان کا قدم پاک، فخر بہ طور پر اپنی گردن پر لیتا۔ اور آج بھی میں بوجہ فخر و افتخار کہتا ہوں کہ اُن کا قدم پاک میری آنکھوں کی پتلیوں پر"۔ اس لیے کہ محی معین الدین ("سلطان الہند") اُن لوگوں میں ہیں جنہوں نے ان کا قدم پاک اپنی گردن پر لیا، تو میرا منصب یہ ہے کہ میں وہ مبارک قدم اپنی آنکھوں کی پتلیوں پر لوں"۔

حضرت شیخ نور اللہ نے جو حضرت فقیہہ الشیخ حسن القطنی کی اولاد میں ہیں" لطائف قادریہ" میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الواصلین معین الحق والدین حسنی نے حضور غوث اعظم سے ولایت عراق کی استدعا کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ عراق تو ہم شہاب الدین عمر سہروردی کو دے چکے۔ تمہیں ولایت ہند مرحمت فرماتے ہیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین"۔ انتہی۔

خاندان صابری چشتی کے ارجمندوں میں سے ایک ارجمند نے اسی قول مبارک کے ذکر کے دوران ایک روز فقیر سے کہا کہ اس استیعاب و کلّی احاطہ کی بنیاد پر، اس قولِ کلّی کے وہی معنی مراد لینا بہتر ہیں کہ تمام افراد جزئیہ" کو شامل ہوں۔ یعنی تمام اولیاء اللہ، خواہ وہ رحلت فرما چکے یا آپ کے ہمعصر تھے۔ یا آپ کے بعد ظہور فرمائینگے اس کے زمرہ میں شامل ہیں۔ ماسوا ان حضرات کے جو (بالاجماع) مستثنیٰ ہیں۔ یعنی سابقین سے تمام انبیاء علیہم السلام، مع حضرت عیسیٰ علیہ السلام، کہ دوبارہ تشریف فرما ہوں گے۔ اور یہ تمام حضرات بالاتفاق تمام مخلوق پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں صحابہ و اہلِ بیت و ائمہ کرام (وہ اس کے عموم میں داخل ہیں اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور) یہ ایسا ہی ہے جیسے لاڈلے بیٹے کا قدم، اپنے (چاہنے والے) باپ پر اور آپ کے ہم عصر بلکہ تمام متاخرین اولیاء اللہ کے اوپر، آپ کا قدم مبارک ایسے ہے جیسے باپ کا قدم، بیٹے پر۔

یعنی پہلی صورت میں قدم پاک کو یوں تصور کرے جیسے کوئی شفیق باپ، کمال شفقت سے اپنے سعادت مند اور نیک بخت بیٹے کو اپنے کاندھے پر

بٹھالے، کہ اس صورت میں باپ پر بیٹے کی فضیلت کا خیال بھی نہیں آتا۔ چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنے دوشِ مبارک پر اٹھایا تاکہ (خانہ کعبہ کے اندر موجود) بتوں کو توڑ پھوڑ دیں اور امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے دوشِ مبارک پر بارہا بٹھایا۔ اور یہ روایات ہماری اُس تاویل کے بالکل مطابق ہیں۔

اور دوسری صورت میں یہ خیال کرے کہ جیسے کوئی شخص درجات کی رفعت اور مراتب کی سربلندی و مزیت کے باعث، اپنے والد کا قدم، اپنے سر پر رکھ لے۔ تاکہ اس کی تعظیم و تکریم بجالائے۔ اور اس صورت میں شبہہ باپ کی بیٹے پر فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور یہی یہاں ہمارا مقصود ہے۔ اور اس تاویل کے بعد، اس قول کو اپنے عموم پر باقی رکھنے میں کوئی قباحت نہیں"۔ انتہیٰ قول عزیز۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگرچہ یہ تاویل بھی ممکن ہے مگر نہ اس کی حاجت ہے اور نہ وہ قول مبارک کسی تاویل و تغییر و تبدیل کا محتاج۔ اس لیے کہ قولِ مبارک قدمی ھٰذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ میں لفظ ولی اللہ ہی، تمام اولیاء اللہ کے استیعاب اور احاطہ کے لیے وافی و کافی ہے۔ اس لیے کہ تمام پیغمبروں پر جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں، انبیاء مرسلین کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو صحابہ کہا جاتا ہے۔ اہلِ بیت عظام، اہلِ بیت کے نام سے مشہور ہیں اور ائمہ اہلِ بیت علیٰ جدِّ ہم و علیہم السلام پر لفظ امام کا استعمال مشہور و مروّج ہے۔ لہٰذا کلمہ ولی اللہ کا اطلاق ان تمام حضرات کے علاوہ اللہ کے دوسرے برگزیدہ بندوں پر ہوتا ہے۔

نفحات الانس میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد عام مسلمانوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو اُن پر ہر اعتبار سے فضیلت و فوقیت رکھتے تھے، سوائے صحابہ و صحبت یافتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے کوئی اور نام نہ دیا (لہٰذا یہ ایک مخصوص طبقہ ہوا)

اس کے بعد وہ طبقہ ہے جو صحابہ کرام کی صحبت گزینی سے مشرف ہوا اور تابعین

کے نام سے مشہور ہوا۔ اور اس طبقہ کے بعد جو طبقہ اہل اسلام میں پیدا ہوا، اس کا تبع تابعین نام پڑا۔ ان سب کے بعد امت کی برگزیدہ ہستیاں، زاہدوں، عبادت گزاروں کے نام سے موسوم ہوئیں۔ ان میں بھی جو خصوصیت رکھتے تھے، انہیں صوفیائے کرام اور اربابِ تصوف کا نام دیا گیا اور یہ اسی میں منفرد و یکتائے روزگار ہوئے۔ اس لقب کا ان حضرات پر اطلاق سنہ ۲۰۰ھ کے بعد وقوع میں آیا اور سب سے پہلے جو بزرگ اس نام سے پکارے گئے وہ تھے "ابوہاشم"۔

اس لیے لفظ ولی اللہ سے یہ تمام طبقے خود بخود مستثنیٰ ہو گئے، اور کسی تاویل و تبدیل کے بغیر، اس قول سے، اپنے سے فاضل ترین اصحاب پر تفضیل لازم نہیں آتی۔

**تنبیہ** :- بعض ناواقف حضرت محبوب الٰہی قدس اللہ سرہ العزیز کو حضور پُرنور محبوبِ سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل بتاتے ہیں (اور دلیل یہ لاتے ہیں) کہ وہاں ذات کی جانب انتساب ہے اور یہ صفات کی جانب۔

**اقول** :- حضرت سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقبِ پاک "روح اللہ" ہے اور حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لقبِ اقدس "روح الحق" ہے۔ یہ لوگ یہاں کیا کہیں گے؟

جبکہ حق یہ ہے کہ محبوبیت بالذات کا مقام، حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت پاک ہے۔ دوسروں نے جو مقام اعلیٰ و بالا سے کوئی حصہ پایا وہ حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی محبوبیت کا عکس و پَرتو ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لقب پاک حبیبُ اللہ ہے۔ نفسِ ذات برحق کی جانب منسوب جب اس لقب کریم کا پرتو ہمارے آقا حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر جلوہ گستر ہوا تو اس جناب کا لقبِ پاک ہوا، "محبوب سبحانی" اور جو رمز اس میں پنہاں ہے وہ کسی عارف پر پوشیدہ نہیں۔

پھر حضور محبوب سبحانی کے وصال شریف کے بعد جب حضرت محبوب الٰہی قدس اللہ تعالیٰ سرہُ العزیز بھی اس بحرِ رحمت سے فیضیاب و سیراب ہوئے تو آپ کی نسبت، صفاتِ باری تعالیٰ کی طرف منظور نہ ہوئی تاکہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مساوات و

برابری کا احتمال نہ پیدا ہو بلکہ ذات کبریا کی طرف انتساب کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی مساوات وہمسری کا خیال، ہرگز کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔

اس کی نظیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر ابحالتِ خطبہ اقیام ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کے بالائی حصے پر قیام فرما ہوئے۔ حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے حصہ پر قیام پسند فرمایا۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے حصہ پر قیام پذیر رہے۔ لیکن جب زمانہ آیا حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تو آپ نے بالائی حصہ پر قیام کیا۔ حاضرین نے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ تیسرے درجہ سے نیچے کوئی اور درجہ تھا نہیں۔ اگر میں تیسرے حصہ پر کھڑا ہوتا تو فاروق اعظم رضہ سے برابری کا وہم گزرتا، اور دوسرے درجہ پر صدیق اکبر سے۔ اور اب کہ میں سب سے بلند و بالا درجہ پر ہوں کوئی شخص سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے برابری کا وہم وگمان بھی نہیں کر سکتا۔" علاوہ بریں چونکہ صوفیائے کرام کے نزدیک صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں تو نسبت ذات کی طرف ہو خواہ صفات کی جانب، ماحصل ایک ہی ہے۔

بالجملہ اس قسم کی معلومات کے سہارے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، حضور پُرنور محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کلی فضیلت دینا، جہل عجیب ہے اس لیے کہ جمہور اولیائے قدست اسرارھم کا اس امر پر اجماع ہے کہ حضور سیدنا غوث اعظم تمام اولیاء اللہ پر فضیلت تامہ رکھتے ہیں۔

تو اولیائے کرام کے ایسے اجماع کو، ایسی خام خیالیوں سے نہیں توڑا جاسکتا۔ جیسا کہ ان القاب عالیہ کی بدولت ان محبوبانِ بارگاہ الٰہی کو، صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ عنہم پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ کہ ان کے لیے تو یہ القاب کہیں منقول نہیں۔ نہ ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب ملنسوب اور نہ صفات کی طرف منتسب۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

# دوسرا لمعہ (تابش ۲)

## عقائد اہلِ سُنت وجماعت کا اجمالی بیان

میرے عزیز! اللہ تعالےٰ انہیں صالح بنائے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھو کہ عقیدہ کی درستگی، اصل کار ہے (اسی پر تمام اعمال صالحہ کا دار و مدار) اور عقائد کا فساد (بگاڑ) غضب خدائے جبار کا موجب اور دخول نار (جہنم میں داخلہ) کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔

**فاسد عقیدہ**: روئے زمین پر خواہ کتنا ہی عبادت گزار تارک الدنیا، شمار کیا جائے منزل کا سراغ نہیں پاسکتا۔ اسے یوں سمجھو کہ کعبہ معظمہ کا قصد و ارادہ رکھنے والا جب اُسے پشت پر رکھ کر آگے قدم بڑھائے گا تو جتنا دوڑے گا اُتنا ہی خانہ کعبہ سے دُور ہو گا۔ اس لیے یہ بات لازم ہے کہ اولاً اپنے تمام عقائد مذہبِ مہذب اہلِ سنت و جماعت حفظہم اللہ تعالیٰ (اللہ اُنہیں اپنی حفاظت میں رکھے) کے مطابق درست کر کے ایسا سُنّی بن جائے کہ اس کا سُنّی ہونا (اپنوں اور غیروں میں) مسلم ہو۔ اس کے بعد اصلاح باطن (وتزکیۂ نفس) کی جانب متوجہ ہو کر، اس راہ میں قدم رکھے، اس لیے کہ معرفت الٰہی اعتقاداہلسنّت کے اختیار کیے بغیر ناممکن ہے۔

اس فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے اس باب میں ایک جامع و نافع مختصر رسالہ ترتیب دیا ہے جس کا نام ہے۔

### اَلْعَسَلُ الْمُصَفّٰی فِی عقائد اربابِ سُنّۃِ الْمُصطفٰی

ہم اس مقام پر "نورِ اول" کے عنوان سے "تکمیل الایمان" مصنفہ حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدثِ دہلوی قدس سرہٗ سے منتخب چند امور بیان کرتے۔ دوسرے اہم امور "نور" کے عنوان سے بیان کریں گے تاکہ یہ کتاب اس اہم الفرائض کے بیان سے خالی نہ رہے۔

**نور ۱**: ۱۔ حقائق الاشیاء ثابت ہیں۔ عالم حادث ہے اور قابل فنا۔

ساری کائنات کا پیدا کرنے والا قدیم واجب الوجود ہے (یعنی ازلی ابدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کا وجود ضروری ہے اور عدم محال) وہ ایک ہے اور حی۔ (یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اس کے دست قدرت میں ہے احیات قدرت، سُننا، دیکھنا، کلام علم ارادہ، اُس کے صفات ذاتیہ ہیں۔ اور (اس کی ذات کی طرح) اس کی تمام صفات بھی قدیم (ازلی ابدی) ہیں۔

کسی حادث کے لیے اس کی ذات قوام نہیں۔ نہ وہ جسم ہے اور نہ جوہر۔ نہ وہ مصوّر ہے (نہ اس کی کوئی تشبیہہ و تصویر اور شکل وصورت) اور نہ مُرکّب نہ معدود ہے (کہ گنتی شمار میں آسکے) اور نہ محدود ہے (کہ کسی حد میں سما سکے) نہ اس کے لیے مکان ہے اور نہ زمان۔

نہ اس کا کوئی مماثل ہے نہ مشابہ، نہ کوئی مقابل ہے اور نہ کوئی ہم سر۔ نہ کوئی اس کا معین ومشیر ہے اور نہ کوئی معاون و وزیر، اور نہ وہ کسی سے متحد۔ (کہ وہ اور یہ دونوں ایک ہو گئے) وہ تمام صفات کمال کا جامع ہے اور ہر اُس چیز سے جس میں عیب ونقص ہو یا وہ زوال پذیر ہو منزّہ اور پاک ہے۔ اس کا دیدار، آخرت میں ہر صاحب ایمان (سنی مسلمان) کے لیے ممکن بلکہ واقع ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے (ذوات ہوں خواہ افعال) اور وہی ساری کائنات کا تدبیر فرمانے والا۔ اس پر کچھ واجب نہیں (نہ ثواب و عذاب۔ نہ بندوں کے ساتھ لطف یا اس کے ساتھ وہ کرنا جو اس کے حق میں بہتر ہو) اس کے سوا کوئی حاکم نہیں (مالک علی الاطلاق ہے جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے) اور اُس کے کسی فعل کے لیے کوئی غرض نہیں۔

حُسن ہر وہ شے ہے۔ جسے شریعت اچھا بتائے اور قبیح، ہر وہ امر ہے جس کو شریعت قبیح و بُرا بتلائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا فرمائے۔ ان کے دو دو تین تین اور چار چار بازو ہیں ان میں جبریل و میکائیل اور عزرائیل اور اسرافیل علیہم السلام ہیں (جو سب فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔) ان میں سے ہر ایک کا مقام متعین ہے اور وہی کرتے ہیں جو حکم الٰہی ہے۔ خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔

بہت سے نبیوں پر اللہ تعالےٰ نے آسمانی کتابیں اتاریں۔ ان میں چار کتابیں بہت مشہور ہیں۔ توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن عظیم۔

اللہ تعالےٰ کے تمام اسماء توقیفیہ ہیں (ورودِ شرع پر موقوف) اللہ تعالےٰ ہی بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے۔ لہٰذا کفر و معصیت بھی اُسی کے ارادہ و تقدیر سے ہے۔ البتہ اپنے بندوں سے کفر پر وہ راضی نہیں (تو کفر و معصیت کی تقدیر اور چیز ہے اور اس پر راضی ہونا چیز دیگر)

جس کو چاہے راہِ راست پر لائے اور جسے چاہے راہِ راست سے الگ کر دے کافر اور فاسق و فاجر کے لئے قبر میں عذاب اور اہلِ طاعت کے لیے نعمت و ثواب۔ جسے وہی خوب جانتا ہے اور اس چیز کو بھی جس کا وہ ارادہ فرمائے۔ حق ہے۔ (اور دلائل شرع سے ثابت)

یوں ہی منکر نکیر کا سوال حق ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا حق ہے۔ وزن اعمال حق ہے۔ حساب کتاب حق ہے (حشر میں اعمال سے متعلق) سوال حق ہے۔ حوض حق ہے۔ پل صراط حق ہے۔ شفاعت حق ہے۔ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علامات قیامت اور احوال آخرت کے بارے میں جو کچھ فرمایا حق ہے۔

قبضِ روح یعنی جان کنی کے وقت کا ایمان مقبول نہیں (اس لیے کہ حکم ایمان بالغیب کا ہے اور اب غیب نہ رہا بلکہ یہ چیزیں مشاہدہ میں آگئیں)

گناہ کبیرہ سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا (تو مرتکب کبیرہ مسلمان ہے) اور مسلمانوں میں جو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہ رہیں گے اگرچہ بلا توبہ دنیا سے گزر جائیں۔ خود قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہ بخشے گا باقی سب گناہ اس کی مشیت پر ہیں جسے چاہے بخش دے (لہٰذا مرتکب کبائر مسلمان بھی آخر کار جنت میں جائے گا۔ خواہ اللہ عزوجل اپنے فضل سے اس کی مغفرت فرمادے۔ یا حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد یا اپنے

کیے کی کچھ سزا پاکر۔ اس کے بعد کبھی جنت سے نہ نکلے گا) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو گناہِ صغیرہ پر بھی مواخذہ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے، اُنھیں میں سے کچھ برگزیدہ ہستیوں کو نبی و رسول بنا کر، بندوں کی طرف بھیجا۔ وہ خوش خبریاں سُناتے اور عذابِ الٰہی سے ڈراتے تشریف لائے۔ اور دنیا و آخرت کے اُن تمام امور کو وضاحت سے بیان فرمایا جس کی جانب بندوں کو احتیاج ہوتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام ان میں سب سے پہلے نبی ہیں اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم۔

انبیاء کی کوئی تعداد مقرر کرنا (کہ نہ اس سے کم ہیں نہ زیادہ) جائز نہیں۔ ہاں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے وہ تمام احکام بندوں تک پہنچا دیئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نازل فرمائے۔ ان میں ہر نبی صادق و راست باز ہے۔ گناہ کبیرہ بلکہ اپنے قصد و ارادہ سے گناہ صغیرہ سے بھی معصوم۔ (اور عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہو لیا جس کے سبب ان سے صدور گناہ شرعاً محال ہے) نیز یہ کہ کسی نبی کی نبوت نہ اس سے سلب کی گئی نہ وہ اس منصب سے معزول ہوئے۔

ان انبیاء میں سب سے افضل ہمارے آقا و مولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی بعثت تمام مخلوق (انسان و جن بلکہ ملائکہ حیوانات جمادات) سب کی طرف ہوئی۔ آپ کی شریعت تمام سابقہ شریعتوں سے کامل ترین، اور آپ کا دین تمام گزشتہ دینوں کا ناسخ ہے اور آپ کی اُمت (آپ کے طفیل) اگلی پچھلی تمام اُمتوں سے زیادہ شرف و فضیلت والی۔

(آپ کے خصائص سے ہے) معراج شریف کہ حضور حالت بیداری میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ اور وہاں سے ساتوں آسمان (اور کرسی و عرش تک بلکہ

بالائے عرش (جہاں تک اللہ تعالےٰ نے چاہا) رات کے ایک خفیف حصہ میں مع جسم (شریف لے گئے (اور تمام ملکوت السموات والارض کو بالتفصیل ذرہ ذرہ ملاحظ فرمایا) اور یہ سب کچھ حق وثابت ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب اربعہ (یعنی خلفاء راشدین) تمام امتوں سے زیادہ فضل وکرامت والے ہیں اور ان کی خلافت و برترتیت افضلیت ہے (یعنی جو عنداللہ افضل واعلیٰ واکرم تھا۔ وہی پہلے خلافت پاتا گیا۔ نہ کہ افضلیت برترتیت خلافت) اور افضیلت سے مراد ہے کثرت ثواب (یعنی اللہ عزوجل کے یہاں زیادہ عزت و منزلت والا ہونا)

خلفائے راشدین کے بعد بقیہ عشرہ مبشرہ ہیں (یعنی وہ دس[10] صحابہ جنہیں جیتے جی جنت کی بشارت دی گئی۔ ان میں خلفائے اربعہ یعنی صدیق اکبر[1]، فاروق اعظم[2]، عثمان غنی[3] اور مولیٰ علی[4] رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ہیں) حضرت ابوعبیدۃ[5] بن الجراح۔ سعید بن زید[6]۔ سعد بن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر[9] بن العوام اور طلحہ[10] بن عبداللہ۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

ان کے بعد مرتبہ ہے۔ اصحاب بدر کا۔ پھر اصحاب اُحد کا اور پھر بیعت رضوان کا حصہ پانے والوں کا حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء بھی قطعی جنتی ہیں اور حسنین کریمین حضرت سیدنا امام حسن و سیدنا امام حسین ہمام جوانان جنت کے سردار ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعد (منہاج نبوت پر) خلافتِ حقہ راشدہ تیس سال رہی۔ اس کے بعد بادشاہی وامارت آگئی۔

(تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اہل خیر وصلاح ہیں اور عادل ونیکوکار) اُن کا جب ذکر کیا جائے تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے (ان میں اہل اجتہاد بھی تھے مثلاً امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا حضرت سیدنا امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے خلاف اسی قسم کی خطا کا تھا اور فیصلہ وہ جو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ مولیٰ علی کی ڈگری اور امیر معاویہ کی مغفرت۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین) انبیائے کرام
اَنام مخلوق یہاں تک کہ (رُسلِ ملائکہ سے افضل ہیں اور رُسل ملائکہ عامۃ البشر پر
فضیلت رکھتے ہیں۔

اولیائے کرام کی کرامات حق ہیں اور ولی کتنے ہی بڑے مرتبہ والا ہو، کسی نبی کے
برابر نہیں ہو سکتا۔

(احکامِ شرعیہ کی پابندی سے کوئی ولی، کیسا ہی عظیم ہو سبکدوش نہیں ہو سکتا) اور
اور نہ بندہ کو یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے کہ اس سے شریعت کے امر و نہی، ساقط ہو جائیں
البتہ اگر مجذوبیت سے عقل تکلیفی زائل ہو گئی ہو جیسے غشی والا۔ تو اس سے قلم شریعت
اُٹھ جائے گا۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جو اس قسم کا ہوگا وہ شریعت کا مقابلہ کبھی نہ
کرے گا۔)

شریعت مطہرہ کے نصُوص (یعنی وہ احکام جو نص سے ثابت ہیں) اپنے ظاہری متبادر
معنی پر محمول ہوں گے۔ انہیں چھوڑ کر معنی باطنی کا دعویٰ کرنا جیساکہ فرقہ باطنیہ مدعی ہے۔
الحاد و زندقہ ہے (اور کھلی گمراہی (زندوں کی دعاؤں اور ان کے صدقہ و خیرات سے،
مسلمان مُردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ (اسی کا نام ایصال ثواب ہے،

**یاد رکھنا چاہیئے** کہ اللہ تبارک و تعالیٰ دعاؤں کو قبول، اور حاجتوں کو پورا
فرمانے والا ہے۔ اور یہ کہ نماز ہر نیک و بد کے پیچھے جائز ہے (اگرچہ فاسق معلن کی اقتدا
گناہ اور نماز مکروہ تحریمی کہ اعادہ واجب ہے) یوں ہی وضو و غسل کرنے والے کی نماز
اُس مسلمان کی اقتداء میں درست ہے جو موزوں پر مسح کیے ہوئے ہو۔ سفر میں ہو یا
حضر میں (مقیم ہو خواہ مسافر)

کسی گناہ کو کبیرہ ہو خواہ صغیرہ، حلال جاننا اور اُسے حقیر و ہلکا کفر ہے۔ یونہی
شریعت کا مذاق اڑانا، یا اس کی اہانت کرنا بھی کفر ہے۔ اور دل لگی میں کلمات کفر
ادا کرنا، نجومیوں کی غیبی خبروں کی تصدیق کرنا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جانا اور
عذابِ الٰہی سے مامون رہنا بھی کفر ہے۔ ایمان خوف و رجا کے مابین ہے اور یہ کبھی

نہ بھولیں کہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے،

**نور ۲:-** ہم سُنّیوں کا اعتقاد ہے کہ علم غیب بالاستقلال یعنی ذاتی، اللہ تعالیٰ کی جنابِ پاک سے خاص ہے (کہ اسکی کوئی صفت کوئی کمال، عطائی یعنی کسی کا دیا ہوا نہیں) اور انبیاء کرام و اولیائے عظام کو جو غیوب پر اطلاع ہے وہ ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا سے اس کے دیئے سے) نیز ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر (پست سے پست) آواز کو سنتا۔ اور ہر باریک سے باریک چیز کو (کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو) دیکھتا ہے۔ مگر اُس کا سُننا دیکھنا (کان اور آنکھ وغیرہ) آلات سے نہیں (کہ یہ سب اجسام ہیں اور اجسام سے وہ پاک)

**نور ۳:-** ہم سنیوں کا عقیدہ ہے کہ بنی آدم میں، انبیائے کرام کے سوا کوئی اور کوئی معصوم نہیں۔ اگرچہ وہ اولیاء اللہ ہوں اگرچہ مرتبۂ قطبیت اور درجۂ غوثیت پر فائز ہوں۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام اور اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم ہاں یہ حضرات عالی درجات اور باقی ائمہ کرام لفظ "محفوظ" سے موسوم ہیں کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے۔

اور عصمت انبیاء کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ ان کے لیے حفظ الٰہی کا وعدہ ہولیا۔ اور وعدہ الٰہی کا خلاف ہرگز معقول نہیں۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور اسی وعدہ

و ———————————————— حفاظت

الٰہی کے سبب اُن سے کسی گناہ کا صدور شرعاً محال ہے (حتیٰ کہ قصد و ارادہ سے صغائر کا صدور بھی) گناہ ان کے سراپردہ ناموس و عزت کے گرد نہیں پھٹکتا۔ اور بنی آدم میں یہ عصمت خاصہ ہے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا۔ جو شخص، نوعِ بشر میں انبیاء کی سی عصمت اور معصومیت، کسی اور کے لیے ثابت مانے وہ گمراہ و بَد دین ہے۔

**نور ۴:-** نبی نے (غیب و شہادت کی) جو خبریں دیں، وہ اسی طرح مورثِ یقین ہیں جس طرح، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبریں۔ ان سب کی تصدیق ہی دین و ایمان کا حاصل ہے۔ جو ان کی بتائی ہوئی کسی خبر کو نہ مانے

وہ کافر ہے۔ بشرطیکہ اس کا ثبوت نبی سے ثابت وضروری ہو۔ البتہ ولی اللہ کی خبر کا یہ مقام نہیں۔ اور انکار اس کا بھی جبکہ ثبوت صحیح ہو، زہر قاتل ہے لیکن کفر وارتداد نہیں۔ ایک فرق ان دونوں کے خبروں میں یہ بھی ہے کہ نبی کی خبر قطعاً حق ہے اور کسی قسم کی کوتاہی وخطا کا اس میں احتمال نہیں۔ برخلاف خبر ولی کے کہ وہ معصوم نہیں۔

**نورہ ۵:-** ہر وہ امر جو سالک کو، خواب میں یا بطور کشف والہام، یا واقعہ ومراقبہ میں معلوم ہو لازم ہے کہ اسے کتاب وسنت پر پیش کریں۔ اگر مطابق پائیں، اس پر یقین لائیں ورنہ اس سے اعراض کریں۔ اس کی جانب کوئی توجہ نہ دیں اور پراگندہ خواب یا شیطانی وسوسے سمجھیں۔

**نورہ ۶:-** کسی بھی شخص پر نام لے کر ہرگز لعنت نہ کریں۔ اگرچہ وہ مشرک وکافر ہو۔ اس لیے کہ اس کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں (کہ کفر پر ہوا یا ایمان پر) اگر موت آجانے کے بعد وہ عنداللہ مستحق لعنت ہے (اور تم نے اس پر لعنت کی) تو (حق بہ حقدار رسید خیر ہے۔ ورنہ بصورت دیگر تیری لعنت خود تجھ پر پلٹے گی۔ ہم نے مانا کہ کافر ومشرک پر لعنت کرنا مباح ہے (نہ عذاب کی باعث نہ ثواب کی موجب) لیکن سوال تو اس کی موت کا ہے۔ یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس کا خاتمہ کفر وشرک ہی پر ہوا۔ لہذا اس پر لعنت روا۔ وحی منقطع ہو چکی (اور یقینی علم کا کوئی اور ذریعہ باقی نہ رہا۔ اب تجھے کیسے معلوم ہوا کہ فلاں شخص کہ مرا کفر وشرک پر مرا۔ یہی کہا جائے گا کہ تم نے یہ بات اپنے جی سے جوڑی اور کہہ دی۔ تو ایسی باتوں کا کیا اعتبار (نہ عندالناس معتبر۔ نہ عندالشرع مقبول۔

تو کہنا یہ ہے کہ نامزد کرکے کسی پر لعنت کرنا سخت ممنوع ہے۔ خدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کے بارے میں یہ بات صاف واشگاف فرما دیا۔ کہ ان کا خاتمہ کفر وشرک پر ہوا۔ جیسے ابلیس، ابولہب، فرعون، ہامان اور ان جیسے دوسرے کفار ومشرکین۔ ان پر نامزد کرکے لعنت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں لعنت اور اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

جاننا چاہیے کہ لعنت کے معنی یہ ہیں کہ خدایا فلاں کو اپنی رحمت سے دُور رکھ اور اسے محض بے بہرہ بنا کہ اُس کا تیری رحمت میں، بروز قیامت کوئی حصّہ نہ رہے"۔ اور بایں معنی رحمت الٰہی سے دوری و محرومی، مشرکین و کفار ہی کے لیے ہے۔ تو ایسی صورت میں کہ اس کے خاتمہ کا ہمیں علم نہیں کہ وہ کافر مرا یا مسلمان، اس پر لعنت کی جرأت کسی طرح کی جاسکتی ہے۔

**نور ۷:-** ارکان اسلام سے خود کو بناؤ سنوارو۔ یعنی نماز روزہ اور حج و زکواۃ بجالاؤ۔ اور عقائد اہل سُنت و جماعت پر ثابت قدم رہو کہ اس اُمت کے تہتر فرقوں میں سے صرف ایک یہی فرقہ ناجی (نجات پانے والا) ہے اور باقی سب ناری جہنمی۔

امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اہلسنت وجماعت کی شناخت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تم شیخین (ابوبکر صدیق و عمر فاروق اعظم) کو دوسروں سے افضل جانو۔ اور ختنین (حضور کے دونوں خویش حضرت عثمان غنی و مولا علی) رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے محبت کرو اور موزوں پر مسح جائز مانو"۔ یعنی ختنین کی فضیلت شیخین کی فضیلت سے کمتر ہے، کسی نقصان وفتور کے بغیر اور شیخین سے محبت، ختنین سے محبت کے برابر ہے کسی تفاوت وقصور کے بغیر۔

ہمارے جد امجد حضرت حضرت سیدنا السید عبدالواحد قدس سرہٗ نے سبع سنابل میں یہی بیان فرمایا ہے

**نور ۸:-** اتنی بات پر تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم قبل نبوت بھی شرک وکفر اور کذب وخیانت (وغیرہا صفات ذمیمہ، جو خلق کے لیے باعث نفرت اور وجاہت ومروت کے خلاف ہیں) معصوم ہیں۔ اور بعد نبوت کبائر سے بھی معصوم ہیں اور تعمدِ صغائر سے بھی (کہ قصداً صغیرہ بھی نہیں کرتے) اور حق یہ ہے کہ تعمّدِ صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں) نیز احکامِ تبلیغیہ میں بھی سہو ونسیان سے معصوم ہیں۔ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین۔

**نور ۹:-** کوئی ولی نہ ہرگز کسی نبی کے مرتبہ تک پہنچا اور نہ ہرگز پہنچ سکتا ہے نہ زنہار زنہار پہنچ سکے گا۔ اگرچہ وہ قطب الاقطاب یا غوث یا صدیق ہو۔

یونہی کوئی مکلّف کہ عاقل بالغ ہو، موت در پیش آنے سے پہلے، تکلیفاتِ (احکام) شرعیہ سے سبکدوش اور آزاد نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ ولی بلکہ نبی ومرسل ہو۔

قرآن کریم کی آیۂ کریمہ واعبد ربك حتیٰ یاتیك الیقین (اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو) اسی مضمون سے آگاہ کر رہی ہے۔ اس لیے کہ علمائے دین نے یہاں یقین سے معنی موت ہی مراد لیے ہیں۔ اس لیے کہ موت آجانے کے بعد ہی وہ یقین حاصل ہوتا ہے جو آزادی وسبکدوشی کا موجب ہے اور تکلیفاتِ شرعیہ سے انسان سے ساقط فرماتا ہے۔

صوفیائے کرام بھی عقائد کے بارے میں علمائے ظاہر کا خلاف نہیں کرتے بلکہ اُن کے نزدیک بھی تصوف کی شرطِ اول یہ ہے کہ آدمی، تمام عقائدِ اہلسنت کا معتقد ہو۔

ہاں وہ بات جو بعض صوفی نما جاہل کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مقام یقین، اولیاء اللہ کو زندگی میں بھی حاصل ہوجاتا ہے اور انہیں احکامِ شریعت کی پابندی سے سبکدوش کر دیتا ہے"۔ یہ محض ایک شیطانی وسوسہ ہے اور محض عدم واقفیت وجہالت گمراہی وخودبینی اور خودنمائی وخودرائی اس کا منشا۔

لہٰذا جو لوگ سلفِ صالحین کے اقوال کو چھوڑ کر، شیطان کے مشوروں پر عمل کرتے زندیق بنتے اور روزہ نماز وغیرہ ارکان اسلام سے خود کو مستغنی وبے نیاز سمجھتے ہیں وہ گمراہی وبے دینی کے جال کا شکار ہیں۔

مسلمان کو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ تمام مخلوقِ خدا سے برتر وبالا اور ملائکہ خواہ جن وانسان۔ سب سے افضل واکمل، اعلیٰ واولیٰ ہیں۔ اپنے اس عظیم ترین مرتبے اور فضیلت وکرامت کے باوجود، اس دنیاوی زندگی میں تکالیف شرعیہ سے سبکدوشی کے خواستگار نہ ہوئے۔ تو دوسروں کو جو وہ نسبت بھی نہیں رکھتے جو ایک ذرہ کو

آفتاب سے ہے، یہ لاف و گزاف اور شیخی بگھارنا، ڈینگیں مارنا، کسی طرح روا ہو سکتا ہے (اللہ نے انہیں عقل و شعور بخشا) اور یہ تکالیف شرعیہ سے آزاد ہو کر، مجنون و لا یعقل بنتے ہیں۔

الٰہی ہمیں شیطان کے شر سے اور اس کے وسوسوں سے اپنی پناہ میں رکھ۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

**نور ۱۰:-** تمام فرشتے خواہ وہ سماوی (آسمانی) ہوں جیسے جبریل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل، اور حاملان عرش اور ملائکہ مقربین و اسماعیل کہ آسمان دنیا کے سردار ہیں اور دوسرے فرشتے کہ ان کا شمار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (الا ان یشاء اللہ) خواہ ارضی (زمینی) ہوں جیسے کراماً کاتبین اور محافظ فرشتے، کہ انسان کی، جن اور بلاؤں سے حفاظت پر مامور من اللہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔

لَہٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ (آدمی کے لیے بدلی والے فرشتے ہیں۔ اس کے آگے پیچھے۔ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں)

یہ سب کے سب ہر قسم کے گناہ سے معصوم ہیں (ان سے گناہوں کا صدور محال) خود قرآن کی گواہی ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں)

اور ہاروت و ماروت کی جو حکایتیں عوام میں زبان زد اور بعض تفاسیر میں بھی مذکور ہیں علمائے محققین کے نزدیک وہ سب بے اصل روایتیں ہیں۔ چنانچہ امام قاضی عیاض کی شفا شریف اور اس کی شرح سے یہ بات معلوم کی جا سکتی ہے۔ اور حضرت جد اعلیٰ سید شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز کی بیاض "فص الکلمات" میں بحوالہ تفسیر زاہدی جو یہ قول منقول ہے کہ ملائکہ کی دو قسمیں ہیں۔ نوری و ناری ان میں سے قسم اول یعنی ملائکہ نوری، گناہ و نافرمانی سے معصوم ہیں اور قسم دوم یعنی ناری ملائکہ سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے۔ الخ یہ قول اس اصطلاح پر مبنی ہے کہ کچھ لوگوں نے قوم جن کو بھی ملائکہ فرمایا ہے۔

اور اسی اصطلاح پر محمول ہے وہ قول جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے منقول ہے کہ "ابلیس گروہِ ملائکہ میں تھا" (حالانکہ وہ گروہ ملائکہ سے ہرگز نہ تھا ہاں کثرتِ عبادت و زہد کی بدولت گروہِ ملائکہ میں اُس کا شمار ہوتا تھا) اس باب میں قرآن کریم کی نصّ قطعی موجود ہے کہ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (ابلیس قوم جنّ سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا)

**نُور ۱۱:۔** محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ آپ کے بعد ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ اور آپ کے بعد ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام یہی قول مشہور ہے (پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام۔ ان حضرات کو مرسلین اولوالعزم کہتے ہیں۔ اور یہ پانچوں حضرات باقی تمام انبیاء و مرسلین انس و جن و ملک و جمیع مخلوقاتِ الٰہی سے افضل ہیں) پھر تمام ہی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، جملہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ یہی مذہب ہے جمہور علمائے اہل سُنّت وجماعت کا اور یہی مذہب معتبر ہے۔

اور افضلیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ ثواب و کرامت اور قربِ الٰہی میں، دوسرے سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ شرح مقاصد وغیرہ میں بھی یہی مذکور ہے۔

پھر رُسل ملائکہ افضل ہیں اولیائے بنی آدم سے۔ اور اولیائے بنی آدم افضل ہیں عام ملائکہ سے۔

اور آداب المرشدین میں ہے کہ تمام صوفیائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ رُسُلِ بنی آدم افضل ہیں تمام ملائکہ سے۔ البتہ اس میں قدرے اختلاف ہے کہ عام ملائکہ عامۃ المسلمین سے افضل ہیں یا نہیں (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) ہاں یہ بات یقینی ہے کہ بعد انبیاء و مرسلین تمام مخلوقاتِ الٰہی۔ انس و جن و مَلک سے افضل صدیق اکبر ہیں۔ پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی، پھر مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسی ترتیب و افضلیت پر ان کی خلافت واقع ہے۔ (کما تقدم)

**نُور ۱۲:۔** اہل جنت کی عورتوں میں حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت خدیجہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت مریم و آسیہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ

عنہن۔ اور قسطلانی میں ہے کہ شیخ تقی الدین کے نزدیک حضرت فاطمہ افضل ہیں پھر حضرت خدیجہ، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہن۔

جبکہ ایک جماعت کا قول ہے کہ حضرت عائشہ سب سے افضل ہیں۔ اور ان کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جس میں فرمایا گیا کہ "عائشہ کو تمام عورتوں سے ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی ثرید کو دوسرے کھانوں پر"۔

اور ایک جماعت نے حضرت خدیجہ کو افضل بتایا کہ بیبیوں میں پہلی ہیں جو حضور پر بلا تردد ایمان لائیں"۔

اور ایک جماعت حضرت مریم کی فضیلت کی قائل ہیں۔ اور ان کی دلیل ہے وہ آیہ ربانی کہ فضلک علی نساء العلمین۔ (تجھے تمام جہاں کی عورتوں پر فضیلت دی) لیکن یہ ہے کہ ان میں سے کوئی دلیل قطعی نہیں۔ لہذا سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ان سب کو، باقی دوسری عورتوں پر فضیلت دی جائے۔ لیکن خود ان میں باہمی تفضیل کے قول سے اجتناب برتا جائے۔

**نور ۱۳:-** جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خلفائے راشدین میں باہمی افضلیت بترتیب خلافت ہے (کہ ان میں ملک داری و ملک گیری میں جسے جتنا سلیقہ تھا وہی خلیفہ بنتا گیا اور افضل قرار پایا) یہ محض غلط ہے۔ بلکہ (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا) خلافت برترتیب افضلیت ہے اور اسی ترتیب افضلیت پر اس کی خلافت وقوع میں آئی۔ یعنی جو عند اللہ افضل و اعلیٰ و اکرم تھا وہی پہلے خلافت پاتا گیا۔ اور دلیل اس قول پر یہ امر ہے کہ ان میں باہمی افضلیت اسی ترتیب حضور اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں متحقق و معروف ہو چکی تھی۔ حالانکہ آپ کے عہد مبارک میں ان میں سے کوئی خلیفہ نہ تھا۔ چنانچہ وفات اقدس کے بعد جب اسی ترتیب افضلیت پر آپ کی خلافتیں وقوع میں آئیں تو یہ بات خود بخود روشن ہو گئی کہ خلافت برترتیب واقع ہوئی نہ کہ افضلیت برترتیب خلافت۔

اس بات کو خوب ذہن نشین کریں۔ مولائے کریم ہمیں بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں سے بچائے۔ آمین۔

**نورِ ۱۴:-** دین کا مذاق نہ اڑائیں کہ کفر ہے۔ یوں ہی احکامِ شریعت کو بہ نظرِ حقارت دیکھنا بھی کفر ہے۔ جیسا کہ آجکل بے قید آزاد روشوں سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ داڑھی اور عمامہ پر پھبتیاں کستے ہیں۔ نعوذ باللہ من سوءِ اعمالنا۔

**نورِ ۱۵:-** ہمارے اس دور میں ۱۲۲۹ھ کے آغاز سے، ایک گمراہ ترین فرقہ جس کا آغاز بدعت اور مابین المسلمین رخنہ ڈالنا۔ اور انجام کار الحاد و زندقہ ہے، ہندوستان میں نمود پا چکا ہے۔ اسی فرقہ کو اہلِ عرب (بلکہ تمام عجمی بھی وہابی کہتے ہیں۔ یہ فرقہ عبدالوہاب نجدی کی طرف منسوب ہے۔ جو عرب شریف میں پیدا ہوا۔

اس گمراہ فرقے سے ہرگز ہرگز خلط ملط کو روا نہ رکھیں۔ اس ننگ روزگار، طائفہ نابکار کی شناخت کے لیے یہی ایک کلمہ جو میں کہتا ہوں، کافی ہے کہ یہ فرقہ رافضیوں کا بھی بڑا باپ ہے۔ رافضی اگر صحابہ کرام کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ تو یہ فرقہ خود جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم کی جنابِ پاک، بلکہ بارگاہِ الٰہی میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتا ہے۔ اسی لیے یہ لوگ اللہ تعالٰے کی جنابِ پاک کی طرف امکان کذب کی نسبت کرتے ہیں۔

(کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ مسلمانو! جب اللہ ہی کا جھوٹا ہونا ممکن ہوا۔ پھر اُس کی کونسی بات کا اعتبار رہا۔ دین ایمان سب ہاتھ سے گیا۔ اب نہ قرآن رہا۔ نہ قرآن پر یقین بچا۔ وہابیہ کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ایک ہی لفظ میں تمام دین و ایمان و نبی و قرآن پر پانی پھیر دیا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم)

اسی طرح یہ وہابیہ اللہ تعالٰے کے علم و صدق وغیرہ صفات کو اختیاری مانتے ہیں (گویا یہ صفات فی الحال اس کے لیے ثابت نہیں۔ وہ چاہے تو ثابت ہو جائیں والعیاذ باللہ) اس گمراہ فرقے کی تمام تر کوششوں کا ماحصل وہی ہے جو فرقہ نیچریہ کا ہے (تو کہنا چاہیے کہ ابلیس کی مادرِ ضلالت سے ایک لڑکی پیدا ہوئی کہ جب تک کم سن رہتی۔ اُس نے وہابیت کا نام پایا۔ جب حد بلوغ کو پہنچی اور خونِ الحاد نے جوش مارا اور خاوند کفر کا منہ اس نے دیکھا تو نیچریت کے نام سے موسوم ہوئی۔

مسلمان کو ان دونوں ہی گمراہ فرقوں سے دُور سے دُور تر رہنا چاہیے کہ مارانِ سیاہ اور غولانِ راہ ہیں (کہ ڈستے اور راہِ حق سے بہکاتے ہیں۔)

مولا تعالےٰ ایسے گمراہوں کی صحبت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

**نورُ ۱۶:-** خرقِ عادت، ایسی بات کو کہتے ہیں جو معمولاتِ انسانیہ اور عاداتِ جاریہ کے برخلاف ظہور میں آئے۔ مثلاً انسان کی عادت جاریہ یہ ہے کہ وہ مثلاً کسی سیڑھی یا زینہ کے ذریعہ بالائی حصہ پر پہنچے۔ لیکن اگر کوئی بندۂ خدا اس ظاہری سبب کے بغیر ہی اوپر پہنچ جائے تو کہا جائے گا کہ اس سے خرق عادت کی چند صورتیں ہیں:-

معجزہ[۱]، ارہاص[۲]، کرامت[۳]، معونت[۴]، استدراج[۵]، اہانت[۶]

اس لیے کہ خرق عادت کا ظہور، یا کسی مسلمان کے ہاتھوں ہوگا یا کافر کے۔ پہلی صورت میں وہ صاحب ایمان، نبی ہوگا، یا ولی، یا عام مومنین سے۔ اگر اس کا صدور نبی سے، زمانہ نبوت میں ہو تو اس کا نام معجزہ ہے اور جو بات خلاف عادت قبل نبوت، ظاہر ہو اُسے ارہاص[۲] کہتے ہیں۔ اور ولی سے ایسی بات ظاہر ہو تو اسے کرامت[۳] کہا جاتا ہے۔ اور عام مومنین سے صادر ہو تو اسے معونت[۴] کا نام دیا جاتا ہے۔

اگر خرقِ عادت کافروں (اور بیباک فاجروں) سے، اُن کے موافق ظاہر ہو تو اسے استدراج[۵] کہتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہو تو اہانت[۶] ہے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب ملعون (جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا اُس) سے لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے کہ آپ اپنا دست مبارک، جس بچے کے سر پر پھیر دیتے ہیں اس کے سر سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ اُس نامراد نے بھی ایک بچے کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو وہ گنجا ہوگیا۔

یونہی اس ملعون سے لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنا لعابِ دہن اقدس کھاری کنویں میں ڈال دیتے ہیں تو پورا کنواں میٹھا ہوجاتا ہے۔ اُس مردک نے ایک میٹھے پانی کے کنویں میں تھوک دیا۔ سارا کا سارا پانی کھاری ہوگیا۔ اس ملعون نے سُنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ایک نابینا کی آنکھوں پر پھیرا

تو اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ اُس نامرد نے بھی ایک، یک چشم کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو اس کی دوسری بھی چوپٹ ہوگئی۔ قصّہ مختصر یہ اہانت اور دوسرے امور خرقِ عادت میں امتیاز چنداں مشکل نہیں کہ جب اس کی مراد کے خلاف، اس کا ظہور ہوگا تو آپ ہی کھل جائے گا کہ یہ جھوٹا ہے (یونہی استدراج اور معجزہ میں وجہ امتیاز محتاج بیان نہیں کہ بفرض محال اگر کوئی شخص دعویٰ نبوت کر بیٹھے تو وہ کوئی خرق عادت یا محال عادی اپنے دعویٰ کے مطابق ظاہر کر ہی نہیں سکتا (ورنہ سچے جھوٹے میں فرق نہ رہے گا۔) بلکہ اگر وہ تمام جہان کے جادوگروں کا مانا ہوا استاد ہو تب بھی اس کی جادوگری کے سارے کرشمے باطل و ناپدید ہو جائیں گے۔ اور کوئی کرشمہ جادو کا نہ دکھا سکے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص دعویٰ خدائی کرے تو اس کے تمام شعبدے، بروجہ کمال ترقی پا سکتے ہیں اور وہ ایسی عجیب و غریب ناشدنی خلاف عادت چیزیں دکھا سکتا ہے کہ دیکھنے والوں کی عقلیں چکرا جائیں۔

چنانچہ قرب قیامت دجّال لعین سے ایسی باتیں ظہور پائیں گی۔ وہ پہلے تو دعویٰ نبوت کرے گا (اور معجزات کا مدعی ہوگا) لیکن اس کے تمام استدراجات اور امور خرقِ عادات باطل ہو جائیں گے۔ اب وہ دعویٰ خدائی کرے گا اور پھر عجیب و غریب شعبدہ بازیاں دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرے گا۔

وجہ اس کی بالکل ظاہر ہے کہ نبی تو اپنے صدق کا علانیہ دعویٰ فرما کر محالات عادیہ کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا ہے (اور منکروں کو اس کے مثل کی طرف بلاتا ہے اور عزوجل اس کے دعویٰ کے مطابق، امر محال عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں اسی کو معجزہ کہتے ہیں) اور یہ نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔ اگر نبوت کا جھوٹا مدعی بھی کوئی امر محال اپنے دعویٰ کے مطابق ظاہر کر دے تو جھوٹے اور سچے نبی میں فرق نہ رہے گا اور شریعت کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

بخلاف مدعیِ الوہیت اگر دعویٰ خدائی کرتا ہے (اگر وہ سراپا خرقِ عادت بن جائے اور مشرق تا مغرب، ہزارہا، عجائب و غرائب اور خرق عادات سے بھر دے (تب بھی عقل سلیم اس کے اس دعویٰ پر ایمان نہ لائے گی) کہ عقل سلیم خود اس امر کی شاہد ہے کہ

یہ خدا نہیں ہو سکتا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

اس لیے اس کے ہاتھوں پر کسی خرقِ عادت (اور امر محال عادی) کا ظاہر ہو جانا۔ خلقِ خدا کے لیے تلبیس اور حق و باطل میں تمیز و امتیاز باقی نہ رہنے کا موجب نہیں بن سکتا۔ بہ خلاف صورت اولیٰ کے (کہ جھوٹے سچے میں امتیاز باقی نہ رہے گا اور یہ باعث فتنۂ عظیم ہے) ہاں کرامت اور استدراج میں فرق قدرے دشوار ہے۔ لیکن معیار یہاں بھی وہی ہے کہ جسے شریعت مطہرہ کا ظاہر و باطن میں پابند پائیں اور اس سے کسی خرقِ عادت کا ظہور دیکھیں تو اسے کرامت جانیں اور جسے شرع مطہر سے دور دیکھیں تو اس سے کسی محال عادی کا ظاہر ہو جانا استدراج سمجھیں۔

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ محال عادی کا ظہور، ایسی چیز نہیں جو صرف اولیائے کرام کے ہاتھوں وجود میں آئے بلکہ جادو کے ذریعہ بھی اس کا وجود ممکن ہے جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے کر دکھایا اور جیسے قرآن عظیم فرماتا ہے:۔

یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی

(اُن کے جادو کے زور سے، ان کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں)

اور مشقت میں ڈالنے والی ریاضتوں اور دنیا سے اپنے تعلقات ختم کرنے سے بھی (خرقِ عادات، امور ظاہر ہو جایا کرتے ہیں) جیسا کہ ہندوؤں کے جوگیوں، نصرانیوں کے راہبوں اور یہودیوں کے تارک الدنیا پیشرووں سے دیکھنے سننے میں آتا ہے۔ بلکہ دیوانوں اور مجذوبوں سے بھی امر محال عادی، ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ عالم علوی کے حجابات اٹھا دیے جائیں کہ وہی عالم میں عالمِ سفلی کا مدبّر ہے۔

اب یہ بات خوب روشن و آشکارا ہو گئی کہ محض خرق عادت کا ظہور ہی قابل اعتماد نہیں بلکہ تمام تر دارومدار وہی شریعتِ مطہرہ پر استقامت اور بارگاہِ احدیّت سے دل کا دوامی تعلق ہے اور اس شناخت کے لیے یہ بات سزاوار ہے کہ اُس کی صحبت کے فیضان سے خدا یاد آئے اور دنیا کی طرف سے دل سرد ہو جائے۔ جیسا کہ آگے اس کا بیان آتا ہے۔ ہم نے یہ فائدہ محض اسی خیال سے لکھا کہ اس جماعت کو توثیق ہو جائے

بھائیوں کے ذہن نشین رہے اور وہ کسی مغالطہ کا شکار نہ ہوں. و باللہ العصمۃ۔

فقیر برکاتی یہاں اپنے جدامجد و مرشدِ برحق کی دو تین چشم دید کرامتیں لکھتا ہے. ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ جب آپ کی روح مبارک کے ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کرنے کے بعد بھی لب ہائے مبارک کی حرکت بند نہ ہوئی اور وہی کیفیت تھی جیسی کہ اسم ذات سے شغل کے باعث عموماً دیکھنے میں آتی تھی اور عالم حیات دنیاوی میں آپ، کی عادت گرامی تھی. اور باوجودیکہ میں سر مبارک اور ٹھوڑی کو، اپنی سی پوری کوشش سے رومال باندھتا لیکن سودمند نہ ہوتا. آخر کار میں نے، اپنا دل حضرت کی جانب متوجہ کیا اور جو عرض کرنا تھا عرض کر دیا. اُسی وقت حرکت بند ہوگئی. پھر جب غسل دینے کا وقت آیا تو پھر ہونٹوں پر وہی جنبش نمودار ہوئی. میں نے پھر دوبارہ بطور اول جو عرض کرنا تھا عرض کیا. وہ جنبش پھر ختم ہوگئی. پھر جب دفن کا وقت آیا اور ہم نے چہرہ مبارکہ دیدار کے لیے کھولا ہونٹوں پر وہ جنبش باقی تھی. فقیر نے پھر وہی عرض داشت پیش کی تو وہ جنبش ختم ہوگئی. اس کے علاوہ اور بہت سی کرامتیں آپ سے ظہور میں آئیں جن کا تحریر میں لانا (اس مختصر کتاب کی تطویل کا باعث ہے (جبکہ ہمارے مدنظر ہے اختصار)

**نور ۱۷:۔** نبی وہ بشر ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالےٰ، اس کے نفس کی تکمیل کے لیے اس کی طرف وحی بھیجے. خواہ نئی شریعت لائے خواہ سابقہ شریعت پر آئے. لیکن رسول اس بشر کو کہتے ہیں کہ اس کی تکمیل نفس کے بعد احکام الٰہی کی تبلیغ کے لیے اُسے بندوں کی طرف بھیجا جائے. یہاں بھی نئی شریعت کی کوئی تخصیص نہیں. اور ہم مسلمانانِ اہلِ سنت کا اعتقاد ہے کہ وحی شرعی، انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں آتی. ہاں اولیاء اللہ کو ایک اور طریقہ پر سرفراز فرمایا جاتا ہے جسے الہام کہتے ہیں.

**نور ۱۸:۔** ایمان بالمشاہدہ، اگرچہ مقربین بارگاہ کا حصہ، اور فضل عظیم و شرفِ مبین کا منشاء ہے، لیکن نادیدہ، گرویدہ ہونا، اور محض اخبار الٰہی سن کر ایمان لے آنا، اس کی شان ہی نرالی ہے. اسی وجہ خاص کی بدولت ایمان بالغیب ایمان بالمشاہدہ سے عنداللہ محبوب تر ہے. ملائکہ کا، عرش و کرسی، و لوح و قلم اور جنت و

دوزخ پر ایمان شہودی ہے، اور ہمارا ایمان بالغیب۔ حضرت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملائکہ پر تنزیلِ کتب پر اور نزولِ وحی پر ایمان بالمشاہدہ ہے اور ہمارا ایمان، ایمان بالغیب یونہی صحابہ اہلِ بیت کو حضور پُرنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور آپ کے معجزات جلیلہ پر ایمان بالشہود ہے اور ہمیں ایمان بالغیب۔ (اور یہ ایک فضلِ جزئی ہے جو ہمیں نصیب ہوا)

اور اگرچہ متاخرین کو (تا بہ قیام قیامت) جزئی فضیلت حاصل ہے۔ لیکن وہ فضیلت کلی۔ جس سے مراد ہے، کثرتِ ثواب اور خاص حضوری بارگاہ رب الارباب، وہ حضرات اہل بیت و صحابہ کرام ہی کا حصہ ہے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور فضیلت جزئی فضیلت کلّی کا کہاں مقابلہ کرسکتی ہے، یہ بات خوب ذہن نشین کرلیں۔

میں نے یہ مسئلہ حضرت جدّی و مرشدی (سیّد شاہ آل رسول) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سُنا تھا ایک روز آپ بطور وعظ بیان فرمارہے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو مخاطب فرماکر دریافت فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ، ایمان والوں میں کن لوگوں کا ایمان زیادہ محبوب ہے ؟

صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ، ملائکہ وانبیائے کرام کا ایمان۔

ارشاد فرمایا کہ "نہیں، اس لیے کہ وہ حضوری و قربت اور منزلتِ وحی میں ہیں"

"عرض کیا۔ پھر تو ہمارا ایمان زیادہ محبوب ہوا"

ارشاد ہوا "نہیں، کہ میں خود بہ نفسِ نفیس تم میں تشریف فرما ہوں۔"

صحابہ کرام نے عرض کیا "پھر تو خدا و رسول ہی خوب جانتے ہیں۔"

اس پر ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا ایمان کہ میرے بعد پیدا ہوں گے اور (ساری شریعت) کتابوں کے اوراق میں لکھی پائیں گے (ہر چیز ان کے شہود سے دور ہوگی) پھر بھی وہ اس پر ایمان لائیں گے۔"

میں نے اس پر عرض کیا کہ اس عطائے عظیم کی بخشش، ہماری فضیلت جزئی کی موجب ہوئی یا نہیں۔ اس پر وہی جواب ارشاد فرمایا جو ابھی مذکور ہوا۔

**نور ۱۹ :۔ یزید پلید پر لعنت کرنے میں علمائے اہل سُنت وجماعت**

کے تین[3] قول ہیں :- سکوت[1]، ممانعت[2] اور جواز[3]

سکوت ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ کوفی اور اس امام عالی مقام کے متبعین کا قول ہے اور یہی اسلم واحکم ہے (اور سلامتی کی راہ محکم، کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں۔ کفر متواتر نہیں۔ اور بحال احتمال، نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ لعن وتکفیر۔ مگر اس کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور شہزادہ گلگوں قبا، شہید کرب وبلا، امام حسین مظلوم پر الزام رکھنا ضروریاتِ مذہب اہلِ سُنت کے خلاف ہے اور ضلالت وگمراہی اور شقاوت و بدبختی ہے۔ بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شمہ ہو اس کا قائل ناصبی مردود اور اہل سُنت کا عدو عنود ہے۔

ممانعت[2] (کہ اُس پر لعنت نہ کی جائے) امام غزالی اور ان کے اتباع کا قول ہے اور جواز[3] (کہ بلا تردد اس پر لعنت جائز ہے) یہ مسلک ہے حضرت امام احمد بن حنبل اور اُن سے موافقت کرنے والوں کا علمائے متاخرین میں علامہ سعدالدین تفتازانی وغیرہ۔ بھی اسی راہ پر گامزن ہوئے۔ یہ تینوں فریق اہلِ سنت وجماعت سے ہیں۔ کوئی بھی سنی مسلمان ان تینوں مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کو اختیار کرتا ہے تو اس سے اس کی سُنیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ بدستور سنی المذہب ہی رہے گا۔

لیکن حق یہ ہے کہ وہ حسن احتیاط جو مذہبِ مہذب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے وہ احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی۔ (مختصراً یوں سمجھ لیں کہ) اگر بالفرض وہ یزید مستحقِ لعنت ہی ہے تو اسے ملعون ملعون کہنا اور اس پر لعنت کو اپنا وظیفہ بنا لینا، یہ کوئی باعثِ فضیلت امر تو نہیں۔

اور اگر وہ عنداللہ مستحقِ لعنت نہیں معاذاللہ، اس لعنت کے پلٹنے کا اندیشہ ہے اس لیے کسی عاقل کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ ایسے کام میں منہمک ومشغول رہے کہ اس کا ایک پہلو کھلے ہوئے نقصان کا موجب ہو اور دوسرا پہلو، نفع سے خالی۔

پھر یہ جواز وعدمِ جوازِ لعنت کا مسئلہ بھی ایک فقہی مسئلہ ہے اور ہم فقہ میں حضرت امام والامقام کے مقلد ہیں تو اس مسئلہ خاص میں، کیوں ان کی تقلید سے قدم باہر نکالیں

جبکہ عداوت و بُغض، لعنت کرنے ہی میں منحصر نہیں (اس کے اور بھی طریقے ہیں جو ہر ذی عقل پر روشن۔ تو صرف یہی طریقہ کیوں اختیار کیا جائے) کیا تم نے نہ دیکھا کہ علمائے کرام، کسی کافرِ معین پر بھی نام لے کر لعنت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تا وقتیکہ یقینی طور پر، کفر پر اُس کا انجام معلوم نہ ہو جائے۔ (اور ذریعہ یقین ہے وحی الٰہی۔ جو ایک منقطع ہو چکی) تو کیا کافروں کے ساتھ عداوت و بغض کا حکم نہیں۔ (ہے اور ضرور ہے)

ہاں اُس بلید مردود و پلیدِ نامسعود سے جو بغض ہمیں ہے۔ اُسے خدا تعالےٰ خوب جانتا ہے۔ لیکن الحمدللہ کہ ہم اس پر لعنت کو اپنا وظیفہ و شعار نہیں بناتے، بلکہ اس سے سروکار نہیں رکھتے، اور نہ کسی مسلمان کو لعنت کرنے والا اور فحش گو ہونا چاہیے۔ پھر بھی اگر کوئی اُس پر لعنت کرتا ہے۔ کرے۔ وہ جانے اور اس کا کام۔ زجرو توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہم اس پر بھی روا نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ابھی گزرا۔ اور قبول حق کی توفیق اللہ تعالےٰ کے دست قدرت میں ہے۔

**نور ۲۰:-** ایک روز عصر و مغرب کے مابین، حضرت رشید برحق کی خدمت میں حاضر تھا۔ انہیں ایام میں مَیں نے ایک کتاب ترتیب دی تھی جس میں جملؔ و صفینؔ اور جنگ نہروانؔ میں عملاً حصہ لینے والوں کے بارے میں اہلِ سُنت و جماعت کے عقائد کا ذکر تھا۔ میں نے یہ کتاب، اصلاح کی غرض سے، اُن کی نظر کیمیا اثر کے سامنے رکھی۔ فرمایا۔ "پڑھ کر سناؤ"۔ میں نے قدرے پڑھ کر سنایا۔

ارشاد فرمایا برخوردار مولوی عبدالقادر (بدایونی) سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس رسالہ کو مطالعہ کیا ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ساری بحث کا استنباط میں نے مولوی صاحب مذکور ہی سے کیا ہے۔ فرمایا "بس تو پھر یہی کافی ہے۔ ان کا علم تازہ ہے اور ہمیں اس ادھیڑ عمری میں اتنی فرصت کہاں کہ کسی کتاب کی اصلاح یا بین السطور کی طرف متوجہ ہوں"۔ میں نے پھر عرض کی کہ اسی مسئلہ میں مختصر طور ہی پر کچھ ارشاد فرمائیں تاکہ میں اُسے حرزِ جانِ ایمان بناؤں (اور اس کی پناہ میں رہوں۔)

ارشاد فرمایا "وَ نَکُفُّ عَنْ ذِکْرِ الصَّحَابَۃِ اِلَّا بِخَیْرٍ ط ہم صحابہ کا جب بھی ذکر

کریں گے، خیر ہی کے ساتھ کریں گے، بس اتنا ہی کافی ہے"

لہٰذا ان تینوں جنگوں میں (مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے بالمقابل آنے والوں کے بارے میں) اہلسنت وجماعت کے عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ جمل وصفین میں (مقابلہ امیر المومنین کرم اللہ وجہہ ام المومنین صدیقہ عائشہ اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اخطائے اجتہادی واقع ہوئی۔

(مگر ان سب نے بالآخر رجوع فرمائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلاف بھی اسی قسم کی خطائے اجتہادی پر مبنی تھا اور فیصلہ وہ جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مولیٰ علی کی ڈگری اور امیر معاویہ کی مغفرت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

البتہ جنگ نہروان میں (مقابلۂ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ آنے والوں اور آپ سے) جنگ وقتال کرنے والوں کی نسبت حکم فسق ضلالت ہے یعنی پہلی جنگوں میں آپ سے مقابلہ کرنے والوں نے اجتہاد میں خطا کی لیکن اس آخری جنگ میں شرکت کرنے والے یقیناً معاند و نافرمان وطاغی اور سرکش و باغی تھے (اور گمراہی و بددینی کے پیشرو) پھر یہاں ایک نکتہ بہتر از گوہر یہ ہے کہ خطائے اجتہادی دو قسم پر ہے۔ منکر وغیر منکر (جسے خطائے مقرر بھی کہا جاتا ہے) خطائے مقرر وہ کہ اس کے صاحب پر ردّ و انکار کیا ہی جائے گا (کہ اس کی خطا باعث فتنہ ہے) اگر خاموشی اختیار کی جائے تو فتنہ برپا ہوگا۔ اور غیر منکر یا خطائے مقرر وہ کہ ایسی نہ ہو (اس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا) جیسے امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہ کا اس ذبیحہ کو حلال قرار دینا جسے ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ اور اسی قسم کے اور مسائل فرعیہ۔

اس لیے مُلا جامی قدس سرہٗ السامی کا عقائد منظومہ میں یہ ارشاد بجا ہے کہ

جنگ باوی خطائے منکر بود ؎

لیکن فہم و فراست سے کورے اشخاص، بات کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں

نور ۲۱: مرتبہ نبوت اور مرتبہ ولایت، دونوں وہبی ہیں نہ یہ کہ اعمال شاقہ سے آدمی خود حاصل کرلے۔ مولیٰ عزوجل اپنے برگزیدہ

بندوں کو محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرماتا ہے۔ مجاہدو ریاضت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ جو شخص نبوت کو کسبی مانے وہ کافر ہے اور جو ولایت کو کسبی جانے وہ گمراہ و بے دین البتہ غالباً اعمالِ حسنہ اس عطیۂ الٰہی یعنی ولایت کے لیے ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور مجاہدۂ ریاضت راہِ ولایت کے لیے بمنزلہ شرط ہے۔ بے مجاہدہ یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ اور جب یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ تو صرف مجاہدہ اس کا موجب نہیں۔ اصل چیز فضل وکرمِ الٰہی اور عطائے ربانی ہے

**نور ۲۲:** مرتبہ نبوّت و رسالت۔ بنی آدم میں صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ نہ کوئی جن نبی ہوا نہ کوئی عورت۔ بخلاف ولایت کہ اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔ اگرچہ اکثریت مردوں کی ہے۔

**نور ۲۳:** ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل کا پایا جانا کہ اُن کے کمالاتِ عالیہ میں ان کا ہم سر د برابر اور شریک ہو، محال وممتنع بالذات ہے اور دائرہ قدرت سے خارج اکہ چیز محال ہے اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرت اُسے شامل ہو۔ جیسے دوسرا خدا ہونا محال ہے یعنی نہیں ہو سکتا۔ تو اگر یہ زیرِ قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا تو محال نہ رہا۔ اور اس کو محال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے۔ا ہذا ہو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال۔

**نور ۲۴:** قضا جس سے مراد ہے حکمِ باری تعالیٰ، دو قسم پر ہے۔ مُبرَم و معلق۔ قضائے مُبرَم وقوع میں آتی ہے (اس کی تبدیلی ناممکن) اور جو قضائے معلق ہے وہ واقع بھی ہو جاتی ہے اور صدقات وغیرہ سے ٹل بھی جاتی ہے۔ قضائے مبرم کی مثال موت ہے کہ وقت مقررہ پر ضرور آکر رہے گی۔ اور قضائے معلق کی مثال، بیماری وغیرہ وہ آفاتِ ارضی وسماوی ہیں جو علاج میں جِدّ وجُہد سے مناسب تدابیر اور خیرات وحسنات سے ٹل جاتی ہیں اور وقوع میں نہیں آتیں۔

**نور ۲۵:** قال الشیخ الاکبر فی الفتوحات ولما لم یصح اجتماع الصادقین معاً، لذلک لم یقم ابو بکر فی حال

النبی صلی تعالیٰ علیہ وسلم وثبت مع صدقہ فلو نقد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک الوطن وحضر ابوبکر لقام فی ذالک المقام الذی اقیم فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لانہ لیس ثم اعلیٰ منہ یحجبہ ذالک المقام فہو صادق ذالک الوقت وحکیمہ۔ وما سواہ تحت حکمہ۔

(مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ تصوف کی ایک خاص اصطلاح پر کلام ہے۔ اور عوام الناس کو اس کی حقیقت تک مشکل۔ لہٰذا ترجمہ ترک کر دیا گیا کہ خواص اس کے محتاج نہیں)

**نور ۲۶:-** اس زمانہ پر فتن میں بعض عوام اہل سنت، رافضیوں کی صحبت وہم نشینی، اختیار کرنے کے باعث حضرت امیر معاویہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے سوءِ عقیدت اور بد گمانی میں مبتلا ہیں. اس لیے مناسب ہے کہ ہم اس سلسلہ میں خصوصاً امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باب میں ذکر کرتے چلیں۔ ہم حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے ایک قول پر اکتفا کرتے ہیں کہ صوفیہ صافیہ کے لیے سند کافی ووافی ہے۔

چنانچہ حضرت والا کے ملفوظات "فوائد الفوائد" میں ہے کہ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ کے باب میں ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیئے؟ ارشاد فرمایا کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے خسر پورہ (یعنی سالے) ہیں۔ صاحبِ ایمان مسلمان ہیں اور صحابہ کرام سے ہیں۔ آپ کی ایک ہمشیرہ تھیں۔ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرم پاک و ازواج مطہرات میں شامل ہیں۔

(تو اس قدر قرابتِ قریبہ کے بعد اُن کی جناب پاک میں بدظنی و سوءِ عقیدت کیسی۔ اور سالے کا استعمال اردو زبان میں بطور گالی بھی رائج ہے۔ لہٰذا ان کی جناب میں یہ استعمال نہ کریں۔

**نور ۲۷:-** معدن المعانی کے باب۔ دہم میں، صحابہ کرام کے تمام امت

سے افضل ہونے، ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب، روضۂ مبارکہ کی عمارت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ہے۔ اس فقیر مسکین نے عرض کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تمام مسلمانوں سے افضل ہونا صرف شرف صحبت نبوی کی بنیاد پر ہے یا دوسرے مکارم اخلاق مثلاً علم و عبادات، زہد و تقویٰ اور توکل وغیرہ میں بھی آپ کو سبقت حاصل ہے؟ بندگی مخدوم عظمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں خلاصہ جواب یہ ہے کہ "تمام مخلوق اولین و آخرین میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً فاضل ترین ہیں اور آپ کے بعد تمام انبیاء و مرسلین تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور انبیاء و مرسلین کے بعد حضور کے صدقہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت مرحومہ تمام امتوں سے افضل ہے، اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں، سب سے افضل صدیق اکبر ہیں۔ پھر عمر فاروق اعظم۔ پھر عثمان بن عفان۔ پھر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ خواصِ بنی آدم یعنی انبیا و مرسلین علیہم السلام افضل ہیں خواص ملائکہ سے۔ اور خواصِ ملائکہ مثلاً جبرائیل، میکائیل، اسرافیل عزرائیل علیہم السلام افضل ہیں عوامِ بنی آدم سے اور عوام بنی آدم، افضل ہیں۔ عوامِ ملائکہ سے۔ یہ مذہب ہے جمہور اہل سنت وجماعت کا۔

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ تم نے پوچھا ہے کہ صحابۂ کرام کی فضیلت کا مبنیٰ صرف شرفِ صحابیت ہے یا وہ دوسرے صفاتِ عالیہ مثلاً علم و عبادت اور زہد و تقویٰ اور توکل وغیرہ میں بھی افضلیت رکھتے ہیں" تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اصحابی کالنجوم بِاَیِّھِمْ اقتدیتم اِھتدیتم (میرے تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی اقتدا کروگے راہِ ہدایت پاؤگے) تو یہ ارشاد گرامی اپنے عموم پر ہے۔ اس قول مبارک کے مصداق جس طرح خلفائے اربعہ ہیں۔ اسی طرح باقی تمام صحابہ کرام بھی ہیں۔ تو صحابہ کرام کے علاوہ تمام امتیوں کی ہدایت کا دار و مدار ہے۔ ان کی اتباع و پیروی پر۔ اور یہ حقیقت بالکل

ظاہر ہے کہ مقتدا کو اپنے مقتدیوں سے تمام اوصاف میں فاضل تر ہونا چاہیے۔

لہٰذا صحابہ کرام کو جس طرح شرف صحابیت حاصل ہے یونہی اوصاف جمیلہ میں انھیں افضلیت و برتری حاصل ہے اور وہ اگرچہ تمام اوصاف عالیہ مثلاً علم و تقویٰ، زہد و ورع اور توکل وغیرہ سے موصوف ہیں۔ لیکن ان تمام فواضل پر صحابی رسول ہونے کے اثرات و فوائد بیش از بیش اور غالب تر ہیں اور ان تمام فضائل و فواضل کو "صحابیت" اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور وصف کو یہ شرف و جامعیت حاصل نہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے صحابہ کو صرف لفظ صحابی سے یاد کیا جاتا ہے اصوفی یا ولی کا لقب ان کو نہیں دیا جاتا۔ لہٰذا صحابہ کرام کے علاوہ اولیائے کرام کے لیے یہ بات ممکن و جائز ہے کہ وہ صحابیت کے ماسوا دوسرے اوصاف سے متصف ہوں جیسا کہ صحابہ کرام ہیں لیکن وہ دولت و نعمت۔ جسے صحابیت اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے وہ کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔ بندگی مخدوم اعظمہ اللہ تعالیٰ جب اس ارشاد گرامی سے فارغ ہوئے تو یہ شعر مبارک پڑھا۔

ماہ من گر تو مرا کس نہ کنی من چہ کنم
سنگ بے تربیتے۔ لعل شدن نہ تواند

(اے میرے چاند اگر تو اپنی ضیاء سے مجھے کسی قابل نہیں بنا سکتا تو پھر میں کیا کروں کدھر جاؤں۔ کوئی پتھر کسی تربیت و تراش کے بغیر لعل نہیں بن سکتا)

**نور ۲۸:** یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت و رسالت کا منصب، کسی نبی و رسول سے سلب نہیں کیا جاتا۔ برخلاف مرتبہ ولایت کے کہ یہاں سلب ممکن ہے۔ اس لیے میرے عزیز! مرتبہ ولایت کے حصول کے بعد بے خوف نہ ہو جانا۔ بلکہ ہمیشہ ہمیش اس منصب کو باقی رکھنے کی کوشش میں لگے رہنا۔ یہاں تک کہ یہاں سے رحلت کا وقت آجائے۔ ورنہ خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بن جانے کا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

# تیسر المعہ (تا الشش ۳)

# تصوّف کے بیان میں

**نُور ۱** سوال: تصوّف اور سلوک میں کیا فرق ہے؟

جواب :- ان دونوں کے مابین وہی فرق ہے جو فقہ و اصولِ فقہ کے درمیان ہے۔ یعنی تصوف اصول فقہ کے مشابہ ہے اور سلوک فقہ کی مانند۔ تصوف میں علم شریف باطنی کے قواعد و اصول بیان ہوتے ہیں اور سلوک میں مجاہدوں اور ریاضتوں کی مدد سے اس راہ میں گامزن ہونے کے طریقے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

**نُور ۲** :- وحدت دو قسم پر ہے ایک وجودی۔ دوسری شہودی
وحدت وجودی کا ماحصل یہ ہے کہ سالک کے علم اور اس کی نگاہوں سے ماسوی اللہ کا شعور ساقط ہو جائے اور تمام ماسوی اللہ کے شعور فنا کے بعد اس کے علم و نظر میں ذات باری تعالے باقی رہے۔ اکہ لا موجود الا اللہ باقی باقی۔ فانی فانی اخلاصہ کلام یہ کہ اس کے علم میں بھی صرف ایک موجود رہے اور اس کی نگاہوں میں بھی صرف وہی وہ ہو۔ یعنی بجز ذات وحدت کے سالک کے علم و نظر کے اعتبار سے اس کی یہ حالت ہو جائے کہ یکے دیدن و یکے دانستن افلاح باطنی یہی ہے کہ قلب و قالب، رذائل و نالائق حرکات سے متخلّی و تہی داماں، اور فضائل و مکارم اخلاق سے متجلّی و روشن کر کے بقایائے شرک خفی، دل سے دُور کیے جائیں، یہاں تک کہ پھر لا مشہود الا اللہ پھر لا موجود الا اللہ متجلی و جلوہ گستر ہو۔ یعنی اوّل ارادۂ غیر سے خالی ہو، پھر غیر نظر سے معدوم، پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اسی کے لیے ہے باقی سب ظلال و پرتو)

(افادات رضویہ)

یہی سالک کا انتہائی مقام ہے۔ یعنی سالک کو جب اس مقام تک رسائی نصیب

ہوتی ہے تو وہ اسم ذاتی سے موسوم ہو جاتا ہے۔ اور ختم سیر الی اللہ کے بھی یہی معنی ہیں۔ اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔ یہ مقام، مقاماتِ سیر و سلوکِ قادریہ میں چوتھا مقام ہے۔ اس کے بعد کہیں سیر فی اللہ ہے اور اس سے مُراد ہے ذاتِ باری تعالیٰ میں ترقیوں کا حصول۔ اس کی انتہا کوئی نہیں اور ابتدا ختم سیر الی اللہ سے ہوتی ہے۔

اور وہ جو حدیث شریف میں وارد ہوا کہ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (ہمیں تیرا عرفان میسر نہ ہوا جیسا کہ معرفت کا حق ہے) اُس سے اسی مقام کا سُراغ ملتا ہے اور یہی مسلک ہے سلاسل قادریہ وچشتیہ و سہروردیہ وغیرہا کے تمام اولیائے کرام کا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ہاں اقلِ قلیل گروہ جو وحدت شہود کا قائل ہے وہ اس مقام کو، سالک کا ابتدائی مقام کہتا ہے۔

وحدت شہودی سے بھی بالفاظِ دیگر یہی معنی مراد ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں تمام موجودات کی نفی صرف نظر سالک سے ہوتی ہے۔ اُس کے علم سے نہیں۔ یعنی تمام ماسوی اللہ تمامی موجودات علم سالک میں باقی رہتے ہیں۔ صرف نظر سے معدوم ہو جاتے ہیں، نظر میں صرف ایک ذاتِ باری تعالیٰ ہوتی ہے باقی سب پس پردہ اور نگاہوں سے پوشیدہ۔ جبکہ علم سالک میں اُن کا وجود باقی رہتا ہے۔

اس کی مثال ستارے اور آفتاب ہیں کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو تمام ستارے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ نظروں میں صرف ایک آفتاب ہی کی روشنی ہوتی ہے لیکن آدمی جانتا ہے کہ ستارے فنا نہیں ہو گئے۔ موجود ہیں مگر نگاہ سے اوجھل۔

یوں ہی سالک کی نگاہوں میں تجلیاں صرف ایک ہی ذاتِ کریم کی ہوتی ہیں۔ مگر اس کے علم میں یہ بات کہ دوسری موجودات بھی موجود ہیں (معدوم نہیں) اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ وحدت شہودی کے قول میں ایک نقص نظر آتا ہے اور یہ نقص بھی ہے کہ تمام موجودات علم سالک میں باقی و موجود رہتے ہیں اور یہ منافی ہے فنائے مطلق کے۔ اسی لیے اس توحید شہودی کے قائل حضرات صوفیہ صافیہ کا ایک قلیل گروہ ہے۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی اور شیخ روزبہان بقلی وغیرہا۔

اور علمائے متاخرین میں حضرت احمد صاحب سرہندی اور آپ کے متبعین کہ وہ بھی نقشبندیہ مجددیہ ہیں، اسی راہ پر گامزن ہیں بلکہ ان میں سے بعض حضرات تو توحیدِ وجودی کے قائل ہو گئے۔ مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کہ نقشبندی مجددی ہونے کے باوجود آپ نے اس مسئلہ میں چند ایسے مکاتیب شائع کر دیے جو حضرت مجدد صاحب کے اُن اقوال کی تاویلات پر مشتمل تھے۔ جن کا پتہ اُن مکتوبات سے چلتا ہے جو اثباتِ وحدتِ شہودی میں آپ نے تحریر فرمائے اور ان مکاتیبِ شاہ صاحب کا رد، مولوی غلام یحییٰ صاحب نقشبندی مجددی مرزا مظہر جانِ جاناں صاحب نے کیا اور ایک مبسوط رسالہ تحریر کیا۔ پھر اس رد کا رد مولوی رفیع الدین صاحب ولد شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی برادرِ حضرت مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی جانب سے "دمغ الباطل" کے نام سے ظاہر و شائع ہوا جواب بھی موجود ہے۔ من شاء الاطلاع علیھا فلیرجع الیہ۔

لہٰذا نظرِ انصاف سے دیکھنا چاہیئے کہ ان دونوں (اقوال) توحید وجودی و شہودی سے کس قول کو ترجیح حاصل ہے۔ ہمارے نزدیک تو صوفیائے کرام کے مقالات کی تفتیش سے فقط توحید وجودی ہی ثابت اور براہین سے مبرہن ہے۔

الٰہی اپنے فضل و کرم کے طفیل ہمارا حصہ ہمیں نصیب فرما۔ آمین یا اکرم الاکرمین۔

**نور ۳:** مقاماتِ سلوکِ قادریہ چار ہیں۔ ناسوت[1]، ملکوت[2]، جبروت اور لاہوت[4]۔ ناسوت کو شہادت، عالمِ خلق و عالمِ جسمانی وغیرہ بھی کہتے ہیں اور ملکوت کو عالمِ امر و عالمِ ارواح و عالمِ ملائکہ و عالمِ آخرت وغیرہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ جبروت سے عالمِ اسمائے باری تعالیٰ مراد لیتے ہیں اور لاہوت کو عالمِ ہویت و عالمِ ذاتِ باری تعالےٰ سے نام زد کرتے ہیں۔ سالک کے لیے دورانِ مجاہدہ ان تمام عالموں کی سیر ضروری ہے۔ عالمِ لاہوت میں پہنچ کر سیر و سلوک کی انتہا ہو جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر سیر الی اللہ سے فراغت کے بعد سیر فی اللہ کی ابتدا ہوتی ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں۔

**نور ۴ :** اولیاء اللہ میں جو باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دی جاتی ہے۔ اس کا منشاء و مبنیٰ یہی سیر فی اللہ ہے۔ ورنہ تم اولیائے الٰہی، اصل طریق ولایت یعنی سیر الی اللہ میں یکساں ہیں جیسا کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کہ اصل نبوت و رسالت میں برابر ہیں۔ اسی کی طرف مُشعر ہے۔ قول باری تعالیٰ کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کہ آیۂ کریمہ سے جو بات مفہوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین اصل نبوت و رسالت میں برابر ہیں۔

یوں ہی تمام اولیائے الٰہی اصل ولایت یعنی مذکور میں یکساں ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس مقولہ میں کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ اَوْلِيَاءِهٖ یعنی اصل ولایت میں اولیاء اللہ کے مابین مساوات و برابری ہے۔ اور یہیں سے معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض کو دوسرے بعض پر جو فضیلت حاصل ہے وہ اسی سیر فی اللہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ باعتبار سیر الی اللہ۔ اس لیے کہ قربتِ خداوندی اور درجات میں سربلندی سیر فی اللہ میں زیارت سے نصیب ہوئی اور معتبر ہوتی ہے۔ جس کی سیر جتنی زیادہ قرب و ترقی اتنی ہی سوا۔ اور جس کی سیر فی اللہ کم، اس کے لیے اسی اعتبار سے ترقی درجات کم۔ جب کوئی اللہ کا پیارا سیر فی اللہ میں ترقی کرتا، آگے بڑھتا ہے وہ اسی قدر دوسروں پر فضیلت پاتا جاتا ہے۔

پھر اس سیر فی اللہ میں ترقی درجات کے علاوہ کوئی اور چیز ہے بھی نہیں۔ اور اس سیر کی کوئی انتہا بھی نہیں ہے اور یہ سیر کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ ذات باری تعالیٰ محدود و محتاط ہو جائے اور یہ منافی ہے شان الوہیت کے۔ حدیث شریف یعنی مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ میں اسی حقیقت کا بیان ہے اور اسی اعتبار سے یہ حدیث شریف اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے۔ یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے براہِ تواضع و انکسار یہ بات ارشاد فرمائی۔ جیسا کہ اس زمانہ کے بعض صوفی نما جاہل گمان کرتے ہیں۔ الٰہی ہمیں عقل کی کجروی سے بچا۔ آمین۔

**نور ۵ :** طلب دو قسم پر ہے۔ طلب خالق و طلبِ مخلوق۔ طلبِ مخلوق

باطل و مردود ہے اور طلب خالق حق و مقبول۔

کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا گزر ایک جماعت پر ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ خوف زدہ سہمے ہوئے، ہانپ رہے اور کانپ رہے ہیں اور چہرے کا رنگ زرد ہے۔ آپ نے ماجرا دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ دوزخ کے خوف سے اس حال کو پہنچے ہیں۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور یہ فرمایا خَلْقٌ يَهْرُبُ مِنَ الْخَلْقِ یہ ایک مخلوق ہے جو دوسری مخلوق سے بھاگ رہی ہے ڈر کے مارے۔

پھر آپ کا گزر ایک اور گروہ پر ہوا۔ انہیں بھی اسی حالت میں پایا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ لقائے جنت کے اشتیاق میں یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ نہ معلوم کل میسر آئے یا نہ آئے۔ آپ نے وہاں سے بھی کنارہ کشی اختیار فرمائی اور فرمایا خَلْقٌ يَطْلُبُ خَلْقًا یہ وہ مخلوق ہے جو دوسری مخلوق کے لیے بیتاب و بے قرار ہے۔

اس کے بعد آپ کی ملاقات ایک اور گروہ سے ہوئی۔ انہیں بھی اسی رنگ میں ڈوبا دیکھا تو اس کا سبب دریافت کیا معلوم ہوا کہ لقائے الٰہی کے شوق میں اس حال زار کو پہنچے ہیں کہ کل یہ دولت نصیب ہو یا نہ ہو۔ اور کل بروز قیامت اُن پر کیا بیتے۔ اپنے محبوب کے جمالِ جہاں آرا سے مشرف ہوں گے یا نہیں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام انہیں کے ساتھ تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ:- هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ يَطْلُبُوْنَ الْخَالِقَ، فِيْهِمْ اُمِرْتُ اَنْ اُصَاحِبَهُمْ وَاُوَانِسَهُمْ (او کما قال) یہی ہیں وہ لوگ جنہیں خالق کی طلب ہے۔ انہیں کے بارے میں مجھے حکم ہے کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں (اُٹھوں) اور ان سے مانوس رہوں۔"

اس لیے ہمیں بھی یہی بات زیبا ہے کہ ہم ایسے ہی لوگوں سے اپنا دلی لگاؤ رکھیں کہ یہی طالب مولیٰ ہیں، انہیں نہ دنیا سے کوئی غرض ہے نہ آخرت سے کوئی واسطہ۔

**ایک فائدہ زائدہ** :- یہاں یہ خدشہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جنت کی طلب جہنم سے نجات، جنت کی نعمتوں اور درجوں کا حصول اور جہنم کی بلاؤں اور طبقوں سے امن کی دعائیں۔ جا بجا احادیث کریمہ (بلکہ آیات قرآنیہ) میں وارد ہیں (اور ان کا پڑھنا مطلوب

ہے اتو اسے کیونکر قابلِ مذمت کہا جاسکتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طلب، اگر حکم شریعت کے ماتحت ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ الامرُ فوق الادب حکم کو ادب پر فوقیت ہے ا مشہور مقولہ ہے. لہذا یہ طلب طلب میں داخل ہے۔ اس سے خارج نہیں کہ اسی کے حکم، اسی کے فرمان کے بموجب ہے اور فرمان مولیٰ کا اتباع اور حکم الہٰی کی متابعت، طلبِ مولیٰ میں شامل. ہاں اگر یہ طلب خواہشاتِ نفس کے لیے ہے تو بلا شبہ راہ سلوک میں مذموم و قبیح ہے۔

**نور ۶** :- اپنی ریاضت و مجاہدہ کی بدولت اگر تم اس مقام تک بھی پہنچ جاؤ کہ فضا میں مکھی کی طرح اڑ سکے اور پانی کی سطح پر تنکے کی طرح رہ سکے. تب بھی اپنا دل، اپنے قابو میں رکھو اکہ بے لگام نہ ہو اور) تم کچھ بن سکو اور یہاں دل کو قابو میں رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے دل کو خدائے تعالےٰ سے لگاؤ اور اسے تمام ماسوی اللہ سے فارغ رکھو۔

**نور ۷** :- سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جناب باری جل جلالہ، سے الہام ہوا کہ کل طور بین الناسوت والجبروت وکل طور بین الملکوتِ واللا ھوت فھو جبروتِ فمن رضی بواحد منھما فھو عندی من المطرودین۔

یعنی اگر سالک مقامات ملکوت وجبروت سے فارغ ہو کر، سیر لاہوت چھوڑ دے یعنی سیر فی اللہ نہ کرے اور سیر جبروت پر اکتفا کر کے بیٹھ جائے. تو وہ فضیلت کا کوئی مرتبہ حاصل نہ کر سکے گا اور قربت خدا وندی کا منصب اُسے نصیب نہ ہوگا، ابھی تو ذات باری تک رسائی بہت دور ہے۔ اُسے تو کامل بھی نہیں کہہ سکتے نہ کہ مکمل. تو پھر اس شخص کی نسبت کیا خیال ہے جو عالم ناسوت وملکوت ہی میں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جائے. ظاہر ہے کہ یہ تو خود ہی بہت دور، اور بڑا مہجور ہے۔

اس لیے نہایت ضروری ہے کہ سالک ان پہلے تین مقامات میں سے کسی مقام کو

اپنی مراد کی نہایت اور سیر کی غایت نہ سمجھے کہ ان کا وہی مقام ہے جو کسی راہ کی منزلوں کا ہوتا ہے (کہ انہیں چھوڑتا ہوا آدمی منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے) لہذا ان تینوں مقامات سے راست قدم تیزی سے آگے اٹھاتے۔ مقام چہارم کی طرف بڑھیں کہ لاہوت ہے اور باذنہٖ تعالیٰ اس مقام تک رسائی حاصل کریں۔ یہ حصول کمالات کا پہلا درجہ ہے۔ اور جسے اس مقام تک رسائی میسر آتی ہے۔ ایسے پر ولی کا اطلاق درست ہوجاتا ہے۔ اس مقام لاہوت تک رسائی سے پہلے تو کہنا چاہیئے کہ ولایت کی بو بھی اُسے نہیں پہنچتی۔ افسوس ان لوگوں پر جو سیر ناسوتی سے بھی واقفیت نہیں رکھتے اور خود کو اکابر اولیاء سے شمار کرتے ہیں۔

**نورِ ۸:-** خرق عادت اور محال عادی کے ظہور کو ولایت کی شناخت قرار دینا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یہ ولی وغیر ولی، حتیٰ کہ ساحر و کافر میں مشترک ہے۔ تو یہ سببِ امتیاز نہیں ہو سکتی (ولی وغیر ولی کے مابین)

**نورِ ۹:-** ولی وغیر ولی کے مابین امتیاز و شناخت کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کے پاس اپنے قلب سلیم و عقل فہیم کے ساتھ ہم نشین ہو۔ اگر دیکھے کہ اس کی صحبت میں خدا یاد آتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے تو سمجھ لے کہ ولی ہے۔ اور اگر اس کے برخلاف نمودار ہو یعنی دنیا یاد آئے اور دُنیا کی محبت اس پر غلبہ پائے تو یقین مانے کہ وہ ولی نہیں ہے، اس لیے کہ اَلْقَلْبُ مِرْآۃُ الْقَلْبِ ایک دل دوسرے دل کا آئینہ ہے (اور دل کو دل سے راہ ہوتی ہے) تو جو کچھ اس کے دل میں ہوگا۔ اسی کا عکس اس دل میں پڑے گا۔ اور جب صورت دوسری نمایاں ہے تو یہ شہادت (باطنی) ہے اس امر پر کہ اس کا دل محبت دُنیا میں ملوّث ہے۔ چنانچہ عین المعانی میں فرمایا کہ اولیاء الٰہی، اللہ کے وہ خاص بندے ہیں کہ انہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔

**نورِ ۱۰:-** اپنی صورت، اہلِ شرع کی صورت اور اپنی سیرت اہلِ طریقت کی سیرت بناؤ تا کہ تمہیں آخرت میں نجات میسّر ہو اور شریعت

طریقت دونوں سے فیض پاؤ)

**نور ۱۱:-** ہمارے مرشد کے مرشدِ گرامی فرمایا کرتے تھے کہ فقیر صورت سے اُلجھیو مت بے شرع دیکھو تو ملیومت"۔ یا "فقیر صورت دیکھ الجھنا نہیں۔ بے شرع دیکھ تو ملنا نہیں"۔ یعنی کسی فقیر صورت کو لباس و وضع قطع کسی چیز میں خلاف شریعت پاؤ تو نہ اُس سے الجھو نہ اُس سے خلط ملط رکھو۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس کی گدڑی کے نیچے کیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کی صحبت بُرا نتیجہ لائے گی۔ اور اگر وہ سچا ہے تو اس سے حجت و تکرار نقصان پہنچائے گی۔

**نور ۱۲:-** صوفی نما بعض جاہل کہہ دیا کرتے ہیں کہ شریعت ایک جداگانہ راستہ ہے اور طریقت اس سے الگ دوسرا راستہ۔ لہٰذا ہم صوفیوں کو اس راہ شریعت سے اب کیا کام (کہ ہم تو منزل تک پہنچ چکے)

اے احمقو! سنو اور ہوش میں آؤ۔ میں تمہاری صحیح راہنمائی کے لیے (چند کلمات) کہتا ہوں۔ اللہ تم پر رحم فرمائے اور تمہیں راہ راست دکھائے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بارگاہِ الٰہی جل جلالہ سے دو مقامات کے حامل تھے اور گمراہوں کی رہنمائی اور ناقصوں کی تکمیل کے لیے اس دُنیا میں تشریف لائے اور ان دونوں مقامات کا حق باحسن وجوہ ادا فرمایا۔

ان میں سے ایک مقام احکامِ نبوّت کے ذریعہ صحیح راہنمائی و تبلیغ ہے اور دوسرا مقام ولایت کی تکمیل۔ احکامِ شرعیہ کی تبلیغ سے کیا مراد ہے۔ یہ خود ہی روشن ہے۔ البتہ تکمیل ولایت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی بیش از بیش محبت و چاہت مخلوقِ کے دلوں میں پیدا کی جائے اور مخلوق خدا کو خالق عزوجل سے قریب سے قریب تر لایا جائے۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پہلے اسلام کی تعلیم فرما کر احکامِ شریعت پر استقامت و ثبات قدمی بخشتے۔ اس کے بعد درجہ ولایت تک پہنچاتے کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی اس کا خلاف کیا۔ یعنی کسی کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیے بغیر، یا اسے احکام شریعت

کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دے کر درجہ ولایت کی سرفرازی مرحمت فرمائی۔ لا واللہ نہ ہرگز ایسا ہوا اور نہ ایسا ہو سکتا تھا۔ لہٰذا (آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہوا کہ) احکامِ خداوندی کی بجا آوری، ایک امر لابدی و ناگزیر ہے۔

اس لیے کان کھول کر سُن لو کہ شریعت اگر درخت ہے تو طریقت اُس کا پھل اور کوئی پھل اگرچہ کارآمد ہو، بغیر درخت کے نہیں پایا جا سکتا۔ اگرچہ اس کا عکس ممکن ہے۔ گو کہ کمیاب ہو۔ بلکہ بہت سے ایسے درخت ہیں جن پر پھل نہیں آتے۔ لیکن بایں معنی شجریت سے خارج نہیں ہو جاتے۔ آگاہ و خبردار رہو کہ جب تک (پھل والے) درخت کی پرورش و نگہداشت نہ ہوگی وہ پھل نہ لائیں گے۔ یہی حال انسان کا ہے۔

مومن ہو یا کافر۔ اور مومن دو قسم پر ہے۔ نیکوکار و بدکار۔ پھر صالح و نیکوکار، دو طرح کے ہیں۔ عالم اور جاہل۔ پھر عالم کی بھی دو قسمیں ہیں۔ احکامِ نبوت و شریعت کا عالم اور احکامِ ولایت کا عالم۔ ولایت بھی دو قسم پر ہے۔ عام یا خاص۔

ولایت عامہ (کہ ہر مسلمان کو حاصل ہے) اس آیۂ کریمہ سے مستنبط و ماخوذ ہے کہ اللہ ولی الذین آمنوا الآیۃ۔ یعنی ہر صاحب ایمان بایں معنی ولی اللہ ہے اور ولایت خاصہ سے مراد ہے۔ فانی فی اللہ، باقی باللہ ہو جانا۔ یعنی بندہ سے جملہ موجودات کا شعور اُٹھ جائے اور ذاتِ باری تعالیٰ میں مستغرق و فانی ہو جائے۔ یہ ولایت خاصہ ہے۔ جو راہ سلوک پر چلنے والوں کو ان کے مجاہدوں اور باطنی ریاضتوں کے ذریعہ محض بعطائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ جبکہ ولایتِ عامہ اسلام لاتے ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ جبکہ کفار کو یہ دولت کبھی میسر نہیں آتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر مسلمان کافر کے مقابلہ میں اللہ کا ولی ہے۔ ہر نیکوکار، بدکار کے مقابلہ میں ولی ہے۔ ہر عالم، جاہل کے مقابلہ میں ولی ہے اور ہر وہ عالم کہ احکام ولایت کا واقف کار ہے۔ اس شخص کے مقابل ولی ہے جو صرف احکام شریعت پر واقفیت رکھتا ہے۔ اور اسی عالمِ (علوم باطنی) سے مراد ہے۔ ولایت خاصہ کا حامل۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔

غرض اس تمہید سے یہ بات بخوبی تمہاری پنداشت و علم میں آسکتی ہے کہ ولایت

خاصہ، اسلام اور قبول احکام کے بغیر، وجود نہیں پاتی۔ البتہ اسلام اس ولایت خاصہ کے بغیر پایا جاتا ہے۔ تو وہ مسلمان جو مقام ولایت پر فائز نہیں، شجر محض کی مانند ہے اور وہ مسلمان کہ عارف باللہ ہے، پھل دار درخت کے مماثل ہے۔ تو مسلمان ہونے کے لیے یہ امر ضروری نہیں کہ وہ ولی و عارف بھی ہو۔ بکثرت کثیرہ ایسے مسلمان موجود ہیں جو عارف نہیں، بخلاف عارف باللہ ولی کے کہ اس کے لیے اتباعِ احکامِ شریعت ضروری و ناگزیر ہے۔ اور یہیں سے یہ بات اور بھی واضح ہوگئی کہ تفضیل شیخین جلیلین (حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق اعظم) کا (حضرت عثمان غنی و مولیٰ علی و غیرہما سے) افضل ہونا۔ جہاں اور بہت سے دلائل سے ثابت ہے وہیں یہ دلیل بھی اس امر پر بڑی قوی دلیل ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اے عزیز۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں تمہاری تائید فرمائے۔

## اجمالی تفصیل اس امر کی جسے یاد رکھنا چاہیے یہ ہے کہ

حضرات شیخین، بانی اور پرورش و نگہداشت کرنے والے ہیں شجرِ نبوت کے جس کی حیثیت شریعت کی اصل و اساس جیسی ہے کہ عرفانِ الٰہی اسی کی بدولت میسّر آتا ہے اور انسان، درجہ ولایت پر پہنچتا ہے۔ لہذا شیخین کریمین وہ ذوات مقدسہ ہیں جن کا شکر گزار احسان مند ہونا مسلمانوں کی دونوں جماعتوں پر واجب ہے۔ یعنی عام مسلمانوں پر بھی۔ اور گروہ صوفیہ صافیہ پر بھی کہ انہیں شیخین کی بدولت، وہ نعمت اسلام اور دولت عرفان سے مالا مال ہوئے۔ مالا مال ہوتے ہیں اور مالا مال ہوتے رہیں گے ورنہ کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ اسلام ہے کیا۔ ولایت تو نوبت کہاں آتی اور یہ حقیقت کیسے عیاں ہوتی کہ )

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔

اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔

## نور ۱۳ :- مقام ترقی و تنزل کے اصطلاحی معنی کی توضیح۔

یاد رکھو کہ جب کوئی سالک وادیِ سلوک میں قدم بڑھاتا، اور ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت، مقاماتِ سلوک کو طے، سیر الی اللہ سے فارغ ہو کر، سیر فی اللہ کو جس کی کوئی انتہا نہیں، شروع کرتا ہے اور ہمیشہ اسی مقام یعنی سیر فی اللہ میں ترقی پر ترقی پاتا ہے اور بجز ذاتِ باری تعالےٰ کے کسی اور چیز کا اثر کوئی خبر، یہاں تک کہ اپنی ذات کا بھی اُسے شعور نہیں رہتا بلکہ وہ ذاتِ باری تعالےٰ میں فانی و گم ہو جاتا ہے، تو اس قسم کے سالکوں کو کامل کہا جاتا ہے اور یہی مقام اُن کے لیے ترقی کا مقام ہے اس لیے کہ وہ وحدت میں کثرت دیکھتے ہیں اور اسی کا نام ہے (اصطلاح صوفیہ میں) ترقی۔

اور چونکہ نسبت کی اس قسم میں، تعدیہ (وہ فیض رسانی) نہیں، اس لیے یہ حضرات دوسروں کو نفع رسانی سے گویا کہ معذور ہیں (اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں)

ہاں اگر عنایتِ الٰہی سالک کے شاملِ حال و متوجہ ہوا اور وہ چاہے کہ اس بندۂ خاص سے مخلوق کو فیض پہنچے تو اس وقت اُسے اُس ترقی سے تنزل کی طرف لاتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کو پستی سے نکال کر بلندی تک پہنچائے۔ اور یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ سالک کو، ماسوی اللہ اور خود اس کی ذات کا شعور واپس کرتے ہیں اور عالمِ لاہوت سے عالمِ ناسوت تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن اس تنزل سے، اُن کی اس ترقی میں کوئی فتور واقع نہیں ہوتا بلکہ وہ ترقی بدستور بحال و برتر قرار رہتی ہے۔

اس قسم کے سالکوں کو مکمل کہتے ہیں اور یہی مقام اُن کے لیے مقامِ تنزل کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ پھر ان کی نگاہوں میں "کثرت در وحدت" کے جلوے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ اس نسبت کے سالکوں میں تعدیہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ دوسروں کو فیض رسانی میں معذور نہیں۔ اس تنزل میں عالمِ لاہوت سے عالمِ ناسوت کی طرف رجعت ہوتی ہے اور یہ تنزل، ملکوتی تنزل سے کہیں برتر و بہتر ہے۔ اگرچہ تنزلِ ملکوتی سے خرقِ عادات اور کرامات پر بڑی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن بے سود۔ کہ اصل مقصد تو ناقصوں کی تکمیل اور انہیں کامل بنانا ہے اور یہ اسی وقت ہاتھ آتا

ہے. جب تنزل ناسوتی میسر ہو. ظاہر ہے کہ ہدایت و رہ نمائی کے محتاج تو ناسوتی ہیں نہ کہ ملکوتی. لامحالہ اعتبار تنزل ناسوتی کا ہے. فقط.

**نور ۱۴۱:-** جاننا چاہیے کہ عارفوں کو دو قسم کی نسبت ہوتی ہے. ایک کشفی جہری اور دوسری کوری خفی. نسبت جہری کشفی رکھنے والا عارف اپنے احوال سے بھی واقف ہوتا ہے. اور دوسروں کے مقامات سے بھی باخبر. جب کہ نسبت خفی کوری والا، عارف نہ اپنے احوال سے باخبر ہوتا ہے نہ دوسروں کے مقامات سے واقف. اگرچہ وہ مرتبہ قطبیت پر فائز ہو. زندگی بھر بے خبری میں گزار دیتا ہے. البتہ بعد وفات اُسے اپنے احوال سے آگاہی ہو جاتی ہے. اس کی مثال مادر زاد نابینا کی سی ہے کہ اُسے کسی شکل و صورت اور کسی رنگ روپ کا شعور نہیں ہوتا.

غالباً ان سالکین کی راہ سلوک. بہ حالت خواب طے ہوتی ہے. ورنہ بیداری کی حالت میں، وہ حالات جو نسبت کشفی رکھنے والوں پر منکشف ہوتے ہیں، ان پر مکشوف نہیں ہوتے.

ان سالکوں میں سے بعض سالک نسبت تعدیہ رکھتے ہیں (کہ ان کا فیض دوسروں تک متعدی ہوتا ہے) اور بعض نسبت لازمی (کہ دوسروں کو فیض نہیں پہنچا سکتے.)

ان احتمالات کے اعتبار سے اب سالکوں کو چار قسم پر منقسم کیا جا سکتا ہے.

۱. وہ سالک کہ اُسے خود اس کا نفس جانتا ہے. مخلوق پہچانتی ہے اور خداوند قدوس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندہ، ایک خاص مرتبہ والا اور صاحب مقامات ہے. اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب کہ سالک نسبت کشفیہ اور نسبت تعدیہ کا منقلہ کا صاحب ہو. اس لیے اُسے نسبتِ کشفیہ کے باعث اپنی معرفت ہوئی. اور مخلوق خدا نے اُسے نسبت تعدیہ منتقلہ کی وجہ سے شناخت کیا کہ اُنہیں اُس سے فیض پہنچا. اور خداوند تعالیٰ تو بہر حال عالم و دانا ہے.

۲. وہ سالک کہ وہ خود اپنے احوال کو جانتا ہے. مخلوق اس سے واقف نہیں. اور اس لیے کہ وہ نسبت کشفیہ کا صاحب ہے اس نے اپنی معرفت حاصل کر لی. لیکن چونکہ

اسے نسبت تعدیہ یعنی منتقلہ حاصل نہیں لہٰذا مخلوق اسے شناخت نہ کر سکی۔اس لیے کہ مخلوق کو اس سے کوئی فیض نہ پہنچا۔ اور خدائے تعالےٰ بہر حال دانا و بینا ہے۔

۳۔ وہ سالک کہ نہ خود وہ خود کو پہچانتا ہے نہ خلق خدا اس کے احوال سے واقف ہے اور وجہ اس کی وہی ہے کہ اسے نسبت کشفی حاصل نہیں۔ خفیہ کا مالک ہے۔ لہٰذا اس نے خود کو نہ پہچانا اور چونکہ نسبت متعدیہ بھی اسے حاصل نہیں۔ اس لیے مخلوق کو فیض نہ پہنچا سکا اور وہ مخلوق بھی نہ جان سکی کہ یہ کون ہے۔ خداوند کریم بہر حال عالم ہے۔

۴۔ وہ سالک کہ خود تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا مگر مخلوق اسے جانتی ہے۔ اس لیے کہ اسے نسبتِ خفیہ حاصل ہے لہٰذا خود کو نہ جان سکا۔ اور چونکہ نسبت میں تعدیہ ہے اس لیے اس سے مخلوق نے فیض پایا اور اس کو پہچان گئی اور خداوند قدوس تو بہر حال عالم الغیب ہے۔

**نورُ ۱۵**:۔ جاننا چاہیے کہ جب سالک ختم سیر الی اللہ کے قریب پہنچتا ہے اور بجز ایک ساعت کے کسی اور ساعت کا وقفہ درمیان میں نہیں رہتا۔ اس وقت اچانک ابلیس لعین نمودار ہوتا ہے۔ جیسا کہ دنیاوی موت کے مسلمان کے سامنے آجاتا ہے اور تنہا اپنے نفس ناپاک کے ساتھ۔ اس وقت اپنی ذریت کو اپنے ساتھ نہیں لاتا اور جس طرح موت کے وقت آشکار ہو کر، مسلمان کا ایمان تباہ کرنے کی کوشش بلیغ کرتا ہے اور صرف انہیں کا ایمان سلامت رہتا ہے۔ جن پر رب کریم رحم فرمائے اور بے شک وہی رب کریم غفور رحیم ہے۔ اسی طرح انتہائے ختم سیر الی اللہ اور ابتدائے سیر فی اللہ کے درمیانی وقفہ کو جو کہ لبِّ لباب اور خلاصہ ہے اس کے ایمان کا، غارت ہے اور یہاں بھی سلامتی، انہیں کے حصہ میں آتی ہے جن کی سلامتی اللہ تعالےٰ چاہے۔ بے شک وہی رب کریم، علیم و حکیم ہے۔

اگر بفضلِ الٰہی شاملِ حال ہوتا ہے۔ اولیائے کرام کی کما حقہٗ توجہ، اس بے کس و ناتواں کے باطن کی طرف متوجہ رہتی ہے تو اسے رہائی مل جاتی ہے ورنہ نہیں۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنی بعض سیاحت کے

دوران میں جنگل میں نکل گیا اور چند روز تک پانی بھی میسر نہ آسکا۔ تشنگی مجھ پر غالب آنے لگی۔ ناگاہ ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا اور اسی سے نم آلود چیز نیچے آئی کہ میں اُس سے سیراب ہو گیا۔ پھر میں نے ایک روشنی دیکھی۔ ایسی کہ آسمان کے کنارے تک اس سے تابناک و روشن ہو گئے۔ اور اس میں سے ایک صورت نمودار ہوئی اور اس سے میں نے ایک آواز سُنی کہ "اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں۔ میں نے جو چیز کل اوروں پر حرام کیں، وہ تجھ پر حلال کرتا ہوں۔ یا یہ کہ میں اپنا حرام تیرے لیے حلال کرتا ہوں"۔ میں نے جوں ہی یہ بات سُنی فوراً اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا اور کہا کہ او ملعون، دور ہو!" وہ روشنی فوراً ہی تاریکی میں تبدیل ہو گئی اور وہ صورت دھوئیں میں بدل گئی اور پھر مجھ سے مخاطب ہوئی کہ عبدالقادر! اپنے علم، اپنے پروردگار کے حکم اور اپنے احوال منازل میں واقفیت" کے باعث تم مجھ سے بچ گئے۔ ورنہ قسم بخدا کہ میں اس قسم کے شعبدوں سے ستر اہلِ طریق کو گمراہ کر چکا ہوں"۔ میں نے کہا "میرا اس میں کچھ کمال نہیں، یہ سب کچھ میرے ربِ کریم کا فضل و احسان ہے"۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے آپ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ حضور آپ نے یہ کیسے پہچانا کہ یہ شیطان ہے۔" ارشاد فرمایا کہ صرف اُس کے اس قول سے کہ میں نے حرام کو تم پر حلال کیا۔" میں سمجھ گیا کہ حق جلّ وعلا گناہ کا حکم نہیں دیتا۔"

**نور ۱۶** :- ولی کو ولی نہ جاننا اور جو ولی نہ ہو اُسے ولی سمجھنا، دونوں ہی باتیں ممنوع ہیں کہ کمال بے ادبی اور شقاوت قلبی ہے اور جس طرح کسی نبی کی تکذیب، فی الفور کفر ہے۔ اس طرح ولی کی تکذیب اگرچہ کفر نہیں (فسق و رندانہ بے باکی ہے)، مگر اس انجام کار کی شامت و وبال، آدمی کو سرحد کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ یوں ہی قتل نبی، فی الحال کفر ہے اور قتل ولی فی الحال فسق۔ مگر ولی کو قتل کرنے والا بھی، اپنا ایمان سلامت نہیں لے جا سکتا۔ جیسا کہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

**نور ۱۷** :- انسان فطری طور پر چار صفات لے کر عدم سے عالمِ وجود میں آتا ہے بہیمی۔ سباعی، شیطانی، ملکوتی۔

صفتِ بہیمی کے تقاضہ سے قوتِ شہوانی ظاہر ہوتی ہے۔ صفت سباعی کے تقاضے سے قوتِ غضبانی ظہور پاتی ہے۔ جبکہ صفتِ شیطانی کے تقاضہ سے غرور و نخوت، تکبر و خود بینی اور مکر و فریب جیسی عادتیں جلوہ گر ہوتی ہیں اور بتقاضائے صفت ملکوتی کہ اصل الاصول ہے اور اسی قوت کی بدولت، انسان، انسان، بنام انسان موسوم ہے، اس میں طاعت و اتباع، محبت و اخلاص، چاہت اور خلقِ خدا سے نیک سلوک جیسی قوتیں آشکار ہوتی ہیں۔

لہٰذا اگر انسان میں یہ قوت غلبہ حاصل کر لے اور دوسری تمام قوتیں، محکوم و مغلوب ہو جائیں تو انسان' انسان ہے، ورنہ چوپایوں، درندوں اور شیطانوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے انسانوں میں نہیں۔

پھر اسی قوتِ ملکوتی کو اگر نا اہلوں کی صحبت میں ملیا میٹ کر کے، سہو و نسیان کی نذر کر دیا جائے، یعنی آدمی خود کو صرف خورد و نوش اور عیش و عشرت کا خوگر جانے اور بنائے اور یہ سمجھنے لگے کہ صرف اسی کھانے پینے اور سونے کے لیے میری پیدائش عمل میں آئی ہے تو یہ اُس کی بڑی بھول ہے، اُس پر لازم ہے کہ اس غفلت و کوتاہی سے باہر آئے۔ اور کسی انسانِ کامل کی صحبت اختیار کرے۔ یعنی کسی شیخ (واصل باللہ) کی خدمت میں مشغول ہو جو ان صفات بہیمی و سباعی شیطانی سے گزرا ہو اور صفاتِ ملکوتی سے متصف ہو اور پھر اس سے باطنی فیوض حاصل کر کے ان پر کاربند رہے۔

**نورِ ۱۸:-** اصل الاصول اور تمام مجاہدوں اور ریاضتوں پر مقدم، اس راہ سلوک میں برزخ شیخ ہے۔ اس لیے اُسے خوب سمجھ کر اس کی جانب متوجہ رہنا چاہیے۔

اور برزخِ شیخ یہ ہے کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر، آنکھیں بند کر کے شیخ کا تصور اپنے ذہن میں اس طرح لائے کہ گویا میں اپنے شیخ کے مقابل بیٹھا ہوں اور میرا دل، قلب شیخ سے لب بہ لب چسپاں ہے اور وہ فیضان، جو مبدأ فیاض سے، پیرانِ سلاسل کی ارواح کی وساطت سے میرے شیخ کے قلب تک پہنچتا ہے۔ اس کے دل سے نورانی فوارہ کی

شکل میں، یا آفتابی شعاعوں یا بھینی بھینی ہواؤں یا بارش کے قطروں کی طرح، میرے دل میں قطرہ قطرہ آرہا ہے اور اُسی فیضان کی برکت سے میرا دل شیخ کے قلب کی مانند ہوتا جارہا ہے اور درجات عالیہ کی طرف ترقی پذیر ہے۔ اور اپنے شیخ کو ہر کلّی و جزئی حال سے، ہر وقت، ہر آن آگاہ و خبردار جانے۔ یعنی درحقیقت اللہ تعالےٰ کہ صفت علیمی و علام الغیوبی سے متصف ہے، اس مظہر یعنی میرے شیخ کے برزخ جلوہ گر اور میرے حال سے خبردار و آگاہ ہے۔ حقیقتہً شیخ کچھ نہیں جو کچھ ہے وہی ہے۔ اور جیسا کہ دوسرے عالموں میں صرف وہی مختلف مظاہر میں جلوہ گستر ہے۔ یہاں بھی صفت ہدایت اور اپنے اسم "ہادی" کا مظہر ہے۔ وہی اپنی صفت علیمی اور علام الغیوبی سے اس برزخ میں متجلی اور ہمارے احوال سے خبردار و آگاہ ہے اور شیخ اس کے اسم علیم کا مظہر ہے اور بس۔

اس لیے ہدایت و آگاہی درحقیقت اُسی کی طرف سے ہے اور شیخ محض اُس کا مظہر ہے۔ البتہ بطور مجاز، ہدایت، علیمی اور علامی کی نسبت شیخ کی جانب کردی جاتی ہے۔ حقیقی نسبت یہاں متصور نہیں کہ خود شیخ کا حقیقتہً کوئی وجود نہیں (وہ تو ظل و پرتو ہے۔ برزخِ شیخ کی انتہا یہ ہے۔ کہ شیخ کو محض، اسم ہادی اور اللہ تعالیٰ کی صفت علیمی و علامی کا مظہر جانے اور اس انتہا کی انتہا یہ ہے کہ درمیان میں نہ شیخ رہے نہ برزخ شیخ۔ صرف اُسی کی ایک ذات باقی ہو۔ باقی فانی۔

غرض جب طالب اس طرح دوامی کیفیت پیدا کرلیتا ہے تو اُس کا قلب، صفاتِ روح سے متصف ہوکر صاف اور متجلی ہو جاتا ہے اور وہ تینوں صفات، یعنی بہیمی و سبائی، و شیطانی مندفع ہو جاتے ہیں اور صفت ملکوتی جلوہ گر ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ صورت برزخی، خود کلام کرتی ہے۔ اور سالک اپنی زبان حال وقال سے، جو بھی سوال کرتا ہے اس کا جواب سُن لیتا ہے۔ اور یہی صورت مُلک ملکوت اور جبرُوت و لاہُوت کے تمام مقامات کو سالک پر روشن کر دیتی ہے اور عالم ملکوت میں، اسی صورت کی بدولت تمام ارواح سے ملاقات کا شرف پاتی ہے۔ یہاں تک کہ حضور پر نور، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی روحِ پُرفتوح، کہ عالمِ ملکوت کی انتہائے سے یہی مراد ہے، اس پے کہ ملکوت میں کوئی بھی روح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحِ پرفتوح کی مثل و مانند نہیں، اس روح سے بھی حضوری، اسی عالم میں میسر آتی ہے۔ اور راہِ سلوک میں علوم و دیگر امور کی گہرائیاں اور دقیقے بھی، اسی صورتِ معلیٰ کے طفیل دریافت و علم میں آتے ہیں۔

پھر یہ صورت عالمِ مثال سے ہے اور عالمِ مثال، عالمِ ملکوت کی کنجی ہے۔ اور عالمِ مثال، عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد کے درمیان، جس طرح ایک برزخ ہے۔ اسی طرح یہ صورتِ (برزخیہ) بھی، روح و جسمِ شیخ کے مابین ایک برزخ ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عالمِ مثال میں ہر شخص کی ایک صورت مثالی موجود ہے۔ جو انسان کی موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ بخلاف اس جسمانی صورت کے کہ انبیائے کرام کے علاوہ غالباً اوروں میں موت کے بعد فنا ہو جاتی ہے اور خواب میں جو صورت نظر آتی ہے۔ یہی صورت مثالی روحی ہوتی ہے اور اسی صورتِ مثالی کی قوت کی بدولت، کاملین، ایک ہی آن میں متعدد مقامات پر موجود ہوتے اور نظر آتے ہیں، بلکہ وہ ہزار ہا مقامات پر متشکل ہونے پر قدرت رکھتے ہیں اور معلوم ہو جاتے ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ مشقِ برزخ کی تکمیل کے بعد، شیخ کی یہ صورتِ مثالی، سالک کے دائیں ہاتھ کے مقابل، ایک دو ہاتھ کے فاصلہ پر موجود رہتی اور نظر آتی ہے۔ اسی کی برکت سے بہت سے امور، انجام پاتے۔ بہت سی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں اور سالک بہیمیت کی پستی سے نکل کر، انسانیت کی معراج پالیتا ہے۔

اس لیے اگر فضلِ الٰہی دستگیری فرمائے اور کسی انسان صورت، چوپایہ سیر کو، اس انسانِ اصلی و کامل کے ساتھ، کہیں صحبت و ہم نشینی میسر آجائے تو اس کی خدمت کو غنیمت جانے کہ اس کی ہم نشینی کی برکت و فیضان سے، اسے اپنی کھوئی ہوئی اصلیت یاد آجائے گی اور یہ بھی (کوشش کرے گا تو) انسانِ کامل بن جائے گا۔ ورنہ عمر بھر اسی غلطی میں مبتلا رہیں گے اور اسی حالت میں انہیں موت آئے گی۔

الٰہی ہمیں اس جہل کی تاریکی سے نکال اور ہمیں اس مرتبہ عالیہ کی روشنی تک پہنچا۔ آمین۔

اس مسئلہ کے مناسب حال ایک تمثیلی حکایت یاد آئی کہ ایک گڈریے نے ایک شیر کا بچہ پال رکھا تھا اور اس کا نام بگھہ (بھولا) رکھ کر اپنی بکریوں کے گلے میں چھوڑ رکھتا تھا۔ وہ شیر کا بچہ بھی پرورش و تربیت کے باعث اپنی اصلیت بھول چکا تھا اور خود کو اس گڈریے کا کتا ہی تصور کرتا تھا۔

ایک روز اتفاقاً جنگل کا شیر ادھر آنکلا اور اس نے چاہا کہ ایک بکری اٹھا کر لے جائے کہ اس نے اپنی فطرت کے تقاضے کے تحت اس شیر سے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ جنگل کے شیر نے کہا کہ اے بھائی کیا کرتا ہے؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ میں اور تو، دونوں ہم جنس ہیں، اور بھیڑ بکریاں ہماری خوراک ہیں۔ مجھے میری خوراک سے کیوں روکتا ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں نہیں، میں شیر نہیں ہوں۔ بلکہ اس گڈریے کا پالتو کتا ہوں، شیر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم تو غلطی پر ہے۔ تجھے اپنی پرورش اور تربیت کی وجہ سے مغالطہ ہوا ہے کہ شیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کتا سمجھتا ہے۔ میرے ساتھ آ۔ تاکہ میں تیری راہنمائی کروں اور ہلاکت کے اس بھنور سے نکال کر تجھے ساحل کی سلامتی تک پہنچاؤں۔ چنانچہ وہ شیر اسے اپنے ہمراہ دریا کے کنارے پہنچا اور اپنے برابر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ اب پانی میں دیکھ۔ میری اور تیری صورت و وضع بالکل یکساں ہے یا اس میں کچھ فرق ہے؟ اب جو اس بچہ شیر نے بنگاہ غور دیکھا تو سمجھ گیا کہ میں واقعی شیر ہوں۔ یہ اس ناجنس کی صحبت و تربیت کا اثر ہے کہ خود کو کتا سمجھتا رہا۔

چنانچہ اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے چل کر آئے اور بکریوں پر جھپٹ پڑے۔ اور انہیں ہلاک کر ڈالا۔ اور خوب کھایا پیا۔ چرواہے نے کہا "بگھہ بگھہ کیا کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ خاموش رہ۔ تو نے مجھے میری اصلیت سے نکال کر کتوں میں شمار کر لیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے میرے ایک بھائی نے میری راہنمائی کی اور یہ عقدۂ لاینحل حل ہو گیا اور وہ مضبوط گرہ کھل گئی۔

میرے بھائی! اس تمثیل پر غور کرو اور اپنے آپ کو ان پہلی تین صفتوں سے نکال کر، اپنی اصلی شکل و صورت پر لا تاکہ تو انسان بن سکے۔ تو شیر ہے۔ خود کو کتے کی مانند کیوں

سمجھتا ہے۔ کسی شیرِ خدا کے نقش قدم پر چل۔ تاکہ وہ تجھے تیرے شیر، شیر صفت ہونے پر مطلع کرے اور کتا (جیسا) ہونے کی ذلت سے تجھے رہائی دلائے۔ الٰہی ہمیں یہ دولت نصیب فرما۔ آمین۔ ثم آمین۔

**نور ۱۹:-** برادرِ من! یہ (دنیا کی جو کچھ جلوہ سامانیاں ہیں) سب کچھ اُسی ذات واحد کی جلوہ فرمائیاں ہیں کہ بانواع اقسام جداگانہ نمائیاں کرتی ہیں۔ وہی ذاتِ واحد جس طرح چاہتی ہے تجلّی فرماتی ہے اور یہ ذات احدیت سے کچھ بھی بعید نہیں۔

(محض تقریب فہم کے لیے) میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں۔ تاکہ کثرت میں وحدت کی نمود کا تمہیں اندازہ ہو جائے۔ (سبع سنابل شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ تین تیر انداز، رات کے وقت جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ اس لق و دق میدان میں ایک بزرگ صورت مسند پر بیٹھا ہے۔ سامنے چراغ روشن ہے۔ ایک فاحشہ اُس کے سامنے رقص میں مصروف ہے اور سازندے ساز بجانے میں مصروف ہیں۔ ان تینوں تیر اندازوں کو یہ تماشہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص ہے کہ اس جنگل میں بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھا دادِ عشرت دے رہا ہے۔ آخر تینوں نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ اس ناپسندیدہ مجمع کی طرف ایک تیر پھینکا جائے۔ اب کسی نے کہا کہ میں اس بوڑھے پر تیر چلاتا ہوں دوسرے نے کہا بلکہ فاحشہ پر، تیسرے نے کہا کہ یہ دونوں انسان ہیں۔ انہیں چھوڑ دو اور چراغ کو نشانہ بناؤ کہ چراغ گل ہوگا تو سارا ہنگامہ درہم برہم ہو جائے گا اور ہماری منزلِ مقصود بھی ہاتھ آئے گی۔ یہ رائے باقی دو کو بھی پسند آئی اور اس چراغ پر تیر چلا دیا۔ جیسے ہی تیر اُس چراغ پر لگا چراغ گل ہوا اور سارا تماشہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ (گویا کہ یہاں کچھ ہوا ہی نہیں)

اب یہ دونوں خوف زدہ ہو کر وہاں سے فرار ہوئے (رات اپنے گھروں میں گزاری) اور صبح ہوئی تو تینوں اپنا تیر لینے وہاں پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تیر، ایک اُلو کی چونچ میں پیوست ہے اور باقی کسی چیز کا کوئی نام و نشان نہیں۔ اور اب یہ حقیقت آشکارا ہوئی

کہ رات کو جو کچھ ماجرا پیش آیا وہ سب اسی اُلو کی ذات (یعنی جس کی روح کی قوت) سے وابستہ تھا (اسی قوت روح کے باعث) اُلو کے دل سے وہ پیر مرد ظاہر ہوا۔ اسی کی بدولت اُس کی چونچ سے روشن چراغ نمودار ہوا۔ اور سازندے اور فاحشہ عورت بھی اس کے اعضائے رئیسہ سے ہویدا ہوئے۔ حقیقت میں وہ ایک اُلو تھا اور یہ سب چیزیں اُسی کی (روح کی) کرشمہ سازیاں تھیں (بلا تشبیہہ وتمثیل) یوں سمجھو کہ تمام ماسوی اللہ اس عالم میں جو کچھ ہے۔ اسی ذات واحد کے مختلف اور نوع بہ نوع، مظاہر و عکوس ہیں اور ظلال و پرتو۔ (اور تمام عالم، اسی کے مظاہر کا مجموعہ)

**نور ۲۰:۔** عالم برزخ ایک عالم ہے (دنیا و آخرت کے مابین) کہ بنی آدم کی روحیں اپنے بدنوں سے جُدا ہو کر، تا قیامِ قیامت، اسی میں استقرار پائیں گی۔ اس عالم کا وجود آیات قرآنیہ سے مجملاً اور احادیث و اخبار مصطفیٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے تفصیلاً ثابت ہے۔ اور چونکہ یہ دنیا و عالم آخرت کے مابین واقع ہے اس لیے اسے برزخ کہتے ہیں۔

عالم برزخ وہ عالم مثال نہیں کہ ملک و ملکوت کے مابین واقع اولیائے الٰہی کے مکاشفات سے ثابت، اپنی نورانیت اور لطافت کے اعتبار سے عالم ملائکہ کے مماثل اور اپنی کیفیت و کمیّت کے اعتبار سے عالم ناسوت سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس عالم مثال میں ان دونوں عالم کے عکوس و ظلال یعنی پرتو پائے جاتے ہیں اور اس کا تمام زمانہ زمانہ حال ہے۔ ماضی و استقبال کی وہاں کوئی گنجائش نہیں۔ جب کہ اس عالم برزخ میں گذشت و بست اور خواہد شد یعنی ماضی و حال و استقبال سب کچھ ہے۔ ان سب کی مثال اس عالم میں بالفعل موجود ہے۔ چنانچہ فتوحاتِ مکیہ کی عبارتیں اس دعویٰ پر شاہد ہیں کہ عالم مثال اور عالم برزخ، دو جداگانہ عالم ہیں۔ چنانچہ آں جناب قدس سرہٗ کی عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ "وہ برزخ جس کی طرف تمام روحیں، اپنے بدنوں سے مفارقت کے بعد منتقل ہوتی ہیں، اس برزخ کے علاوہ ہے جو اجسام و ارواح کے مابین ہے اس لیے پہلے کا نام غیب محالی ہے اور دوسرے کا نام غیب امکانی۔ البتہ غیب امکانی

کا مشاہدہ اور وہاں کے احوال کی خبر دینے والے بکثرتِ کثیرہ ہیں۔ جبکہ غیب محالی کا مکاشفہ کرنے والے اقل قلیل ہیں۔

**نور ۲۱ :-** قبریں تین ہیں :- ایک قبر دنیا یعنی زمینی قبر جو زمین میں ایک گڑھا ہے۔ دوسری قبر عالمِ مثال یعنی مثالی قبر۔ اور یہ قبر وہ ہے جو عالمِ برزخ اور شہادت کے درمیان واقع ہے۔ اور ان دونوں عالموں کی قبروں کا عکس و پرتو اور مثال ہے۔ اپنی لطافت و نورانیت میں۔ قبر برزخ کے مشابہ ہے اور اپنی کیفیت و کمیت کے اعتبار سے قبرِ دنیا کے مماثل۔ تیسری قبر عالم برزخ یعنی برزخی قبر ہے اور یہی وہ قبر ہے جو اصلی ہے اور مقام استقراری یعنی تمام روحیں، اپنے بدنوں سے مفارقت کے بعد اسی جگہ قیام پذیر رہیں گی تا آنکہ نفخ صور ہو اور حشر برپا ہو۔

اور در حقیقت یہی وہ قبر ہے۔ جو تنعیم و عذاب اور فراخی و تنگی کا محل ہے۔ جب کہ پہلی دو نوں قبروں میں تنعیم و عذاب وغیرہ ہر امر عکس اور پرتو کے بغیر ہے اور یہی وہ قبر ہے جو اقطاب اولیائے الٰہی کے مکاشفہ کا محل ہے۔ یعنی قطب وقت پر اس کے احوال منکشف ہو جاتے ہیں اور اسی قبر عالم سے بیشتر احوال کا ادراک و کشف انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اسی قبر عالمِ مثال سے اولیاء اللہ کا فیضان جاری ہوتا ہے۔ منکر نکیر کا سوال و جواب بھی اسی قبر سے متعلق ہے اور احیائے اموات کا مکالمہ اور مُردوں کا زندوں کو جواب دینا بھی اسی قبر سے تعلق رکھتا ہے۔

یعنی ایک زندہ انسان، قبور اولیاء اللہ پر جو کچھ اپنی عرضداشت پیش کرتا اور اس کا جواب پاتا ہے، اس کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک بطور خطرۂ صحیحہ۔ دوسرے بوسیلہ آواز۔ ویسی ہی آواز کہ کسی کنوئیں کی گہرائی یا کسی گنبد کے اندر سے، بصورت غوں غوں، باہر آتی ہے یا کسی دور دراز مقام سے، ہوا کے ذریعہ پہنچتی ہے۔

طور اول یعنی خطرہ صحیحہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ سائل اپنے دل ہی دل میں صاحب قبر سے خطاب کر کے ایک بات کہتا ہے اور خاموشی اختیار کرتا ہے۔ اس کے معاً بعد، وہ

خطرہ جو سائل کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ گویا جواب ہوتا ہے صاحب قبر کی جانب سے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ باہمی گفتگو کی طرح جیسے ایک دوسرے سے عموماً کی جاتی ہے۔ صاحبِ قبر کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ لیکن یہ مرتبہ کامل و آخر مرتبہ ہے کہ اس امر میں مشق و ورزش کی کثرت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

پھر یہ برزخی قبر کہ یہی اصل قبر ہے، دنیاوی قبر کے محاذات و مقابلہ میں ہوتی ہے۔ اور فرض کر لیں کہ مرنے والے کی دنیا میں کوئی قبر تھی ہی نہیں۔ یعنی وہ زمین میں دفن نہ کیا گیا بلکہ مثلاً کوئی جانور کھا گیا، یا جل کر رہ گیا، تو شکم حیوان میں ہضم ہونے کے بعد جس جگہ اس کے پیٹ کا فضلہ خارج ہو کر قرار پائے گا، اسی جگہ اس کی قبر قرار پائے گی۔ اس لیے کہ انسانی اجزاء کے بعض اجزاء جو تخم کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ کبھی فنا نہیں ہوتے یعنی کسی نوع کا استحالہ و تغیر ان میں نہیں آتا۔ اس لیے وہ اجزاء شکم حیوان سے جس مقام پر برآمد ہو کر زمین پر پڑ آئیں گے۔ اسی مقام کو اس کی قبر تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح جسم جل گیا اس کے اجزاء پراگندہ و منتشر ہو گئے، تب بھی وہ اجزائے اصلیہ محفوظ ہیں وہ اجزاء جہاں بھی ہوں گے زمین انہیں بطور امانت رکھتی ہے اور زمین کا وہی حصہ اس کی قبر مانا جاتا ہے۔

اور اس قبر اصلی کے آثار، زمینی قبر میں کہ قبر مجازی ہے ایسے ہی پائے جاتے ہیں۔ جیسے زمین پر سورج کی شعاعیں۔ یا کسی مکان میں چراغ کی روشنی۔ یا جیسے روح کا تعلق بدن انسانی سے ہوتا ہے، کچھ ایسا ہی تعلق یہاں سمجھنا چاہیے۔ البتہ یہ دنیاوی قبر چند روزہ ہے۔ گردش دوراں سے انواع و اقسام کے تغیرات اور تبدیلیاں اس پر جاری و ساری رہتی ہیں اور یہ بنتی بگڑتی اور مٹتی رہتی ہیں۔

**نور ۲۲:-** یاد رکھو کہ موت نام ہے ایک عالم سے دوسرے عالم میں انتقال کا۔ اور اسی اعتبار سے آدمی کے لیے تین موتیں ہیں اور چار زندگیاں ان میں تین کے لیے اجل و موت ہے اور چوتھی دائم و ابدی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب روز میثاق، اللہ تعالیٰ نے، روحوں کو وجود کی خلعتیں بخشیں اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرما کر بَلٰی سنا۔ تو یہ پہلی زندگی تھی۔ جس کی

مقدار رب تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ پھر جب وہاں سے منتقل کر کے عالم شہادت (ودُنیا) میں پہنچایا تو یہ منتقلی، عالم ارواح سے ہماری موت تھی اور عالم شہادت میں ہماری یہ آمد، ہماری زندگی۔ تو عالم اجساد میں یہ ہماری پہلی موت اور دوسری زندگی ہے اور اس زندگی کی مقدار وہی ہے جسے ہم عمر کا نام دیتے ہیں۔

پھر جب ہم یہاں سے انتقال کر کے، عالم برزخ میں جائیں گے تو یہ ہماری دوسری موت ہوگی کہ ہم دنیا سے رخصت ہوئے اور تیسری زندگی کہ برزخ میں ہمیں مقام ملا اور جب وہاں سے ہم عالمِ آخرت میں استقرار، چوتھی زندگی اور یہی وہ زندگی ہے جسے موت نہیں بلکہ دوامی ہے۔

**نور ۲۳:-** سوال :- اس میں کیا حکمت ہے کہ عالم کے فنائے مطلق کے بعد، کہ یہی قیامت سے مراد ہے، پھر ساری کائنات انسانی کو پیدا فرمائیں گے اور پھر ابد الآباد تک اُسے باقی رکھیں گے اور دوام بخشیں گے۔ ممکن تو اسی کو کہتے ہیں کہ خود بخود موجود نہ ہو بلکہ قدرت ربانی سے وجود پائے اور پھر اس کا نیست ونابود کرنا دست قدرت میں ہے۔ چنانچہ اُسے نابود کر دیا جائے گا۔ لیکن پھر اسے وجود میں لانے اور مدام باقی رکھنے میں کیا مصلحتِ خداوندی ہے۔ ؟

اس کا جواب جو پہلے وہلہ میں مجھے غیب سے مرحمت ہوا۔ اُسے تحریر میں لاتا ہوں اگر پسندِ خاطر ہو تسلیم کر لیں ورنہ اس کی اصلاح کی کوشش۔ اور وہ جواب یہ ہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک دو مقام ہیں۔

ایک کان اللہ ولم یکن معہ شی اللہ تعالیٰ اور اس کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

صوفیائے کرام کے نزدیک اس مقام کا نام ہے مقامِ احدیّت۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنی خدائی کو ظاہر فرمائے۔ اور ظاہر کہ اُس کی خدائی کا ظہور، ماسوی اللہ کی تخلیق کے بغیر کسی بغیر کسی صورت متصور نہیں۔ لہٰذا اس نے تخلیق کا ارادہ فرمایا اور عالم کو عدم سے وجود میں لایا۔

صوفیائے کرام اس مقام کو مقامِ واحدیت سے موسوم کرتے ہیں۔

اور اس میں حکمت محض اپنی معرفت ہے نہ کہ کچھ اور کہ اگر مخلوق ہوتی، تو خالق کو اُس کے سوا اور کون جانتا اور اسے کون خالق کہتا۔ لہذا بتقاضائے مقام واحدیت اس نے ماسوی کو پیدا فرمایا اور پھر خود کو اُن پر ظاہر فرما کر ارشاد فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اور خلق کو بہ جواب بلیٰ، معترف گردانا۔

پھر وہ ان سب کو فنا کر دے گا۔ اس لیے کہ عالم کا حادث ہونا، اسی فنا کا متقاضی یا خواستگار ہے۔ اب اگر فنا کے بعد مخلوق کو دوبارہ زندہ نہ کر دے تو وہی ایک مقامِ احدیت رہ جاتا ہے اور مقام واحدیت جیسا کہ پہلے حجاب میں تھا۔ پھر پسِ حجاب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ احدیت (اور خدا کی یکتائی و بے ہمتائی) سے واحدیت (اس کی یکتائی کے اقرار و اعتراف) کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ اس کی واحدیت سے قطعاً اس کی یکتائی کا سراغ ملتا ہے تو مقامِ واحدیت کا باقی رہنا، مقام احدیت کے منافی نہیں۔ چنانچہ سید الطائفہ حضرت جُنید قدس سرہٗ کا ارشاد گرامی ہے ھو الآن کما کان (وہ جیسا پہلے تھا اب بھی ہے)

غرض اس کی شان احدیت و واحدیت کی تجلّی نے چاہا کہ مقامِ واحدیت اپنے چہرہ زیبا سے حجاب اٹھائے اور ابدالآباد تک اس کی تجلّی افق پر رہے۔ اس لیے وہ فانی شُدہ عالم کو، دوبارہ زندگی مرحمت فرمائے گا۔ اور یہی حکمت ہے۔ مخلوق کی فنا کے بعد، اسے دوبارہ، زندگی کی خلعت بخشنے اور پیدا کرنے میں اور پھر اسے دوبارہ موت نہ دینے بلکہ ابدالدہر تک باقی رکھتے ہیں۔

اور حق یہ ہے کہ وہ تعالےٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ، اپنی حکمت خود ہی خوب جانتا ہے

**نور ۲۳:-** جب آدم علیہ السلام کا جسدِ خاکی تیار ہوا اور آپ کے خلیفۃ اللہ ہونے کا غلغلہ ہوا اور تمام ملکوت میں اس کی شہرت ہوئی تو ملائکہ عالمِ بالا، ابلیس کے پاس گئے اور گویا ہوئے کہ تو نے اس خاکی جسم کو دیکھا ہے۔ ہمیں بتا کہ آخر اس جسم مرکب کے خلیفۂ الٰہی ہونے کی وجہ کیا ہے۔ ہماری ادھر رسائی، مشکل نظر آتی ہے۔ ابلیس لعین آیا اور آدم علیہ السلام کے اس جسم خاکی میں داخل ہوا۔ کچھ دیر وہاں ٹھہرا پھر باہر آکر بولا کہ میں نے اس جسم میں سیر کی ہے۔ مجھے اس میں خلافت کی کوئی وجہ معلوم

نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس کی ترکیب پٹھوں، رگوں، ہڈیوں اور خون گوشت چربی وغیرہ سے ہوئی ہے۔ خون میں ہیجان وجوش آئے گا تو وہ سیلاب کی طرح اس کی رگوں میں گردش کریگا اور اعصاب میں تناؤ پیدا کرکے، باہمی خون خرابے اور جنگ وجدال تک نوبت پہنچائے گا اور پھر اس سے ایسی ایسی نافرمانیاں اور بے اعتدالیاں وقوع میں آئیں گی اور یہ سب منصب خلافت کے برخلاف ہے۔ البتہ میں نے اس جسم کی بائیں جانب، ایک طاقچہ سا دیکھا۔ اسی میں کوئی مخفی راز اور ودیعت پنہاں ہے۔ مجھے ادھر جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ ناچار میں باہر آگیا۔ لہذا سببِ خلافت اگر کوئی چیز ہوسکتی ہے تو وہی راز پنہاں اور سرّ مخفی ہوسکتا ہے۔ ورنہ اور کچھ نہیں۔

صوفیائے کرام تحریر فرماتے ہیں کہ وہی راز پنہاں، خداوند تعالیٰ کی محبت وعشق ہے جسے آدم علیہ السلام کے دل میں ودیعت رکھا اور انہیں اپنا متوالا بنایا تھا۔ یہ دولت کسی اور مخلوق کو نصیب نہیں ہوئی۔

اے عزیز! یاد رکھ کہ آدم محض اُس سرّ مخفی کے باعث آدم ہوئے ورنہ وہ بھی اور دوسری مخلوق کی طرح ہوتے۔ تو تُو اُس راز پنہاں سے کیوں غفلت میں پڑا ہے اور اسے ترقی نہیں دیتا۔ اور اپنے خالق کو نہ تجھے تلاش ہے نہ دریافت۔ اگر وہ راز تجھے مل جائے تو تُو بھی آدمی بن جائے۔ ورنہ ناچیز کا ناچیز رہے گا۔ کچھ نہ پاسکے گا۔ عشقِ الٰہی دِل میں زیادہ سے زیادہ پیدا کر اور خود کو اس محبوب کا شیدائی بنا تاکہ تو کچھ بن سکے اور لوگ تجھے مردِ خدا کہیں۔

**نورٌ ۲۵**:- جاننا چاہیے کہ نسبت بہ خدا، دو قسم پر ہے۔ ایک عاشقانہ۔ یعنی اس تعلق کا غلبہ، جو عاشق کو معشوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دوسرا معشوقانہ، یعنی اُس تعلق کا غالب رہنا جو معشوق کو عاشق سے ہوتا ہے۔ پہلی نسبت خلیلی ہے اور دوسری نسبت حبیبی۔ نسبتِ خلیلی یہ ہے کہ طالب کے تمام کام، مطلوب کی مرضی کے مطابق انجام پائیں۔ اور نسبت حبیبی یہ ہے کہ مطلوب کے جملہ امور مرضئِ طالب کے موافق وجود میں آئیں۔

اولیاء اللہ، ان دونوں نسبتوں کی طرف منسوب ہیں۔ بعض حضرات نسبت عاشقانہ رکھتے ہیں اور بعض نسبت محبوبانہ۔ اور نسبت کے معنی ہیں، جنابِ الٰہی سے دل کا دوامی تعلق اور تمام ماسوی سے انقطاع۔ اور یہی معنی ہیں اس کلام کے جو کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحبِ نسبت ہے۔

**نور ۲۶**:- طلبِ صادق، طالب کو باذن ذی الجلال، حصول کمال سے محروم نہیں رکھتی۔ اگر اس کا پیر ناقص ہو۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کی طلبِ صادق کی برکت سے ناقص پیر بھی درست ہو جاتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص پیر کی تلاش و طلب میں سرگرداں رہتا۔ لیکن اُسے حسب مرضی پیر میسر نہ آتا۔ ایک روز تنگ دل ہو کر قسم کھا بیٹھا کہ آج رات کو جو بھی میرے گھر میں آئے گا میں اُسی کا مرید ہو جاؤں گا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس رات (اور کوئی نہ آیا) ایک چور اندر گھس پڑا۔ اس طالب صادق نے کہ انتظار میں تھا۔ فوراً آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے اور درخواست کی کہ مجھے اپنا مُرید بنا لیجئے۔ وہ خوف زدہ ہوا اور پہلے پہل تو بہت ڈرا۔ لیکن بعد میں اُسے احمق سمجھ کر اس کی بات مان گیا کہ اس حیلہ سے پیچھا تو چھوٹے گا۔ تیرا اس میں نقصان ہی کیا ہے۔

چنانچہ جب چور نے اُسے اپنا مرید کر لیا تو مرید نے کہا کہ اب مجھے کسی کام کا حکم دیں کہ اس میں مشغول ہو جاؤں اور خدا تک پہنچ سکوں۔ وہ بے چارا چور یہ باتیں کیا جانے۔

؎ تو ندیدی گہی سلیماں را چہ شناسی، زبان مرغاں را

لیکن اپنی گلو خلاصی کے لیے یہ دو باتیں کہیں کہ تمام اہل خاندان سے جدا ہو کر جنگل میں نکل جا اور وہاں کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر خدا کو یاد کر اور اللہ اللہ صدق دل سے کہتا رہ" اُس طالبِ صادق نے یہ تعلیم پا کر، اپنے گھر والوں سے قطع تعلق کیا اور جنگل میں نکل گیا۔ پھر وہاں عبادت الٰہی میں منہمک ہو گیا۔ مگر چونکہ اس کا پیر ناقص تھا۔ یہ خدا تک نہ پہنچ سکا۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کو بارگاہِ الٰہی سے الہام ہوا کہ جاؤ فلاں چور کو تعلیم دے کر، درجۂ تکمیل تک پہنچاؤ اور اس سے کہو کہ ہمارے فلاں طالبِ صادق کو

جسے تم نے مرید کیا تھا ہم تک پہنچاؤ۔

چنانچہ آنِ واحد میں تعلیم خضری کے طفیل وہ چور صاحبِ کمال و صاحب تکمیل بن گیا اور اپنے مرید کو جستجو کے بعد، اس کی مراد تک پہنچایا۔ دیکھیے کہ اس طالب صادق کی طلبِ صادق نے جو اُسے اپنے ناقص پیر کے ساتھ تھی۔ اُسے کیا سے کیا بنا دیا۔

**نور ۲۷:** حضرت مرشدِ گرامی کی قدمبوسی کے بعد ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا کہ بسا اوقات درویش مردار اور حرام چیزیں کھاتے ہیں۔ بار ہا دیکھا گیا کہ مردہ جانور کی چربی اور گوشت بھی کھا لیتے ہیں۔ حالانکہ بظاہر حال وہ نہ مجذوب نظر آتے ہیں نہ مجنون۔ بلکہ بسا اوقات ان لوگوں نے دوسروں کو بھی اس میں سے کچھ دیا اور جب غور سے دیکھا گیا تو وہ حلوہ تھا۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔

ارشاد فرمایا کُن فیکون صفت باری تعالیٰ ہے جب بندہ فنائے کلی کے بعد اس صفت سے موصوف اور اس صفت کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس وقت اُسے یہ قدرت مل جاتی ہے کہ وہ اشیاء کی ماہیت تبدیل کر دیتا ہے۔ اگر وہ مُردہ کے لیے کہے کہ وہ زندہ ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر زندہ کے متعلق کہہ دے کہ مُردہ ہے تو وہ واقعی مُردہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مردار گوشت کے لیے کہہ دے کہ حلوہ ہے تو وہ حلوہ بن جاتا ہے اور اگر حلوہ کے بارے میں کہہ دے کہ فضلہ ہے تو وہ فضلہ بن جاتا ہے (وعلیٰ ہٰذا القیاس) یہ بندۂ خدا تریاق کو زہر قاتل بنا دیتے ہیں اور زہر ہلاہل کو تریاق۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زہر نوشی کا قصہ مشہور و معروف ہے۔

تو جب بندہ اس صفت سے متصف ہو جائے اگر وہ فضلہ کو حلوہ سمجھ کر کھانا چاہے تو اس میں مضائقہ کیا ہے کہ اس کی قوت کرامت سے وہ واقعی حلوہ بن چکا ہے اور ظاہر ہے کہ جب ماہیت بدل جاتی ہے تو اس کا حکم شرعی بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً انگوری شراب کہ حرام قطعی ہے اگر سرکہ بن جائے تو اس کا کھانا حلال و جائز ہے۔ اس لیے کہ نجاست حرمت کا حکم اس کی ماہیت بدل جانے کے باعث باقی نہ رہا۔ یہی حکم تمام اشیاء کا ہے۔ لہٰذا اب کوئی خدشہ کی بات نہ رہی۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت واقعی میرے دل کو

تسلی حاصل ہو گئی۔

**نورؔ ۲۸:۔** ایک روز میں نے حضرت مرشد گرامی قدر سے عرض کیا کہ روح کیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ باری تعالیٰ کی صفت حیات کا ظل و پرتو۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات دونوں کا ادراک اور کنہ حقیقت کی دریافت ممنوع ہے۔ تو روح کی حقیقت کس طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ آخر اسی کا عکس اور ظل و پرتو ہے۔

**نورؔ ۲۹:۔** ایک روز میں نے مرشد گرامی سے عرض کیا کہ حضور اس کا سبب کیا ہے کہ بعض پابند نماز فقراء یکایک نماز چھوڑ دیتے ہیں اور ان سے اس بارے میں پوچھا جائے تو جواب میں یہ آیۂ کریمہ پڑھ دیتے ہیں۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ط

ارشاد فرمایا کہ اُن کا یہ قول تو صرف برائے بیت (خانہ پُری کے لیے) ہوتا ہے اور لوگوں سے اپنا دامن چھڑانے کے لیے یہ کہہ دیا کرتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ترکِ نماز کے گناہ سے بہت دُور ہیں۔ اور یوں بھی اہل ایمان کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیے (جبکہ حقیقۃً) ہماری نگاہوں میں ترک نماز کے وجوہ متعدد ہیں۔ مثلاً (کبھی انہیں استغراق حاصل ہوتا ہے کہ انہیں خود اپنے وجود کی خبر نہیں رہتی۔ اور کبھی جمال الٰہی کے مشاہدہ میں ایسے مدہوش ہو جاتے ہیں (کہ ان سے قلم شریعت اٹھ جاتا ہے) اور کبھی ایسے واردات عجیبہ کا ان پر ورود ہوتا ہے کہ وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی تجلی جلال کی وہ شدت ہوتی ہے کہ نماز پڑھنے پر انہیں قدرت ہی نہیں رہتی وعلیٰ ہذا القیاس۔

(پھر فرمایا کہ) ایک روز سیدی ابوبکر شبلی قدس سرہٗ بے حجابانہ (کسی روک ٹوک کے بغیر) اپنے شیخ گرامی حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکان میں داخل ہو گئے اور ان کے سرہانے کھڑے کھڑے نعرے لگانے اور اشعار پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت سامی کی پردہ نشین بی بیوں نے پردہ کرنا چاہا تو آپ نے ارشاد فرمایا اس کی ابھی حاجت نہیں کہ شبلی اس وقت اس عالم ہوش و حواس میں نہیں۔

کچھ دیر بعد حضرت شبلی اسی حالت بے خودی میں گر پڑے اور بہت دیر اسی حال میں رہے۔ یہاں تک کہ حضرت جنید رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کی حالت پر توجہ فرمائی اور انہیں اس عالم سُکر و مدہوشی سے، عالمِ صحو و ہوشیاری کی طرف واپس لائے حضرت شبلی نے رونا شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت جنید قدس سرہٗ نے پردہ نشین اہل خانہ سے فرمایا کہ تم لوگ پردہ میں چلی جاؤ کہ وہ اس عالم میں واپس آ رہے ہیں۔

غرض ان فقراء پر انقلابِ احوال کی ایسی ہی واردات اور تجلیات کا بیش از بیش ورود رہتا ہے اور اس قسم کے احوال میں احکامِ شریعت کی بجا آوری اُن سے ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اسی حکایت میں گزرا کہ حضرت جنید نے اس وقت کسی پردے اور کسی حجاب کی ضرورت نہ سمجھی۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہو کر تنہا نماز ادا کر لیتے ہوں۔ البتہ اس توجیہہ میں ترکِ نماز با جماعت کا نٹا دل میں کھٹکتا ہے کہ تنہا ادائیگی، نماز میں جماعت چھوٹتی ہے اور یہ بھی فقراء کے حق میں سخت نازیبا حرکت ہے کہ اس صورت میں سُنتِ مؤکدہ بلکہ بعض علماء کے نزدیک واجب کا ترک لازم آتا ہے۔ لہٰذا وہی پہلی تاویلات اقرب الی الصواب ہیں۔

میں نے پھر عرض کیا کہ یہ استغراق و تحیّر صرف اوقات نماز میں ہوتا ہے۔ باقی اور امور مثلاً کھانے پینے وغیرہ میں نہیں ہوتا۔ تو ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مجنون کس طرح کھاتے پیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ نماز کے لیے عقل و شعور اور تو مجنونوں پر ان کے کھانے پینے کے باوجود امور شرعیہ میں قلم جاری نہیں۔ ایسا ہی یہاں سمجھنا چاہیے۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

بہرحال ان کے حق میں نیک گمان رہنا چاہیے۔ اُن پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں نماز با جماعت ادا کرتے ہوں۔ اس لیے کہ انہیں ارض یعنی زمینی مسافت طے کرنے کی قوت حاصل ہو اور مسجد حرام میں فضیلت نماز ای دولت احاصل کرنے چاہتے ہوں کہ وہاں کی ایک رکعت، دوسری جگہ کی ایک

ہزار رکعتوں کے برابر ثواب رکھتی ہے۔
اور اگر تم یہ کہو کہ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ اوقات نماز میں از اول تا آخر وقت یہیں موجود رہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی غائب نہ ہوئے تو وہاں کیسے پہنچے۔ تو میں کہوں گا کہ تمہیں کیا معلوم کہ وہ اپنے جسم وصورت اصلی میں وہاں گئے اور اپنے جسم ظلی و مثالی کے ساتھ، کہ وہ جسم اصلی کے مشابہ ہے یہیں رہے۔ جیسا کہ بارہا اس راہ کے مردانِ خدا سے وقوع میں آیا۔ قصہ مختصر یہ کہ حسن ظن میں بڑی گنجائش ہے۔ دیکھیے کسے حسنِ ظن کی توفیق دیتے اور بدگمانی کی بلا سے بچاتے ہیں۔ الٰہی ہمیں بھی حسنِ ظن کی توفیق عطا فرما۔

**نور ۳۰:** جاننا چاہیے کہ انسان عالم صغیر ہے اور اس کے سوا، عالم کبیر۔ اور یہ عالمِ صغیر، تمام اجزائے عالم کبیر کا جامع ہے۔ چنانچہ جو کچھ قلم میں مجمل ہے، لوح محفوظ میں مفصّل ہے۔ وہ اس کے قلب میں مفصّل ہے۔ جو کچھ عرش میں ہے وہ اس کے جسم میں ہے اور جو کچھ کرسی میں ہے وہ اس کے نفس میں ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔ فِکْرُكَ فِيكَ يَكْفِيكَ اے انسان خود اپنی ذات میں غور وخوض تیری رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ کوئی چیز تجھ سے خارج نہیں۔ کیا تو نے نہ سنا کہ حق سبحٰنہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ حَسِيبًا ط

(اپنا نامہ پڑھ۔ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے)

تو جو کوئی یہ کتاب پڑھ لیتا ہے تمام ماکان وما یکون سے آگاہی پالیتا ہے اور جو کوئی پوری کتاب نہ پڑھ سکے تو حکم ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (جتنا میسّر آئے پڑھ لو) اور ارشاد ربانی ہے سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور ان کے آپے میں۔ یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے۔) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (اور خود تم میں۔ تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں)

بالجملہ جو کچھ عالمِ کبیر میں ہے وہ سب کچھ اس عالمِ صغیر یعنی انسان میں موجود ہے۔ مثلاً عالمِ کبیر میں ایک بادشاہ ہوتا ہے۔ جس کا حکم تمام مملکت میں نافذ و جاری رہتا ہے اور اس کی رعایا میں سے کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دے سکتا۔ یونہی عالمِ صغیر میں اس کی جگہ روح اصل ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ کہ جسم کی پوری مملکت میں متصرف کرتی ہے اور تمام اعضا تے بدن کے تمام امور اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ اسی طرح عالمِ کبیر میں بادشاہ کا ایک وزیر ہوتا ہے جسے تمام امور سلطنت اور مملکت خوش نظام کی تدابیر سونپ دی جاتی ہیں۔ عالمِ صغیر میں عقل ہے کہ ایک وزیر کے کام انجام دیتی ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ عالم کبیر میں ایک بادشاہ ہے۔ جس پر کوئی اور بادشاہ نہیں اور اسے شہنشاہ کہتے ہیں۔ یعنی خداوند عزّ و جلّ اور عالمِ صغیر میں اس کی نائب روحِ انسانی ہے کہ اس کی ظلال سے ایک ظِل اور اُس کے لامتناہی تعینات سے ایک تعین ہے۔ جَلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ

عالمِ کبیر میں شہنشاہ کا ایک نائبِ مطلق ہے کہ اُسے نائبِ کُل و خلیفہ مطلق کہتے ہیں۔ اور (وہ) وزیرِ اعظم (کا منصب رکھتا ہے۔) اور وہ بے مثل و بے مثال ذاتِ اقدس ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ اور عالم صغیر میں عقل ہے کہ ان کے عکسوں ایک عکس اور ان کی حقیقتِ عالیہ کے پرتووں سے ایک پرتو ہے۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ۔

عالمِ کبیر میں شہنشاہِ حقیقی کا ایک عظیم عرش ہے۔ جسے باری تعالیٰ کی بارگاہِ رفیع سے ایک خاص نسبت حاصل ہے تو عالمِ صغیر میں قلب انسانی ہے کہ روح کا خاص مقرر و محل ہے۔ عالمِ کبیر میں سلطان کی کرسی رفیع و بلند ہے۔ تو عالمِ صغیر میں دماغ بڑا عالی مقام وارجمند ہے۔

وہاں لوحِ محفوظ ہے جس میں تمام ماکان و مایکون (جملہ ماضی و مستقبل) مکتوب ہے تو یہاں قوتِ خیال ہے کہ تمام صورتیں، شکلیں اور رنگتیں اور ہر وہ چیز جو حواسِ خمسہ ظاہری کی بدولت ادراک میں آتی ہے، یہاں محفوظ ہیں۔

وہاں باری تعالیٰ کا ادراک محال و متعذّر ہے اور یہاں حقیقتِ روح کا ادراک دشوار ترین، مشکل الوصول اور متعسّر ہے۔

وہاں خالقِ کائنات کا غلبۂ و استیلاء، تمام مملکت میں ہے اور وہ اپنے علم و قدرت سے ہر جگہ موجود ہے اگرچہ باعتبار تمکن اکہ کسی مکان خاص میں متمکن ہو کہیں نہیں۔ اور یہاں روح اپنی تدبیر و تصرف کے ساتھ بدن میں ہر جگہ موجود ہے۔ اور پھر بھی کسی مکان خاص کے لیے نہیں کہا جا سکتا کہ روح فلاں جگہ متمکن و مستقر ہے۔

عالمِ کبیر میں مثلاً جب خداوند تعالیٰ نے چاہا کہ زید کو پیدا کرے تو اوّلاً ارادہ الٰہی اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس ارادہ کے نتیجہ میں زید کی تخلیق کا مقدر ہونا، اپنی اس ہیئت و شمائل اور رنگ روپ کے ساتھ لوح محفوظ میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا مطالعہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے کرتے ہیں اور اسے پڑھ کر زید کی پیدائش سے آگاہ و مُطّلع ہو جاتے ہیں۔ پھر ان فرشتوں کی وساطت سے ان فرشتوں کو اطلاع ملتی ہے جو آسمانوں اور اس کے برجوں کے ستاروں پر مؤکل ہیں۔ پھر ان فرشتوں کے ذریعے چاروں عناروں عناصر کے فرشتوں کو اس کا علم ہوتا ہے اور یہی فرشتے اجسام انسانی پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور زید کے ماں باپ کے قوائے جسمانیہ کو حرکت میں لاکر دونوں کو یکجا کر دیتے ہیں۔ اُس وقت زید کی وہی صورت کہ ارادہ الٰہی کے مطابق لوح محفوظ میں منقوش ہے۔ اسی شکل و شمائل میں رحمِ مادر میں قرار پاتی ہے۔ اور چونکہ حکم الٰہی کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں لہٰذا بعینہٖ اُسی طور پر کہ مشیت الٰہی میں ہے۔ زید پیدا ہوگا۔

اب اگر اللہ تعالیٰ کو اس کام کے آغاز کا انجام منظور نہ ہوا اور وہ اس کی تکمیل نہ چاہے تو زید کی پیدائش میں فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً حمل ساقط ہو جائے یا کوئی اور تبدیلی ایسی وجود میں آئے جو خداوند تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہو۔

اسی طرح عالم صغیر میں اس کی مثال سمجھ لینا چاہیئے مثلاً تمہارے دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ تم بسم اللہ لکھو۔ تو یہ تمہارا ارادہ ہے۔ اس کے بعد اُس بسم اللہ کی صورت تمہارے دماغ کی لوح پر منقش ہوتی ہے کہ اس اس طرح لکھوں گا۔ اس کے بعد لطیف

بخارات اور ارواحِ حیوانی ہیں کہ فرشتوں کے مُشابہ ہیں، حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہاں سے یہ حرکت، اعصاب وعضلات میں اور پھر وہاں سے انگلیوں اور پوروں میں منتقل ہوتی ہے۔ اور بسم اللہ اسی صورت میں، جو تمہاری خواہش تھی، ان پوروں کے ذریعہ وجود میں آجاتی ہے۔ اور چونکہ ان واسطوں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ لہذا تم اسی طرح بسم اللہ کو تحریر میں لے آئے جو تمہارے ارادہ کے مطابق تھی۔

اب دورانِ تحریر اگر یہ خیال تمہارے دل میں جاگزیں رہے کہ تم اس کی تکمیل کرلو تو بے شک تم اس پر قادر ہو۔ یا اگر تمہارے دل میں دورانِ تحریر، یہ خیال آئے کہ جیسی صورت پہلے سوچی تھی اُس میں کوئی تبدیلی پیدا کر دی جائے تو اس پر تمہیں قدرت حاصل ہے۔ کہ اُسے باریک تر دخفی لکھو یا روشن تر دجلی۔ یا جیسا تمہارے جی میں آئے۔

یونہی اُس عالمِ کبیر میں قیامت ہے کہ تمام مملکت کو فنا و برباد اور بجُز ذاتِ باری تعالیٰ کے ہر چیز کو نیست و نابود کر دے گی۔ اور اس عالم صغیر میں موت ہے کہ تمام مملکتِ جسم کو درہم برہم کر دے گی اور سوائے بادشاہ کے کہ روح اصلی ہے کسی چیز کو نہ چھوڑے گی۔ ضمناً اس تقریر سے یہ بات بخوبی تمہارے ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا) اور اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ (کہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کو اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا فرمایا) اس کے کیا معنی ہیں۔

عالمِ کبیر میں بادشاہ کے امراء اور مقرّبینِ بارگاہ ہوتے ہیں تو عالم صغیر میں۔ جگر تلی وغیرہ امرائے مقربین میں ہیں۔

ہاں بادشاہوں کے خزانچی ہوتے ہیں یہاں خیال وحافظہ ہے۔

وہاں عرض بیگی اور پرچہ نویس ہوتے ہیں، یہاں حسِّ مشترک ہے کہ حواس کی راہوں سے جو کچھ اسے وصول ہوتا ہے وہ نفسِ ناطقہ پر پیش کر دیتا ہے۔

وہاں کُلّی تدابیر کے منتظم جدا ہوتے ہیں اور امور جزئیہ کے ناظم الگ۔ یہاں بھی

کلی ادراکات کے لیے عقل ہے اور علوم جزئیہ کے لیے وہم و حواس۔

وہاں شاہوں کی مخصوص سواریاں ہوتی ہیں، یہاں تیرے دو پاؤں کہ ان پر سوار ہو کر تو جہاں چاہے پہنچ سکتا ہے۔

وہاں بادشاہوں کا ایک لشکر ہوتا ہے کہ دشمن سے دفاع کرتا ہے۔ یہاں تیرے دونوں ہاتھ ہیں کہ موذی سے تیرے بچاؤ میں مصروف رہتے ہیں۔

وہاں تحصیلدار ہوتا ہے کہ اموال اور سرکاری مطالبے فراہم کرتا ہے، یہاں قوت شہوانی ہے کہ کھانے پینے اور تمام ضروری حاجتوں کو طلب کر کے جمع کرتا ہے۔

وہاں چوکیدار اور کوتوال ہوتے ہیں یہاں قوتِ غضبیہ ہے کہ امور سیاست انجام دیتی اور کوتوال کا کام کرتی ہے۔

وہاں جاسوس ہوتے ہیں کہ بیرونی حالات کی تفتیش کرتے اور دربار شاہی تک پہنچاتے ہیں۔ یہاں حواس خمسہ یعنی باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ جاسوسی کرتے ہیں اور تمام خارجی حالات حسِ مشترک کی وساطت سے پہنچاتے ہیں۔

عالم کبیر میں خدمت گار ہوتے ہیں کہ اپنی خدمات انجام دیتے ہیں، یہاں قوت ہاضمہ، قوت غاذیہ، قوتِ نامیہ، قوت ماسکہ اور قوتِ دافعہ وغیرہا خدمت گزار ہیں کہ جس خدمت پر مامور ہیں اسے بجالاتے ہیں۔ قوتِ ماسکہ، کھانے کو معدہ میں روکتی ہے۔ تاکہ حرارت اس میں اپنا کام انجام دے۔ قوتِ ہاضمہ اس کے ہضم میں مشغول رہتی ہے۔ قوت دافعہ، فضلات کو، جاروب کشوں کی طرح دفع کرتی ہے۔ قوت غاذیہ، غذا کو اعضائے بدن میں تحلیل کرتی ہے۔ قوت نامیہ، جسم کو بڑھاتی ہے۔ قوتِ غاذیہ، غذا کو اعضائے بدن میں تحلیل کرتی ہے۔ قوت نامیہ، جسم کو بڑھاتی ہے۔

غرض وہاں باورچی خانہ ہوتا ہے تو یہاں معدہ ہے۔ وہاں ماہر باورچی ہوتا ہے۔ یہاں حرارت ہوتی ہے کہ ہر قسم کے کھانے کو پکاتی ہے۔ وہاں انگریزہ ہوتا ہے اور یہاں انگریز جگر ہے کہ ہر قسم کی غذا کو سرخ رنگ دیکر اسے خون بناتا ہے۔

وہاں سقہ ہوتا ہے یہاں گردہ ہوتا ہے کہ پانی کو خون سے جدا کرتا اور اس پانی

کو مثانہ میں پھینک دیتا ہے، اور پھر وہ پانی مثانہ سے فوارہ کی طرح رواں ہو کر گر جاتا ہے اور پھر فوارہ کی مانند موجود رہتا ہے۔

وہاں بادشاہانِ مملکت ایک دوسرے سے آمادہ جنگ و قتال رہتے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو کر، دوسرے کی مملکت کو خراب و برباد کرتے ہیں۔ یہاں بیماریاں ہیں کہ مملکتِ روح میں داخل ہو کر، روح سے مقابلہ کرتی اور اس کی مملکت کو تباہ و برباد کرنا چاہتی ہیں اور اسی باہمی جنگ و جدل کا نام بحران ہے۔

وہاں برسرِ پیکار فریقین میں سے ہر فریق کو باہر سے کمک اور مدد پہنچتی ہے یہاں مرض کو بد پرہیزی اور معالج کے علم و تجربہ میں نقص و فتور سے مدد ملتی ہے اور روح کو دوا و پرہیز، طبیعت کی مہارت اور مقدر میں صحت کی کمک میسر آتی ہے کہ دشمن کی تمام تدبیروں کو لاحاصل بنا دیتی ہے۔

وہاں چور ہوتے ہیں اور یہاں ہماری رگیں چور ہیں کہ غذا کو معدہ سے چرا کر جگر تک پہنچاتی ہیں۔

وہاں رعایا میں نیک و بد، ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور یہاں اچھے اخلاق اور بُری عادتیں ہیں۔

وہاں عناصر اربعہ ہیں اور یہاں اخلاط اربعہ، کہ عناصر کے ہم مزاج ہیں۔

وہاں روشن ستارے ہیں کہ اپنی چمک دمک سے دنیا کو روشن اور اندھیرے میں پنہاں چیزوں کو آشکار کرتے ہیں۔ یہاں جسمانی اور روحانی آنکھوں کی روشنیاں ہیں کہ روشن و منور کرنے کے انتظام میں رہتی ہیں۔

وہاں پہاڑ ہیں جن کے باعث زمین ساکن ہے یہاں ہڈیاں ہیں کہ پہاڑوں کی مانند استادہ ہیں اور انسانی بدن ان پر قائم ہے۔

وہاں درخت اور دوسرے نباتات ہیں۔ یہاں بدن کے بال اُن کے مقابلہ میں ہیں۔

وہاں نہریں ہیں جن میں پانی رواں دواں رہتا ہے یہاں رگیں ہیں جن میں

خون دوڑتا ہے۔ وہاں قسم قسم کے میٹھے اور نمکین، کڑوے اور بدبودار چشمے ہوتے ہیں۔ یہاں منہ ایک چشمہ شیریں کی مانند ہے کہ ہر غذا کا ذائقہ، اپنی جگہ برقرار رہے آنکھوں کا چشمہ نمکین ہے کہ اس پر ہماری آنکھوں کی بقا موقوف ہے۔ یعنی آنکھوں میں چربی بہت ہے اور چربی بغیر نمک کے نہیں رہتی۔ کانوں کا چشمہ، کڑوا اور شور ہے۔ اس لیے کہ کانوں کی حفاظت کرنے والا کوئی حاجب نہیں۔ لہذا حکمت الٰہی کا تقاضہ یہ ہوا کہ اس چشمہ کو تلخ و تند پیدا کیا جائے۔ تاکہ کیڑے مکوڑوں کی پہنچ سے محفوظ رہیں اور ناک کا چشمہ بدبودار ہے تاکہ وہ خوشبو کی قدر پہچانے۔

وہاں برسنے والے بادل ہیں کہ زمین سے اُٹھتے، کرۂ زمہریر تک پہنچتے اور وہاں سے پانی کی شکل میں برستے ہیں۔ یہاں جسم کے بخارات ہیں کہ آنکھوں کی رطوبت تک پہنچتے، آنسو بنتے، بارش کے قطروں کی طرح برستے ہیں۔

وہاں پانی کے طوفان ہیں اور یہاں رطوبتوں کا غلبہ

وہاں ہواؤں کے طوفان ہوتے ہیں اور یہاں ریاح کا غلبہ۔

وہاں زمین کے زلزلے ہیں۔ یہاں رونگٹے کھڑے ہو جانا اور رعشے۔

وہاں بدبودار چیزوں کے بگڑنے سے کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں اور یہاں بلغم کے بگڑ جانے اور استحالہ سے کدو دانے اور رشتہ کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

وہاں ابلیس اور شیاطین ہیں یہاں نفس امّارہ۔

وہاں بہشت و دوزخ ہے اور یہاں تندرستی و بیماری۔ بہشت میں نعمتیں ہوتی ہیں اور دوزخ میں کلفتیں۔ اسی طرح یہاں صحت و تندرستی سے راحتیں پیدا ہوتی ہیں، کہ جو تمہارا جی چاہے کھاؤ، پیو اور پہنو اور مزے اڑاؤ۔ اور بیماری و مرض، عذاب بن کر آتے ہیں کہ نہ کھانے پینے میں لطف اور مزہ۔ نہ نیند نہ راحت، اور نہ اپنی مرضی کے مطابق کردار و گفتار اور رفتار۔

وہاں ملائکہ ہیں کہ منجانب اللہ، تدابیر عالم پر مقرر ہیں۔ یہاں لطیف بخارات ہیں کہ روح کے حکم بموجب، ہر جگہ تدبیر بدن میں مصروف رہتے ہیں اور اس کا

حکم نافذ کرتے ہیں۔ جب تم چلنا چاہتے ہو تو وہ پیروں کے عضلات کو سمیٹتے اور پھیلاتے ہیں اور جب تم کسی کو کچھ دینا یا اُس سے لینا چاہتے ہو تو ہاتھوں کے عضلات کو حرکت میں لاتے ہیں۔

وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور اگر کوئی حد درجہ ناتوان و ضعیف البدن ہو تو کیا عجب کہ اُس کے جسم میں ان بخارات کی حرکات کا مشاہدہ کیا جا سکے۔

وہاں نغمے اور مزامیر ہیں کہ دل کو لبھاتے ہیں اور یہاں حلقومِ انسانی مزامیر کی جگہ

وہاں زراعت ہے یہاں اولاد (کی پیدائش)

وہاں چکی ہے یہاں دانت۔

وہاں مناظر پر چلمن پڑی ہے اور یہاں پلک آنکھوں پر پڑے ہیں۔

وہاں موت ہے یہاں نیند، وہاں حشر ہے اور یہاں نیند سے بیداری۔

وعلیٰ ہذا القیاس اس عالم کبیر اور عالم صغیر کے متعلقات بیرون از شمار ہیں۔ نہ ہمارا علم ان کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ ہمارے بیان میں ان کی وسعتوں کی تفصیل سما سکتی ہے

لہٰذا ہم علمِ الٰہی کے حوالہ کرتے ہیں، اس آیہ کریمہ پر اکتفا کرتے ہیں کہ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو کچھ اُس عالم میں ہے خواہ ہمارے علم و ادراک کے احاطہ میں آسکے یا نہ سما سکے، بعینہٖ اس کی مثال اس عالم میں موجود ہے۔ عام ازیں کہ وہ ہمیں معلوم ہو یا نہ معلوم۔ لہٰذا لازم ہے کہ ان مثالوں پر خوب غور کریں اور انہیں لاحاصل سمجھ کر چھوڑ نہ بیٹھیں کہ یہی سیر ناسوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا:۔ فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ اپنے مقدور بھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے یہ سیر ناگزیر ہے تاکہ عرفان کی کچھ چاشنی نصیب ہو۔ ورنہ آدمی جاہلوں سے بھی گیا گزرا مانا جاتا ہے۔

**نور ۱۳:** خدا تعالےٰ واحد حقیقی ہے۔ واحد عددی نہیں کہ اس میں ایک اور ملا کر دو بنا دیئے جائیں یا وہ چوتھائی آدھے اور تہائی وغیرہ کی

ذاتِ منقسم ہو سکے۔ وہ نہ تقسیم قبول کرتا ہے اور نہ اس سے کوئی چیز مرکب ہوتی ہے اور نہ وہ خود کسی چیز سے ترکیب پایا جاتا ہے۔

**نور ۳۲**:- واضح رہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک، صفاتِ باری تعالیٰ عینِ ذات ہیں۔ اس کی ذات سے جدا اور غیر نہیں اور عالم جبروت سے مراد بھی، یہی سیرِ صفات ہے۔ تو سیرِ صفات، سیرِ ذات سے کہ مقامِ لاہوت ہے، کس طرح جدا قرار پا سکتی ہے۔ (البتہ) بظاہر اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ صفاتِ باری، ذاتِ باری سے جدا ہیں عینِ ذات نہیں۔ تو اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ صفاتِ و ذات میں عینیت کی تقدیر پر بھی، تمائز و امتیاز اعتباری ضروری ہے اور یہ تمام اعتبارات متعدد ہیں۔ اور ذاتِ باری کے لیے ہر اعتبار سے جداگانہ شان اور علیحدہ نام ہے۔ سیر و معرفت اور تمائز اعتبارات میں آسانی کی خاطر، ہر سیر کو دوسری سیر سے الگ قرار دیا۔ ورنہ وہی ایک سیر لاہوتی کافی ہے کہ مقصود وہی ہے کما لا یخفیٰ۔

اور اسی تقریر سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ سیر جبروت کا سیر لاہوت سے جدا ہونا اس بات کا متقاضی نہیں کہ ذات و صفات میں غیریت کا قول کیا جائے۔ البتہ متکلمین کے نزدیک صفاتِ باری، نہ عینِ ذات ہیں نہ غیرِ ذات۔ جبکہ حکماء (غیریت) صفات کی نفی کر کے صفات کو عینِ ذات کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

**نور ۳۳**:- مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ۔ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ بَعْدَہٗ۔ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ۔ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ مَعَہٗ۔

(میں نے کوئی چیز نہ دیکھی مگر اس سے پہلے اللہ کو دیکھا۔ میں نے کوئی چیز نہ دیکھی مگر اللہ کو اس کے بعد دیکھا۔ میں نے کوئی چیز نہ دیکھی، مگر اس میں اللہ کو دیکھا۔ میں نے کوئی چیز نہ دیکھی مگر اللہ کو اس کے ساتھ دیکھا۔)

یہ چار مقولے ہیں جو اولیاء اللہ کی زبان پر اس وقت آجاتے ہیں جبکہ رب الارباب کا قرب اور مدارج عالیہ پر عروج انہیں حاصل ہوتا ہے۔ ہر ولی، اپنے مرتبہ کے مطابق

ان میں سے کسی ایک مقولہ کو اختیار کرتا اور گنگناتا رہتا ہے۔

پہلا مقولہ سیدنا حضرت صدیق اکبر کا ہے۔ دوسرا مقولہ سیدنا فاروق اعظم کا۔ تیسرا مقولہ سیدنا عثمان غنی اور چوتھا مقولہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اپنے اپنے مرتبہ قرب کے مطابق ان حضرات سے یہ مقولے سرزد ہوئے۔

پہلا مقولہ ناشی و ماخوذ ہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول مبارک سے کہ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک مصداق ہے مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَاَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ اور دوسرا مقولہ ماخوذ ہے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کے کہ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ اور آپ کا یہ قول مصداق ہے مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَاَیْتُ اللّٰہَ بعدہٗ کا۔ اول طریق جذب ہے اور ثانی طریق سلوک۔ اور فرق ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہود اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شہود میں یہ ہے کہ حضرت خاتم رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر پہلے حضرت حق پر ہے۔ پھر اپنے نفس مبارک پر۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اپنی ذات پر گئی۔ پھر ذات حق تعالےٰ پر۔

اور یہ دونوں ہی طریقے خوب و محبوب ہیں لیکن اول طریقہ اتم و اقرب ہے۔
تو مقولہ حضرت صدیق اکبر کا یہ طریق جذب ہے یعنی من جانب اللہ۔ کہ برہان لمّی ہے ہے اور مقولہ سیدنا فاروق اعظم کا یہ طریق روشِ سلوک ہے یعنی اپنے شعور و فہم کے مطابق اور یہ برہان انّی ہے اور جذب و سلوک سے یہاں یہی معنی مراد ہیں نہ کہ مشہور اصطلاحی معنی۔ اس لیے کہ اصطلاحی معنی میں سلوک جذب پر فوقیت حاصل ہے۔

پھر لفظ فی اور لفظ معہٗ دونوں خبر دیتے ہیں تعدد مشہود کی۔ اور شک نہیں کہ توحد یعنی شہود وحدت لمّی ہو یا انّی (تعدد مشہود سے) افضل و اکمل ہے۔

پھر لفظ مَعْ میں، دونوں شہود کی برابری کی بُو آتی ہے جبکہ فی میں ایسا نہیں۔
ان چاروں مقولوں کے اعتبار سے، ان چاروں کے مراتب میں فرق، اور ایک کو دوسرے

پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ فائدہ بھی میں نے اسی لیے تحریر کیا کہ ان حضرات میں فرقِ مراتب اور ایک کی دوسرے پر فضیلت کا سبب روشن ہو جائے (یعنی ان مقولات کی روشنی میں)

**نور ۳۴:-** انسان جب حدِّ بلوغ کو پہنچتا ہے تو تین روحیں، اُسے اپنے قبضہ میں لے لیتی ہیں۔ دو علوی از قسم ملائکہ اور ایک سفلی از قسم شیطانی۔ پہلی دونوں روحیں انسان کو کارِ خیر پر آمادہ کرتی ہیں۔ پہلی روح اس کے دل میں نیکی کی رغبت ڈالتی ہے اور دوسری روح، اُسے عمل درآمد پر قدرت دیتی ہے اور تیسری روح بُرائی کی محرک ہوتی ہے۔ یعنی اوّلاً اس کے دل میں بُرائی کی خواہش پیدا کرتی ہے اور پھر اس کے اسباب بھی اس پر واضح کر دیتی ہے۔

یہ تینوں روحیں، بجز انسان، دوسرے حیوانات کے لیے نہیں ہوتیں۔ اسی لیے حیوان مکلّف (اور احکامِ شرعیہ کا مخاطب و مامور) نہیں جبکہ انسان مکلف ہے اور چونکہ انسان کبھی ان دونوں کی متابعت کرتا ہے اور کبھی شیطان کی موافقت۔ لہٰذا ان تینوں روحوں میں باہمی چپقلش اور جنگ و جدل کا سماں سا رہتا ہے۔ اور ایک دوسرے سے یہ (بحالت مغلوبیت) نادم بھی ہوتے ہیں۔ اگر انسان ان فرشتوں کی موافقت کرتا ہے تو شیطان حسرت و ندامت میں گرفتار رہتا ہے۔ اور اگر انسان، شیطان کی متابعت میں قدم اُٹھاتا ہے تو اُن فرشتوں کو شرم دامنگیر ہوتی ہے اور یہ واردات کا سلسلہ مدت العمریوں ہی دراز رہتا ہے، آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہمزاد سفلی جو عوام الناس میں مشہور ہے، اسی شیطان کا نام ہو، اور جسے ہمزاد علوی و نوری کہتے ہیں اُس سے مراد یہی دونوں فرشتے ہوں۔ خدا ہی خوب جانتا ہے۔ انسان کو تو یہ چاہیے کہ انہیں دونوں فرشتوں کی ہمیشہ متابعت و تابعداری میں گزارے تاکہ آخرت میں نجات پا سکے۔

**نور ۳۵:-** ہر زمانہ میں ایک غوث ہوتا ہے کہ اس زمانے کے تمامی اولیاء کرام کا سرتاج و سردار ہوتا ہے اور اس کے زمانے کا کوئی

ولی اس کا مرتبہ نہیں پا سکتا۔ اسی کو قطب مدار بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ تمام عالم کے کاروبار کا اُسی پر دار و مدار ہوتا ہے۔ اور تمام نظم و نسق اُسی کے ہاتھوں نافذ ہوتا اور نفاذ پاتا ہے۔ اس غوث کا لقب عبداللہ ہوتا ہے۔ اور ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ وزیر دست راست اور وزیرِ دست چپ، عبدالرب اور عبدالملک نامی، عبدالرب وزیر دستِ راست کا نام ہے۔ اور عبدالملک وزیر دست راست۔

(اس سلطنت میں وزیر دست چپ، وزیر دستِ راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنت دُنیا۔ اس لیے کہ یہ سلطنتِ قلب ہے اور دل جانبِ چپ اسی لیے) جب عبداللہ کی رحلت ہوتی ہے تو عبدالملک اس کے قائم مقام کر دیا جاتا اور عبدالرب، عبدالملک کی جگہ لیتے ہیں اور عبدالرب کی جگہ کسی اور کو نامزد کر دیا جاتا ہے اسی طرح یہ سلسلہ قیامِ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

(صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ غوث کے انتقال کے بعد، غوث کی جگہ امامین سے غوث کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا۔ اور امامین کی جگہ اوتاد اربعہ سے۔ اور اوتاد کی جگہ، بُدلاء سے۔ بُدلاء کی جگہ پر ابدالِ سبعین سے۔ اور اُن کی جگہ تین سو۳ نقباء سے۔ پھر اولیاء سے اور اولیاء کی جگہ عامۂ مومنین سے کر دیا جاتا ہے کبھی بلا لحاظِ ترتیب، کافر کو مسلمان کر کے، بدل کر دیتے ہیں۔ ان کا مرتبہ ابدال سے زیادہ ہے)

زمانہ نبوت میں، الحیاتِ ظاہری، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکبر غوثِ اکبر و غوثِ ہر غوث ہیں، عبداللہ تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور کے وزیر دستِ چپ عبدالملک تھے اور سیدنا عمر فاروق اعظم وزیر دستِ راست اور عبدالرب تھے۔ جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو صدیق اکبر (امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر ممتاز ہوئے اور عبداللہ بنائے گئے اور سیدنا فاروق اعظم و عثمانِ غنی (کو وزارت عطا ہوئی اور یہ دونوں حضرات بالترتیب) عبدالملک اور عبدالرب کہلائے۔ اور جب صدیق اکبر کا دورہ مبارک ختم ہوا (تو امیرالمومنین

حضرت فاروقِ اعظم کو غوثیت مرحمت ہوئی اور حضرت عثمان غنی و علی المرتضیٰ وزیر ہوئے اور (فاروقِ اعظم عبداللہ، عثمان غنی عبدالملک اور مرتضیٰ علی عبدالرب نامزد فرمائے گئے اور جب فاروقِ اعظم کا عہدِ اقدس ختم ہوا تو امیر المومنین حضرت عثمان غنی (کو غوثیت عنایت ہوئی اور آپ) عبداللہ ہوئے اور مولیٰ علی مرتضیٰ و امام حسن (وزیر ہوئے (علی مرتضیٰ عبدالملک اور حسن مجتبیٰ عبدالرب۔

پھر جب حضرت عثمان غنی کا زمانہ مبارکہ اختتام کو پہنچا تو سیدنا علی مرتضیٰ (کو غوثیت مرحمت ہوئی) اور آپ عبداللہ ہوئے اور سیدنا امام حسن عبدالملک اور سیدنا امام حسین عبدالرب۔ اور جب مولیٰ علی کا دور مبارک انتہا پذیر ہوا تو خلعت عبداللّٰہی، سیدنا امام حسن کو ملا۔ پھر آپ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے اور امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مستقل غوث اور تنہا غوثیت کبریٰ کے درجے پر فائز اور) عبداللہ ہوئے (حضور کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے حضرت امام مہدی تک، سب نائب حضور غوثِ اعظم ہوں گے) تا آنکہ آخری زمانہ میں غوثیت کبریٰ کا یہ منصب امام مہدی کو مرحمت ہوگا۔ قدست اسرارہم، عبداللہ اپنے زمانہ خاص میں تمام عالم کو فیضان سے نوازتا ہے اور اس کے توسط کے بغیر کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا فتوحات میں ہے کہ :۔

اصطلاحِ خاص کے بموجب، جن حضرات کو اقطاب لقب دیا جاتا ہے وہ ہر زمانہ میں ایک ہی ہوتا ہے۔ اسی کو غوث کہتے ہیں اور یہی اپنے دور میں جماعت اولیاء کا سرتاج ہوتا ہے۔ پھر جن لوگوں کو قطبیت مرحمت ہوتی ہے۔ ان میں بعض کو دنیاوی ظاہری حکمرانی بھی عطا فرمادی جاتی ہے۔ جبکہ حکومتِ باطنی ان کا اصل منصب و مقام ہوتا ہے مثلاً سیدنا ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، حسن مجتبیٰ، معاویہ بن یزید، عمر بن عبدالعزیز اور متوکل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

اور انہیں اقطاب میں وہ حضرات بھی ہوتے ہیں جنہیں خلافت باطنی تو حاصل ہوتی

ہے لیکن بظاہر وہ حکمراں نہیں ہوتے۔ جیسے احمد بن ہارون الرشید، بایزید بسطامی۔ بلکہ اکثر اقطاب کو ظاہری فرماں روائی مرحمت نہیں ہوتی، جیسا کہ ائمہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر یہ اقطاب کسی زمانے میں دو سے تجاوز نہیں کرتے اور کوئی ان کا ثالث نہیں ہوتا۔ ان میں ایک عبدالرب ہیں دوسرے عبدالملک۔ اور قطب الاقطاب ہیں عبداللہ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ

اور یہاں عبداللہ سے مراد ہے ذات گرامی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔

تو اقطاب سارے ہی عبداللہ ہوتے ہیں۔ اور امام ہر زمانے میں عبدالملک اور عبدالرب یہی دونوں قطب وقت کی رحلت کے بعد (درجہ بدرجہ) اُس کے خلیفہ و جانشین ہوتے ہیں اور اس کی قطبیت کے دور میں دو وزیروں کے قائم مقام۔ ان میں سے ایک عالمِ ملکوت کے مشاہدہ میں منہمک رہتا ہے اور دوسرا عالمِ ملک کے ساتھ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

**نور ۳۶:** اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ ولایت، نبوت سے افضل ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کی ولایت، اس کی نبوت سے افضل ہے۔ اس لیے کہ ولایت سے مراد پستی سے بلندی تک ترقی۔ یعنی ذاتِ باری سبحانہٗ کی وِلاد محبت اور شوق کا غالب، اور تمام دوسری اشیاء کا اس کے مقابلہ میں فانی و معدوم رہنا اور اس میں گم ہوجانا اور نبوت سے مراد ہے ترقی سے تنزل۔ یعنی شعورِ ماسوی اللہ کا پھر واپس دے دینا اور اُسے عالمِ ناسوت میں لے آنا۔ تبلیغ رسالت کے لیے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تنزل ہے۔ لامحالہ نبی کی ترقی، اُس کے اس تنزل سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اس قول کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ معاذاللہ، اولیاء کی ولایت، انبیاء کی نبوت سے افضل ہے۔

**نور ۳۷:** اَلْقَبْضُ وَالْبَسْطُ کِلَاھُمَا حَالَانِ شَرِیْفَانِ۔ اس مقولہ کے معنی یہ ہیں کہ جب اولیائے الٰہی کو دولتِ وصالِ خداوندی حاصل ہوجاتی ہے۔ تو لامحالہ بشاشت اور فرحت نگاہوں کے روبرو رہتی ہے

اسی حالت کو صوفیاء کی اصطلاح میں بسط کہتے ہیں۔ اور کبھی وصال کی بجائے ہجر سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس حالت کو قبض کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں حالتیں مدام ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہمیشہ حالت بسط رہے تو اس کا عادی ہو جائے گا اور غلبۂ اشتیاق باقی نہ رہے گا۔ اس لیے قبض پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک حجاب حائل ہو جاتا ہے تاکہ اپنی آتشِ شوق کو اپنے دامن سے حرکت دیتے رہیں اور اس وقت ان حضرات کی حالت وحشیوں جیسی ہو جاتی ہے۔ اور ان سے مدہوشوں جیسی حرکتیں صادر ہوتی ہیں جیسا کہ مجازی عاشقوں کا زمانہ ہجر میں حال ہوتا ہے اور جب یہ قبض اٹھا لیتے ہیں اور بسط آشکارا فرما دیتے ہیں تو ان کے چہروں سے ایسی تازہ حلاوت اور بے اندازہ بشاشت ہویدا ہوتی ہے۔ جس کے بیان سے زبان معذور و بے حال ہے۔ اگرچہ دل اُن روشنیوں کے اقتباس کی کثرت سے معمور و مالا مال رہتا ہے۔

**نور ۳۸:-** صوفی فقیہہ کا محتاج ہے نہ کہ فقیہہ صُوفی کا دستِ نگر یہی قول ہے۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ اگر صُوفی کا مرتبہ فقیہہ سے زائد مانا جائے۔ ہاں بعض صوفیائے کرام فقیہہ اُس عالم کو کہتے ہیں جو عارف باللہ یعنی صوفی بھی ہو۔ اگر ایسا ہے تو بے شک ایسا فقیہہ، صوفی محض سے عالی مرتبہ کہلائے گا۔

**نور ۳۹:-** جسمانی آنکھوں سے، رویت باری تعالیٰ۔ دنیاوی زندگی میں محال ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا، کسی نبی و مرسل و ملکِ مقرب کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی۔ اگر کوئی شخص اپنے یا کسی دوسرے کے حق میں یہ عقیدہ رکھے وہ یقیناً گم کردہ راہ ہے۔ اولیاء اللہ کو بھی بچشم سر یہ مشاہدہ میسّر نہیں۔ اور وہ جو سلوک کی کتابوں اور ملفوظات میں جا بجا شہود اور مشاہدہ جمالِ الٰہی کا ذکر آتا ہے۔ اس سے بھی ان جسمانی آنکھوں سے دیکھنا ہرگز مراد نہیں۔ بلکہ یہاں مقصود ہے نورِ قلب اور اشراق باطن سے دیکھنا۔

بلکہ بعض اصحابِ سلوک کو اس روایت کا بھی انکار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چشم قلب

سے ،اولیاء اللہ کو جو دُنیا میں مشاہدۂ جمال ہوتا ہے ،اس کی حقیقت اِس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ذات باری تعالیٰ پر سالک کا یقین ،عوام سے زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ بعینہٖ مشاہدۂ جمال مراد نہیں۔ شرحِ تعرف میں ان مطالب کو احسن وجوہ سے بیان فرمایا گیا ہے اس کتاب کا مطالعہ کر لینا چاہیے۔

**نور ۴۰:** ایک روز میں نے اپنے مُرشد گرامی سے دریافت کیا کہ اولیاء کی صفت کیا ہے ؟ ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کی ذات و صفات مغلوب ہو کر نسیاً منسیاً اور نیست و نابود ہو جائیں کہ غیر سے کُلّیۃً وہ منقطع اور ان صفات سے منصف ہو جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ ولی ہو چکا ورنہ نہیں۔

**نور ۴۱:** بعض جاہل فقیر، خود کو خلاف شرع رکھتے ہیں مثلاً داڑھی منڈاتے یا حد شرع سے کم رکھتے یا شراب و بھنگ وغیرہ پیتے، ریشمی کپڑے پہنتے اور فحش ولا یعنی کلمے زبان سے نکالتے اور ایسی ہی دوسری حرکتیں کرتے ہیں۔ اور اگر ایسے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو فقراء کے فرقۂ ملامتیہ سے ہیں اس لیے ہم اپنے آپ کو اس طور و طریق پر رکھتے ہیں تو ایسوں کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ وہ بڑے گمراہ (اور شیطان کے دامِ تزویر کا شکار) ہیں۔

فرقۂ ملامتیہ کا اصل طریقہ یہ نہیں بلکہ فقرائے ملامتی وہ ہوتے ہیں کہ شریعت کے مستحبات میں سے کوئی مستحب بھی ترک نہیں کرتے۔ البتہ اُس اخلاص کو جو اُنہیں حق تعالیٰ سے ہے، بندوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھتے (اور عوام الناس کی نگاہوں میں بے قدرے سے رہتے ہیں) نہ یہ کہ شریعتِ مطہرہ کی مخالفت کو اپنا شعار اور ملامتی ہونے کے دعویٰ کو اپنی سرکشی کا ذریعہ بنالیں۔ ایسے ملامتیہ باطل کوش ہیں۔ حق کے لیے سرفروش نہیں۔ ان کے طور طریق اور چال چلن سے جہاں تک بن پڑے دُور و نفور رہنا چاہیے۔

یہاں مجھے ایک حکایت یاد آئی جسے لکھتا ہوں ۔اس سے مسئلہ پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ کہتے ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں دو زن و شو (میاں بیوی) تھے۔ شوہر کا طریقہ

ملامتی تھا۔ یعنی ظاہر میں وہ صوفیائے کرام کی روش کے مطابق مجاہدے اور ریاضتیں کرتا، نظر نہ آتا تھا۔ بلکہ مخلوق خدا سے پوشیدہ رہ کر ان میں مصروف رہتا اور اس کی بیوی (کہ خود بھی عبادت گزار تھی) ہمیشہ اُسے ملامت کرتی کہ میں کبھی تجھے حق کی طرف توجہ کرتا نہیں پاتی۔ وہ جواب دیتا میں کیا کروں۔ بس اتنا سمجھ لو کہ میں بدترین مخلوق خدا ہوں۔ اللہ تعالےٰ مجھے بخشے" اور پھر ایک جب اس کی بیوی، سوتے سے اٹھی تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کا شوہر، حق کی طرف متوجہ اور ذکر الٰہی میں مستغرق ہے۔ دل میں بڑی خوش ہوئی اور صبح اپنے شوہر سے بولی کہ خدا کا شکر ہے۔ آج رات مجھ پر حقیقت فاش ہو گئی تو اپنے اخلاص کو چھپاتا رہتا ہے۔ شوہر نے کہا تجھے کیسے معلوم ہوا۔ بولی پچھلی رات میں نے تجھے دیکھا کہ اپنے مولیٰ کی بندگی میں مصروف اور ہر چیز سے بے خبر تھا۔ شوہر نے تین بار اس بات کو دوہرایا اور پوچھا کہ کیا تو سچ کہہ رہی ہے کیا واقعی تو نے مجھے اس حالت میں دیکھا ہے۔ اس نے کہا خدائے عزوجل کی قسم۔ میں نے خود تجھے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ شوہر نے جب یہ سنا تو ایسی شرم اس پر طاری ہوئی کہ اپنی جان، جانِ آفریں کو سپرد کر دی (اور دُنیا سے سدھار گیا)

عزیز بیٹے! ملامتیہ ایسے ہی لوگوں کو کہنا زیب دیتا ہے نہ کہ خلاف شریعت بے دینوں کو۔ ایسوں کو ملامتی فقیر کہنا بڑی فاحش غلطی ہے۔

**نور ۴۲:-** جسمانی معراج، بحالتِ بیداری، یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ کسی ولی کو بھی میسّر نہیں۔ اگرچہ وہ مرتبہ قطبیت و ولایت اور غوثیت پر فائز ہو۔

**نور ۴۳:-** روحانی معراج، خواہ بحالتِ خواب ہو یا عالم واقعہ میں، اولیاءاللہ کے لیے ممکن بلکہ واقع ہے۔ اور عالم واقعہ اس استغراقی حالت کا نام ہے جو مراقبات کی کیفیات میں بیداری و خواب کے درمیان عارض ہوتی ہے

**نور ۴۴:-** **سوال:-** سماع سننے اور شعر کہنے کی اہلیت کے کیا معنی ہیں؟

**جواب:-** سماع کا اہل وہ شخص ہے کہ خود اپنے دل پر اور

دوسروں کے دلوں پر ایسا اثر انداز ہو کہ ماسوی اللہ کا خطرہ بھی نہ آنے دے۔

**نور ۴۵:-** **سوال** : ولایت میں وہ کونسا مقام ہے جس سے اعلیٰ کوئی مقام نہیں ؟

**جواب** : وہ مقام قربُ ہے کہ نبوت اور صدیقیت کے درمیان واقع ہے اور جو حصہ میں آیا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ چنانچہ شیخ اکبر نے فتوحات میں فرمایا کہ "یہ مقام جسے ہم نے صدیقیت اور نبوتِ تشریعی کے درمیان ثابت کیا، یہی مقامِ قربت ہے اور یہ افراد کے لیے ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ عنداللہ نبوت تشریعی کے مقام کے نیچے اور مقامِ صدیقیت سے عنداللہ بالا ہے اور اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس راز سے، جو صدیق اکبر کے سینہ میں ڈالا گیا۔ اور اس کی بدولت آپنے تمام دوسرے صدیقوں پر فضیلت پائی۔ اس لیے کہ ان کے قلب مبارک میں وہ بات آئی۔ جو نہ صدیقیت کی شرط ہے نہ اس کے لوازم سے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق کے مابین اور کوئی ایسا مرد نہیں۔ تو یہی صدیقیّت کے حامل ہیں اور یہی اس راز کے صاحب

**نور ۴۶:-** ولی پر اپنے احوال کا دوسروں سے پوشیدہ رکھنا لازم ہے جبکہ نبی پر اپنی نبوت کا اظہار فرض۔ ہاں بمجبوری ظہور میں آجائے تو اور بات ہے۔ اس کے ارادہ و اختیار کو اس میں دخل نہ ہونا چاہیے۔ یہاں اپنے مرشد برحق کی ایک حکایت لکھتا ہوں کہ اس سے مسئلہ کی بڑی اچھی وضاحت ہو جائے گی (اور وہ یہ ہے کہ حضور والا کے ایک مرید مظفر علی صاحب بریلوی نے بیان کیا کہ میں ایک رات استنجا کے لیے اُٹھا اور طہارت کے لیے پانی لینے اپنے حجرہ سے باہر صحن میں آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ درگاہِ معلیٰ میں بزرگان دین کا بڑا مجمع ہے جیسے کسی کے عرس شریف کی تقریب ہو، اور حضرت صاحب البرکات کے پائیں دالان میں ایک تخت بچھا ہوا ہے جواہرات سے جڑا ہوا۔ اور اس تخت کے اردگرد اکابر اولیاء اللہ تشریف فرما ہیں۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ایک منظر دیکھا کہ ہمارے پیر و مرشد

کو لباسِ فاخرہ شاہانہ زیبِ تن فرمائے اور سر مبارک پر تاج جمائے، دو بزرگ بغل میں ہاتھ دیے لا رہے ہیں۔ پھر آپ کو اس تخت پر بٹھایا اور پھر سارا مجمع تعظیماً کھڑا ہو گیا اور بزرگانِ دین نے بڑھ کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

میں نے یہ حالت دیکھی تو حیرت کا مارا، زینے کے نیچے کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے فوراً بعد تمام حضرات اندر تشریف لے گیے اور پھر غائب ہو گیے۔ اس واقعہ کے باعث میں ساری رات سو نہ سکا۔ اور علی الصباح مسجد میں حاضر ہو کر حضرت والا کی اقتدا میں نماز با جماعت ادا کی۔ پھر جو کچھ دیکھا تھا۔ اُسے حضرت کی خدمت میں عرض کے بعد اس مقام کی کیفیت سے متعلق استفسار کیا پہلے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہو گا اور حالات خواب کا کیا اعتبار۔ لیکن جب میں نے اصرار کیا تو ناگوار کیفیت میں فرمایا کہ "خاموش رہنا۔ یہ ماجرا کسی اور سے بیان نہ کرنا" میں اُس وقت سے برابر خاموش ہوں۔

اللہ اللہ! اپنے حال و مقام کا اخفا اور اس درجہ اخفاء کہ کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی اس کا ذکر درمیان میں نہ آیا۔ جبکہ دراصل یہ مقام 'قطبیت' اور ولایت مارہرہ کی حضور والا کی خدمت میں سپردگی کا مقام تھا۔ اور اسی روز سے حضور والا، وفات شریف تک مارہرہ مطہرہ سے باہر تشریف نہ لے گئے اور صدہا کرامتیں خود بخود ظاہر ہوتی رہیں۔ جن کا ذکر باعثِ تطویل ہے۔ حضور کے وصال شریف کے بعد، میں نے اس واقعہ کی تصدیق منظفر علی صاحب کی زبانی کر لی۔

**نورِ ۷۴:** عبادت میں حضوری قلب کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ یہ سمجھ کر عبادت کرے کہ گویا خداوند تعالیٰ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے اور اُسے دیکھ کر یہ عبادت کر رہا ہے۔ یہ مقام بڑا بلند مقام ہے اور اکابر واصلان حق کا حصّہ۔ دوسرے یہ کہ بندہ یہ سمجھ کر بندگی بجا لائے کہ خداوند تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کی عبادت میں مصروف ہوں۔ یہ مرتبہ عبودیت بھی اگرچہ ذوق و شوق نور و حضور اور اخلاص و حیا بخشتا ہے تاہم اس پہلے سے ادنیٰ ہے اور یہ مرتبہ ہے متوسطین کا اور وہ عبادت جس میں ان دو تصوروں میں سے کوئی تصور نہ ہو۔

غافلین کا مرتبہ ہے یعنی عوام الناس کا زبان پر ذکرِ خدا اور دل میں ما و شما. مولائے کریم ہمیں عافیت بخشے. آمین۔

**نورُ ۴۸:** ایک عجیب تربات یہ ہے کہ اندرون قلب سے ملکوتِ آسمان کی طرف ایک روزن کشادہ ہے. جیسا کہ بیرونِ قلب، عالم محسوسات کی طرف پانچ دروازے کشادہ ہیں. یعنی قلب بنی آدم میں یہ استعداد رکھی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ وہ عالم ملک وملکوت وجبروت ولاہوت کا ادراک کرسکتا ہے. اور یہ گمان نہ کرنا کہ عالمِ ملکوت کی جانب، دل کا یہ روزن، خواب یا نیند کے علاوہ کشادہ نہیں ہوتا. بلکہ بیداری میں بھی، ریاضت و مجاہدہ میں کثرت کی بدولت، یہ روزن کشادہ ہوجاتا ہے. یہ فائدے تعلیم کی خاطر زبانِ قلم پر آئے ہیں، انہیں سمجھ لینا چاہیے تاکہ آدمی آدمی ہے.

**نورُ ۴۹:** نفس کی تین قسمیں ہیں مطمئنہ[1]، لوّامہ[2]، امارہ[3]. نفس مطمئنہ انبیائے کرام اور اکابر اولیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس ہیں کہ ان کے ارادے، مشیتِ الٰہی میں فانی ہوچکے اور کسی بھی قسم کے خلافِ حق کو یہاں کوئی راہ میسر نہیں۔

نفسِ لوّامہ، عیبوں پر ملامت کرتا اور برائی کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے اور اگر کسی ایسی بات کا صدور ہوجاتا ہے تو جلد ہی ندامت و توبہ پر آدمی کو آمادہ کردیتا ہے. یہ نفس ہے نیکوکار اور فرمانبردار بندوں کا. اور نفس امارہ وہ ہے کہ ہمیشہ بدی کی طرف مائل رہتا اور اُس پر اصرار اختیار کرتا ہے. یہ عوام الناس کا نفس ہے (جو دین و آخرت سے غافل، اور دنیا و مافیہا پر فریفتہ و مائل رہتے ہیں)

**نورُ ۵۰:** تلوین اور تکوین دو جداگانہ مقامات ہیں. اگر سالک نے ہنوز راہ سلوک طے نہیں کی ہے اور وہ اسی جد و جہد میں مصروف ہے تو اُسے صاحب تلوین کہتے ہیں، اور اس کے برعکس کو تمکین کہتے ہیں اور اسی کو واقف اور راجع کہا جاتا ہے۔

**نورُ ۵۱:** قلب[1] و نفس[2] و روح[3] یہ تینوں الفاظ، باعتبار معنی مترادف یعنی

ہم معنی ہیں جس سے مراد ہے ذات انسانی۔

**نور ۵۲**:- صوتِ سرمدی کیا ہے؟ یہ عالم قدس کی ایک آواز ہے کہ شغل حرائی میں، کانوں کے سوراخ کے حبس کے وقت بانگِ درا کی سنائی دیتی ہے۔

**نور ۵۳**:- جاننا چاہیے کہ واصلانِ حق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک کاملانِ مکمل کہ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہ کر بغایت الٰہی خود درجہ کمال تک پہنچ جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پہنچاتے ہیں۔ یہ حضرات باقی دوسروں پر فائق ہوتے ہیں، اور دوسرے کاملان محض کہ خود درجہ کمال پر فائز اور ثابت قدم ہیں۔ اور وہیں مستقر رہ کر اپنے کمالات کو بامِ ترقی پر پہنچاتے ہیں۔ انہیں مخلوق کی جانب تنزل نہیں دیا جاتا اور نہ دوسرے ان سے کماحقہٗ فیضیاب ہوتے ہیں۔ یہ حضرات پہلے والے حضرات سے ہمسری نہیں رکھتے۔ لیکن یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر مکمل، ہر کامل سے علی الاطلاق افضل نہیں۔ بلکہ افضلیت اُس وقت پاتا ہے کہ یہ دونوں وصفِ کاملیت میں برابر ہوں پھر اس کے بعد کسی ایک کو مکملیت کا مرتبہ سونپ دیا جائے۔ اس صورت میں اس مکمل کو اُس کامل پر فضیلت حاصل ہو سکتی ہے اور یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں کہ ہر مکمل، ہر کامل سے افضل ہو۔

**نور ۵۴**:- پوشیدہ نہ رہے یہ بات کہ خواب، نام ہے اس حالت کا جو کسی جاندار پر طاری ہوتی ہے اور اس کا سبب ہے رطوبتوں اور تہہ بہ تہہ صعود کرنے والی (دھواں دار) حرارتوں سے اعصابِ دماغیہ کا استرخاء یعنی ڈھیلا پڑ جانا۔ بایں طور کہ حواسِ ظاہرہ احساس سے معطل ہو جائیں۔ اس صورت میں نیند اور احساس میں تقابل بالعرض ہے۔ جیسا کہ مانع کی موجودگی میں کسی معلول کا پایا جانا یا عدمِ شرط کی صورت میں مشروط کا موجود ہونا اور بعض کے نزدیک نیند نام ہے حواس کا اپنے عمل سے کسی کے لیے معطل ہو جانا اور یہ طاری ہوتی ہے اس وقت جبکہ غذائی بخارات، معدہ کی جانب سے، دماغ کی طرف صعود کریں اور اس صورت میں

بند اور احساس کے مابین تقابل عدم و ملکہ ہوگا۔ اور بہر صورت نیند اور احساس ظاہری، مجتمع ہوتے۔

لیکن اصحابِ سلوک کے نزدیک نیند نام ہے اس غفلت کا، جو امر مزاجی کے سبب دماغ میں عارض ہوتی ہے اور امر مزاجی کی تشریح یہ ہے کہ انسان کے کاسۂ سر میں دو کنارے ہیں۔ ایک سامنے دوسرا عقب میں۔ سامنے والا حصہ مخزن ہے نور و عقل کا اور ان دونوں حصوں کے درمیان ایک روزن ہے جو دونوں میں حد فاصل ہے اور جب انسان کو نیند آنا شروع ہوتی ہے، تو ایک غبار ابر رقیق کی مانند پیدا ہوتا ہے کہ عقل کے حجاب کا باعث ہے اور یہی غبار اُن روزن میں پہنچتا ہے تو اس وقت نیند غلبہ پالیتی ہے۔ اس کے بعد وہ غبار کان اور زبان میں دورہ کرتا ہوا، دل صنوبری پر پہنچتا ہے۔ اس وقت غنودگی طاری ہوتی ہے۔ یعنی نیند آجاتی ہے اور وہ سو جاتا ہے۔ امر مزاجی سے انہیں معنی کا ارادہ کیا جاتا ہے جو ہم نے لکھے۔

البتہ یہاں ایک کیفیت اور بھی ہے جو نیند کے مانند ہے اور جس کا نام اصطلاحِ صوفیہ میں غیبت ہے (یعنی آپے میں نہ رہنا) اور ہوتا بھی یہی ہے کہ حواس اپنے افعال سے معطل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کا سبب وہ فراوانیٔ لذت ہے۔ جو عالم بالا سے دل میں وارد ہوتی ہے۔ اور دل کو، عالمِ ظاہر سے، عالمِ غیب کی طرف کھینچتی ہے اور اس حالت میں جو چیز شہود میں آتی ہے اُسے مشاہدہ اور مکاشفہ کہتے ہیں نہ کہ خواب۔

جیسا کہ صحو صوفیا کے نزدیک نام ہے حواس کے عدم تعطل کا۔ اور اس عدمِ تعطّل کا سبب، عالمِ بالا کے آثار کا ورود ہے اور یہ حالت بیداری کے مشابہ ہے اور بیداری نام ہے حواس کے معطل نہ ہونے کا۔ جبکہ سبب مذکور کا عالم بالا سے ورود نہ ہو۔ اور بحالتِ صحو جو کچھ مشاہدہ ہوتا ہے۔ اسے معائنہ کہتے ہیں۔ اور جو کچھ بیداری میں محسوس ہوتا ہے اُسے عیاں اور رویت عرضی بھی کہتے ہیں۔

## نورُ ۵۵

جب سالک سیر الی اللہ سے فراغت پاکر، سیر فی اللہ میں قدم بڑھاتا اور درجاتِ عالیہ پر ترقی کرتا جاتا ہے۔ تو بعض سالک اس مقام کی تجلیوں کے ورود سے ایسے خاموش، ایسے بے حرکت اور ایسے ضبط والے اور ایسے عالی ظرف ہوتے ہیں کہ کوہ کوہ، دریا دریا کے رموز و اسرار بھی ضبط کر جاتے ہیں اور انہیں فاش نہیں ہونے دیتے۔ جبکہ بعض حضرات وہ ہیں جن پر ان اسرار کا ضبط، مشکل ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ مرتبۂ وحدت کی آوازوں پر اپنی زبان کھول بیٹھتے ہیں اور ان کے حلقوم سے سبحانی ما اعظم شانی، لَیْسَ فِی جُبَّتِی سوی اللہ اور انا الحق جیسے دعوے سننے میں آتے ہیں۔ (لیکن شریعت مطہرہ اس حالت پر ان پر مواخذہ نہیں فرماتی اور) یہ محبوبانِ حق اس قسم کے اقوال کے صدور پر کسی وبال و عذاب میں گرفتار نہیں کیے جاتے۔ اس لیے کہ نہ اُن میں یارائے ضبط ہوتا ہے اور نہ اخفائے راز پر قدرت۔ (اس لیے قلم شریعت اُن سے اُٹھ جاتا ہے) اور وہ شرعاً معذور و مجبور قرار پاتے ہیں۔

اولیائے کرام و علمائے عظام نے، تقریبِ افہام اور تسکین عوام کے لیے اس باب میں چند مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے کوئی تشبیہہ، کوئی تمثیل حق حقیقت سے پردہ نہیں اٹھاتی۔ (مگر ذہن انسانی کی رہنمائی کرتی ہے)

وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی جن کسی انسان کے بدن میں حلول کر جائے اور بات چیت کرے تو وہ گفتگو بظاہر، انسان کی زبان سے ہوتی ہے۔ لیکن حقیقتہً کلام ہوتا ہے بلکہ اس کے ہاتھوں سے کام کرتا، اس کے پیروں سے چلتا اور اس کے منہ سے کھاتا پیتا ہے۔

میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک کم عمر چھوٹی لڑکی پر کسی آسیب کا خلل ہو گیا، تو وہ نو سیر پکا پکایا تیار کھانا کھا جایا کرتی تھی۔ میں نے اُس کا علاج کیا بفضلہٖ تعالیٰ اس نے شفا پائی تو کیا خیال ہے تمہارا کیا وہ چند سال کی بچی، کہ ایک وقت آدھ پاؤ غذا سے زیادہ نہیں کھا سکتی تو سیر کھانا کھا جائے

اور وہ اُسے ہضم بھی ہو جائے. ظاہر ہے کہ یہ خوراک وہ جن کھاتا تھا مگر اس بچی کے منھ سے کھاتا تھا اور دیکھنے والے یہی سمجھتے تھے کہ وہ بچی کھا رہی ہے۔

اللہ اللہ! کسی آسیب کی قدرت کو، حضرت حق عز و جل کی قدرت سے کون سی نسبت ہو سکتی ہے (ظاہر ہے کہ کوئی نہیں. مگر کہنا یہ ہے کہ) اگر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کو اپنے کلام کا مظہر بنا دے اور اس کی زبان پر اپنا کلام جاری فرما دے تو اس کی قدرت سے کیا بعید ہے تو وہ آواز جو تمہارے کانوں میں آ رہی ہے کہ اناالحق یا سبحانی تو کہنے والا اس کا وہی ہمتا دیکتا ہے اور یہ کہنا صرف اُسی کے لیے زیبا ہے. اگرچہ تم نے یہ آواز بی بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور حسین منصور کے منھ سے سُنیں ۔ اس مثال سے روشن تر اور زیادہ واضح بلکہ گویا بعینہٖ صورت واقعہ ہے، وہ آواز ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک درخت سے سُنی کہ یا موسیٰ انی انا اللہ رَبُّ العٰلمین۔

تو کیا یہ آواز کہ اے موسیٰ میں اللہ ہوں، تمام جہان و جہانیوں کا پروردگار" اس درخت کی آواز تھی- حاش للہ! یہ قول رب العالمین ہی نے فرمایا اگرچہ سننے میں ایک درخت سے آیا- اسی طرح اگر حضرت حق عز و جل، حلقوم انسانی سے جو بہر صورت، درخت سے برتر و اشرف ہے، سخن فرمائے اور لوگ اس آواز کو حلقومِ بشر سے سنیں تو کیا جائے تعجب ہے۔

گفتہ او، گفتہ اللہ بُوَد

گرچہ از حلقومِ عبداللہ بُوَد

اگرچہ بظاہر اس کلام کا متکلم، انسان ہے. لیکن درحقیقت یہ کلام اُسی متکلم کا ہے کہ انسان ابمقابلہ شجر) اس صفت کلیمی (وگویائی) سے زیادہ اولوہیت رکھتا ہے. ہاں اللہ تعالیٰ کا کلام حقیقی و نفسی، کسی کے سُننے میں نہیں آسکتا- اور یہاں اس ظاہری متکلم حقیقی کی تکلیم یعنی قوت گویائی عطا و مرحمت ہے. یہ کلام اپنی زبان

سے ادا کیا۔ نہ یہ کہ معاذ اللہ اپنے فریب نفس میں گرفتار ہو کر خود بخود یہ دعویٰ کر بیٹھا۔ جیسا کہ فرعون بے عون و سامان نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ، کہ اُس ملعون نے اپنے ارادہ و اختیار سے کیا۔ اور ان نے خودی سے گزر کر یہ بات کہی بلکہ متکلم حقیقی نے انہیں گویائی بخشی اور انہیں گویا کیا۔ کما لایخفیٰ

ولہذا یہ مقبول بارگاہ ٹھہرے اور وہ مردود درگاہِ باری قرار دیا گیا۔

اور یہی فرق ہے کہ فرعون اور حسین منصور کے مقولہ میں کہ حسین منصور نے جو کچھ کہا، وہ اپنی خودی اور اختیار سے گزر کر کہا اور فرعون نے جو دعویٰ کیا وہ خودی واستکبار میں ڈوب کر کیا۔ اس بات کو محفوظ کر لیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اولیاء اللہ پر احوال کا غلبہ ہوتا ہے اور ان میں ضبط کا یارا، باقی نہیں رہتا تو اس حال کے تقاضے کے ماتحت، یہ راز ان سے فاش ہو جاتا ہے۔ اسی حال کا نام اصطلاح صوفیاء میں سُکر ہے۔

اصل میں سُکر و صحو دو جداگانہ مقام ہیں۔ اگر تجلیات ربانی کے ورود کے وقت سالک کا شعور برقرار رہے تو اس کا نام صحو ہے ورنہ سُکر۔ حالت سُکر میں جو افعال سرزد ہوں وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اور اہل سُکر سے کوئی بازپرس نہیں۔ جیسا کہ آپے سے گزر جانے والے مجنونوں کا معاملہ ہے اور نہ اس حالت کے دوران صادر ہونے والے اقوال وثوق کے قابل اور نہ سند بنائے جانے کے لائق۔ بلکہ اہلِ صحو پر اس کا تدارک ضروری ہے اور وہ اس کا تدارک فرماتے ہیں)

چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حسین منصور کے زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی دستگیری فرماتا۔ اگر میں اُس دور میں ہوتا تو ان کا ہاتھ پکڑ لیتا۔" یعنی اسی قاعدہ کے تقاضے کے ماتحت کہ اس کا تدارک اہلِ صحو پر ضروری ہے۔ میں اُن کی ایسی بے خودی میں نگہداشت فرماتا اور اپنی باطنی قوت سے انہیں قوت ضبط عطا کرتا۔" اور یہ حالت سُکر بکثرت

اولیاء اللہ پر طاری رہی اور جو کلمات اُن سے ایسی حالت میں صادر ہوئے انہیں شطحیات (اور اس حالت کو) شطح کہتے ہیں (یعنی واصلانِ حق کا حالت بے اختیاری میں کوئی کلمہ زبان پر لانا) اور یہ وہ اقوال ہیں جن کا اعتبار نہیں۔

دارا شکوہ نے اس باب میں ایک بسوط رسالہ لکھا اور یہ اپنے دور تک ہر طبقے کے اولیاء اللہ کے شطحیات اس میں جمع کیے۔ جسے اور زیادہ توضیح کی ضرورت ہو اُس کتاب کو دیکھے۔ کہنا یہ ہے کہ اس وقت کے کلمات، کلامِ الٰہی کا ظلِ پرتو ہوتے ہیں۔ پھر بعض حضرات اولیاء کرام، اسی حالت میں عمر بھر مستغرق رہتے ہیں۔ جیسا کہ حسین منصور قدس سرہ، جبکہ بعض اولیاء کرام سے عمر کے کسی حصہ میں ان کا صدور نہیں ہوتا۔ اور یہ نظم وضبط کے حامل اولیائے عارفین اور وارثانِ خاص حضور سید المرسلین ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین۔

جیسا کہ خلفائے راشدین۔ وحضرات حسنین اور جمہور صحابہ کرام، اور حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور بعض حضرات کی حالت میں تلون اور رنگ برنگی کیفیت ہوتی ہے۔ کبھی ضبط نہیں ہوتا تو دیوانہ وار اپنا سر دھنتے ہیں اور جب افاقہ ہوتا ہے تو فوراً توبہ ورجوع الی اللہ میں جلدی کرتے ہیں۔ اور یہ ایک بڑی دلیل ہے اس دعویٰ پر کہ وہ حالتِ صحو میں، اُن افعال پر راضی نہیں جو حالتِ سُکر میں اُن سے سرزد ہوئے اور اسی لیے وہ ایسے کلمات کے ظاہر معنی کی نسبت اپنی جانب پسند نہیں کرتے ورنہ توبہ وانابت کے کیا معنی۔ مگر کریں کیا کہ وہ کلمات، نہ اُن کے ارادہ و اختیار میں اور نہ بحالت سلامتی، ہوش وحواس ان سے صادر ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ بعض اوقات حضرت والا کے منہ سے جو ایسے کلمات سُننے میں آتے ہیں۔ آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی؟ ارشاد نے فرمایا کہ "وہ باتیں نہ بایزید نے کہی ہیں اور نہ ہرگز ایسی باتیں وہ کہہ سکتا ہے"۔ عرض کیا گیا کہ یہ کلمات تو ضرور آپ ہی

نے ارشاد فرمائے ہیں۔ فرمایا۔ اب اس کے بعد اگر میرے منہ سے یہ کلمات تم سنو تو میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ مجھے خنجر سے ختم کر دینا۔

چنانچہ لوگوں نے خنجر دن پر صیقل کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور وہ وقت بھی آگیا کہ حضرت پر وہ کیفیت طاری ہوئی اور آپ نے سبحانی ما اعظم شانی کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ پر خنجر کا وار کیا۔ لیکن ہوا یہ کہ جس نے آپ پر وار کیا۔ اُس خنجر نے خود اُسی کے اس حصّۂ جسم کو زخمی کر دیا جب کہ آپ کے جسم مبارک کو کوئی گزند نہ پہنچی۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے کہا تھا کہ وہ کلمات بایزید نہیں کہتا۔ جسے یہ بات کہنا سزاوار ہے۔ اگر بحالت صحو اور بقائے ہوش و حواس کے عالم میں یہ کلمات زبان سے ادا کرے وہ زندیق و مرتد اور واجب القتل ہے۔ اسی بنیاد پر لوگ توحید وجودی کے قائل ہوئے۔ ع

گر فرقِ مراتب نہ کُنی زندیقی

یعنی اگر تم مقامات تنزل پر نگاہ نہ رکھو (اور توحید وجودی کا قول کرو تو یہ یقیناً الحاد و زندقہ ہے) مثلاً اگر تم زید کو اس کی موجودہ شکل و صورت اور عادات و خصائل میں بعینہٖ خدا سمجھنے لگو تو یہ توحید وجودی نہیں کہ یہ تو ممکن کو واجب الوجود ٹھہرانا ہے (اور یہی زندیقیت ہے) حاش للہ! زید (اس رنگ و روپ اور شکل و صورت میں) ہرگز خدا نہیں۔ ہاں ان تعینات اور تشخصات سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو حقیقتہً وجود اُسی واحد حقیقی واجبی کا ہے (باقی سب ظلال و پرتو) اور اس مقام پر نہ زید زید ہے نہ عمرو عمرو۔ نہ خالد خالد اور نہ بکر بکر۔ وجود تو اُسی ذاتِ واحد کا ہے اور موجود کا مستقل مصداق بجز خداوندی کے کوئی اور نہیں۔

اور اسی بنیاد پر کہتے ہیں کہ حقائق الاشیاء ثابتہ باوجودیکہ اُس کے علاوہ کوئی اور حقیقتہً موجود نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ سخن قال سے متعلق نہیں (کہ الفاظ کے ذریعہ سمجھا دیا جائے) بلکہ حال ہے۔ اور تاوقتیکہ اس حال کا ورود

نہ ہو کہنا سننا سب ہیچ ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ جب تک آدمی اس مقام پر نہ پہنچ جائے۔ اس باب میں زبان نہ کھولے کہ عام عقول سے وراء الوراء اور ان کی رسائی سے دور ہے۔ اس لیے یہ کہنا چاہیے کہ مسئلہ حق ہے لیکن اس کی کُنہِ حقیقت کا علم اولیاء اللہ کو ہے۔ ہم جیسوں کو ظاہری شریعت مطہرہ کا اتباع ہی راہ مستقیم ہے۔ ہاں فضل الٰہی شامل حال ہو اور شریعت مطہرہ کے باطن تک رسائی نصیب ہو جائے تب بھی شریعت ظاہرہ کو، ہم اس مقام پر اس طور دیکھیں کہ دوسرے لوگ ابھی معذور ہیں (اور حقیقت حال سے بے خبر)

میں نے یہ فائدہ بھی بتانے کو لکھا ورنہ اس کی حاجت نہ تھی۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں ایسی توحید وجودی کے قائل بہت نظر آتے ہیں لیکن ہمیں حکم ہے کہ ہم نہ اس سے خلط ملط رہیں اور نہ ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کریں اور وجہ اس کی ظاہر ہے مخفی نہیں۔

## نور ۵۶

صوفیائے کرام نے جیسا کہ مشہور ہے تمام عالم کو پانچ قسموں پر تقسیم فرمایا ہے۔ اول غیب مطلق کہ اعیان ثابتہ سے عبارت ہے

۲ دوم، غیب مضاف، قریب بہ مطلق کہ عقول و نفوسِ مجردہ ہیں اور یہ عالم ارواح ہے۔

۳ سوم، غیب مضاف، قریب بہ عالمِ حس۔ اور اس کا نام عالمِ مثال ہے۔

۴ چہارم، حسِ مطلق کہ عالم اجسام ہے۔

۵ پنجم، وہ عالم کہ ان تمام عالموں کا جامع ہے۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عالم تحتانی، اپنے عالمِ فوقانی کا بالترتیب مظہر ہے۔ چنانچہ عالمِ حس، عالمِ مثال کا مظہر ہے۔ عالمِ مثال، عالمِ ارواح کا، اور عالمِ ارواح مظہر ہے اعیانِ ثابتہ کا، اور اعیانِ ثابتہ، حضرت الواحدیۃ اور حضرت الاحدیۃ کا مظہر ہے۔ اس لیے یہ سارے عالم ایک دوسرے کے محاذات میں اور مقابل ہیں اور ایک دوسرے سے مطابقت و مناسبت رکھتے ہیں۔ صوفیائے کرام

یہ بھی فرماتے ہیں کہ عالم مثال، برزخ ہے عالم ارواح اور عالم اجسام کے مابین اور اس عالم کی تمام صورتوں پر مشتمل ہے اور چونکہ یہ محسوس و مقداری ہے لہذا عالم اجسام سے مشابہت رکھتا ہے اور اپنی نورانیت و لطافت کی جہت سے، عالم ارواح سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور موسوم ہے ارض حقیقی و خیال منفصل سے، کہ اس میں اُس کے نقوش ہیں۔ چنانچہ شرح فصوص الحکم میں ہے کہ حکماء کی اصطلاح عالم مثال، نفوس کی منقوش صورتوں کو کہتے ہیں گویا کہ درحقیقت اس عالم کا خیال و نقش ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

لہذا صوفیائے کرام اس عالم کے اثبات اور اُس کے اوصاف و احکام میں اشراقیہ سے متفق ہیں۔ البتہ اس بات میں اختلاف کرتے ہیں کہ بدن سے جدائی کے بعد، روح کا "مستقر" کون سا ہے؟ اشراقیہ وغیرہم نے اسی عالم کو روح کا مستقر فرمایا ہے۔ جبکہ صوفیہ، اس کے غیر کو مستقر روح کہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحات کے تین سو اکیسویں [۳۲۱] باب میں اسے بیان فرمایا ہے اور بقدر ضرورت ہم اس کا کچھ ذکر، عالم برزخ کے ذکر میں کر چکے ہیں۔ اسے دیکھ لیں۔

**نور ۵۷:-** فقیر کے مخلصوں میں سے ایک ذی علم اور صوفی منش نے، رحمت حق اور اس بیان میں کہ ذاتِ احدیّت تمام عالم کو محیط ہے ایک تقریر فرمائی ہے۔ میں اس خیال سے، کہ شاید بعض ناظرین کے حال و مقام سے مطابق ہو نیز اُن کی ایک یادگار قائم رہے اُسے پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں بخشے، وہ فرماتے ہیں کہ :-

"اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں تمہاری دستگیری فرمائے۔ یاد رکھو کہ تمام مفہومات میں سے کوئی مفہوم ایسا نہیں جو تمام مفہومات کو محیط ہو بجز مفہوم موجود کے کہ یہ تمام مفہومات پر فائق و حاوی ہے، تمام اشیاء موجود ہیں۔ لیکن اس لفظ موجود کا مصداق عند التحقیق، ذات باری تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں۔ جیسا کہ بیان ہوگا۔

تو اس کی ذات ہی تمام اشیاء کو محیط ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موجود جنس عالی ہے جس کے تحت دوسری اجناس ہیں مثلاً "جوہر و عرض۔ اور یہ دونوں تمام عالم کو محیط ہیں اور "موجود" ان دونوں کو محیط ہے اس طرح کہ جب ہم موجود کو، فی الموضوع و لافی الموضوع، کی قید سے مقید کرتے ہیں تو اس سے عرض و جوہر پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ عرض اس موجود کو کہتے ہیں کہ "فی الموضوع" ہو۔ اور جوہر اس موجود کو کہتے ہیں جو "فی الموضوع" نہ ہو اسی طرح جب ہم کسی جوہر کو تعینات سے متعین کر دیں تو اس سے جواہر کی اجناس و انواع ظہور پاتی ہیں۔ اور جب عرض کو ان قیود سے مقید کریں تو اعراض کی انواع مختلفہ میدانِ ظہور میں آتی ہیں۔

پھر حکماء کہتے ہیں کہ جوہر، دو حال سے خالی نہیں۔ کسی مادہ سے مقرون ہے مجرّد پھر مجرّد، مادہ سے متعلق ہے یا غیر متعلق۔ اگر مادہ سے غیر متعلق ہے تو اسے عقل و ملک کہتے ہیں اور مادہ سے متعلق ہے، تو اسے روح النفس کہا جاتا ہے۔

اور وہ جوہر جو کسی مادہ سے مقارن و مقرون ہے اور ابعاد ثلثہ (طول عرض عُمق) کا قابل ہے تو اسے جسم کہتے ہیں۔ اب جسم اگر قوت مُؤثر رکھتا اور نامی ہے تو اُسے نبات کہتے ہیں اور یہ جسم نامی حساس و متحرک بالارادہ ہو تو اسے حیوان کہتے ہیں اور ان اوصاف کے ساتھ اگر وہ ناطق ہو تو اسے انسان کہا جاتا ہے۔ یونہی حیوانات میں اگر کوئی حیوان ناہق یا صاہل ہے تو اسے گدھا اور گھوڑا کہتے ہیں و علیٰ ہذا القیاس۔

تو حیوان، تمام حیوانات کو اپنے احاطہ میں لیے ہوتے ہے۔ خواہ وہ انسان ہو یا گھوڑا وغیرہ۔ اور جسم نامی تمام نباتات و حیوانات کی انواع کو محیط ہے اور جسم مطلق، تمام جمادات نباتات اور حیوانات کو محیط ہے اور جوہر محیط ہے تمام عقول و نفوس اور اجسام کو۔ اور جس طرح جوہر محیط ہے عالم کے تمام جواہر کو۔ اسی طرح عرض محیط ہے عالم کے تمام اعراض یعنی رنگ و شکل و ہیئت و کیفیت اور اوضاع وغیرہا کو اور جس طرح موجود مطلق، تمام موجودات کو، خواہ جواہر ہوں یا اعراض، محیط ہے اور موجود حقیقۃً" ذات ہے حق سبحٰنہٗ و تعالیٰ کی۔ تو بس وہی ہر شئے کو محیط ہے اور وہی ہر شئے

کا علم رکھتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ مصداق، موجودات کا حقیقتہً صرف واجب تعالیٰ ہے (باقی مجازاً موجود ہیں) تو اس کی تقریر یوں ہے کہ موجود، باحتمالات عقلیہ تین معنی کا متحمل ہے۔

اول وہ موجود کہ اس کا وجود، عین ذات ہو۔

دوم وہ موجود کہ اس کا وجود، غیر ذات اور زائد بر ذات ہو۔ لیکن بمقتضائے ذات لازم ذات ہو، ذات سے منفک و منفصل نہ ہو۔

سوم وہ موجود کہ اس کا وجود غیر ذات ہے اور مقتضائے ذات بھی نہیں بلکہ کسی غیر سے فیضان وجود پاتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ موجود بمعنیٰ سوم ناقص تر اور موجودات ثلثہ سے ادنیٰ تر ہے۔ جبکہ دوم متوسط ہے اور اول سب سے اعلیٰ و اولیٰ و اشرف اور سزاوار ہے اس کا کہ اس کی نسبت "ذات واجب الوجود" کہا جائے۔ لہذا ثابت ہوا کہ واجب الوجود کو اسی معنیٰ کے اعتبار سے موجود کہتے ہیں یعنی وہ موجود کہ اس کا وجود عین ذات ہے باقی تمام موجودات، اسی کے فیض سے موجود، بلکہ وجود صرف اُسی کا ہے۔ اس لیے کہ اس کی ذات مقدس، تمام نقائص و عیوب سے مُبرّا و منزّہ ہے۔ جو کہ معنیٰ ثانی میں، زیادت و غیریت موجود ہے تو اس معنی کو اختیار کرنے اور اس کا مصداق ذات باری تعالیٰ کو ٹھہرانے سے یہ لازم آتی ہے کہ ذات اپنے مرتبہ ذات میں وجود سے معرّا ہو اور غیر سے کمال پائے۔ اور یہ دونوں نقصان ہیں جن سے ذات باری کی تنزیہہ و تقدیس لازم۔ تعالی اللہ

اور جب اس معنیٰ ثانی کی ذات واجب الوجود میں گنجائش نہیں تو معنیٰ سوم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لامحالہ موجود کے معنی اول ہی، اس ذات پاک کے لیے سزاوار ہیں اور اس کا مصداق واجب سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی اور نہیں۔

یہ تقریر ہے اطلاق سے تقیید کی طرف، اور واجب سے ممکن کی طرف نزول

کی۔ اگر تقریر عروجی سنتا ہو تو یہی تقریر معمولی تبدیل و تفسیر سے تقریر عروج سے بدلی جا سکتی ہے۔ بایں طور کہ اگر انسان کو قید ناطق سے معرا کر دو تو وہ حیوان باقی رہتا ہے اور حیوان کو حساس اور متحرک بالارادہ ہونے سے بری کر کے دیکھو تو وہ جسم نامی رہ جاتا ہے اور اگر جسم نامی سے نامی کی قید اڑا دو تو وہ جسم مطلق باقی رہ جاتا ہے۔
وعلیٰ ہذا القیاس جسم سے "ابعاد ثلثہ کی قابلیت کی قید اڑا دو تو وہ جوہر مطلق رہ جاتا ہے اور جوہر سے "لا فی الموضوع" کی قید ہٹا دو تو موجود باقی رہتا ہے۔ اور وہ اللہ ہے۔ تو اللہ ہی باقی ہے اور باقی فانی۔ اور اس کی ذاتِ کریم کے علاوہ سب کو فنا

**نور ۵۸**: قلوبُ الابرار قبورُ الاسرار (ابرار کے قلوب اسرار و رموز کی قبور ہیں۔

**نور ۵۹**: حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ العزیز سے دریافت کیا گیا کہ حضرت اس کا سبب کیا ہے کہ ایک پرسکون و باوقار شخص اچانک کوئی آواز سنتا اور اس کے سنتے ہی مضطرب و بے قرار ہو جاتا ہے اور ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے جو اس کو زیب نہیں دیتی ہیں؟
ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے بروز ازل، آدم علیہ السلام کی ذریت سے خطاب فرمایا تھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ اسی خطاب کی شیرینی اور خوش مزگی، کبھی کبھی اسے یاد آجاتی ہے اور اسی کے ذوق و شوق میں ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ ؎

الستُ از ازل ہم چناں شاں بگوشش
بفریاد قالوا بلیٰ در خروشش

(الستُ بربکم کی آواز ازل سے اپنی اسی شانِ عظمت کے ساتھ کانوں میں گونج رہی ہے اور قالوا بلیٰ کی فریاد کا غوغا بھی ہنوز برپا ہے)
اور اسی جواب سے یہ نکتہ بھی واضح ہو گیا جو لوگوں نے کیا ہے کہ اچھی صورت سامع کے دل میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کرتی بلکہ جو کچھ دل میں ہوتا ہے اسی کو جنبش دیتی ہے۔ حضرت سیدنا سید الغوث الاعظم قدس سرہ کا ارشاد گرامی ہے۔

رایتُ الاَرواحَ کلّہا یرقصون فی قوالبھم بعد قولہ الستُ بربکم۔ (میں نے دیکھا کہ الستُ بربکم کے سنتے ہی تمام ارواح اپنے قالبوں میں وجد کرنے لگیں)

یہی وجہ ہے کہ سماع ہر ذی روح انسان کو بھلا معلوم دیتا ہے۔ بلکہ بعض دوسرے جاندار بھی اس کی لذت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ تاکہ آدم صورت حیوان سیرت ا چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی ابتر ہیں، ان کے لیے غیرت و عبرت کا تازیانہ ہو۔ اور ہدایت دینا دست قدرت میں ہے۔

**نور ۶۰:** ولی و ولایت کے بارے میں بنیادی قول یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ولایت، ولاء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قرب الٰہی۔ ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ولایت عامہ اور ولایت خاصہ۔ ولایت عامہ تمام اہل ایمان کے مابین مشترک ہے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے، اللہ ولی الذین آمنوا

اور ولایت خاصہ، ارباب سلوک میں سے واصلانِ حق کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کے معنی ہیں فناءُ العبد فی الحق وبقاءِہٖ بہٖ (بندہ کا حق میں فانی اور حق سے باقی رہنا ہے) اور فناء کے معنی ہیں سیر الی اللہ کی انتہا۔ اور بقاء سے مراد ہے سیر فی اللہ کی ابتداء۔ اس لیے سیر الی اللہ اس وقت منتھی ہوتی ہے کہ سالک، صحرائے وجود کو، قدمِ صدق سے یکبارگی طے کر جائے۔ اور سیر فی اللہ کا تحقق اُس وقت ہوتا ہے کہ فناءِ مطلق کے بعد، بندہ کا وجود اور اس کی ذات حدوث کی آلائش سے پاک صاف ہو جائے، تاکہ اس کی بدولت اوصاف الٰہی سے اتصاف اور اخلاقِ ربانی سے متخلق ہونے کے عالم میں ترقی پائے۔ یہ مضمون نفحات الانس سے ماخوذ ہے۔

**نور ۶۱:** اسی نفحات سے ہم نقل کرتے ہیں، صوفی، متصوف اور ملامتی و فقیہہ کے بارے میں کچھ اقوال اور یہ کہ ان میں باہمی فرق کیا ہے۔ جبکہ یہی مضمون عوارف کے باب سوم، فصل دہم میں مذکور ہے۔

جاننا چاہیئے کہ بنی آدم کے طبقات کے مراتب، اُن کے درجات میں تفاوت کی بنیاد پر تین قسم ہیں۔ قسم اول کاملین و واصلین باللہ۔ اور یہ سب سے بلند طبقہ ہے۔

قسم ۲ دوم، سالکانِ طریق کمال۔ اور یہ درمیانی طبقہ ہے

قسم ۳ سوم، نقصان کے نشیب میں اقامت اختیار کرنے والا طبقہ، اور یہ سب سے پست ہے۔ واصلانِ حق وہ مقربان بارگاہ ہیں جو سب پر سابق ہیں۔ اور سالکان، نیکوکار اور اصحاب یمین (دائیں بازو والے) ہیں اور قسم سوم سے تعلق رکھنے والے، بدکار و اصحابِ شمال یعنی بائیں والے۔

اور اہلِ وصول انبیائے کرام علیہم صلوات الرحمٰن، دو گروہ ہیں۔

اول مشائخ صوفیہ۔ اور یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی کامل اتباع و پیروی میں یہ مرتبہ وصول پایا۔ اور پھر تنزل و رجوع کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت (اور ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر) خلقِ خدا کی دعوت الی اللہ پر ماذون و مامور ہوئے۔ یہ گروہ ہر جہت سے کامل و مکمل ہے کہ ازلی فیوض و عنایات نے انہیں اُس وقت جبکہ وہ ماہی فنا کے شکم میں، چشمۂ جمع اور توحید کی گہرائیوں میں مستغرق تھے، ساحل تفرقہ اور میدان بقا، تک بتمام آسانی اور ہر غم سے خلاص کے ساتھ پہنچایا۔ تاکہ یہ مخلوقِ خدا کی نجات و درجات کی جانب رہنمائی فرمائیں۔

اور دوسرا گروہ اہلِ وصول کی وہ جماعت ہے جو وصول کے درجۂ کمال تک پہنچی تو انہیں مخلوق کی طرف رجوع اور ان کی تکمیل کے حوالہ نہ کیا گیا بلکہ یہ حضرات بحرِ جمع میں غرقاب ہو کر، ماہیٔ فنا کے شکم میں ایسے لاشے اور گم گشتہ وجود ہوئے کہ ان کے متعلق ہرگز کوئی خبر و اثر، ساحل تفرقہ اور گوشۂ بقا تک نہیں پہنچ پاتی۔ یہ لوگ غیریت کے قبوں میں بسنے والی جماعت کی لڑی میں پرو دیئے گئے اور دیارِ حیرت کے رہنے والوں میں گھل مل گئے اور کمالِ وصول و ولایت تک رسائی کے بعد پھر دوسروں کی تکمیل کا کام انہیں نہ سونپا گیا۔

**نور ۶۲**:۔ حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز کی بیاض، فص الکلمات کی

جلد دوم کے آغاز میں ذکر کیا گیا ہے کہ ولایت چار قسم پر ہے :۔

۱۔ باطن نبوت کی ولایت مطلقہ۔

۲۔ ہر نبی کی ولایت مقیدہ۔

۳۔ ہر نبی کی ولایت مطلقہ۔

یہی ولایت مطلقہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات اقدس میں وہ چراغدان ہے جس سے انبیائے کرام، اقتباس ولایت فرماتے ہیں اور دیگر انبیائے کرام کی ذوات مقدسہ میں اولیائے کرام کے اقتباسِ ولایت کے لیے طاقچہ انوار ہے۔

۴۔ ولایت مطلقہ عام کہ نبوت سے مخصوص نہیں۔

ان میں سے ہر ولایت کا ایک خاتم ہے چنانچہ قسم اول کے خاتم حضرت علی مرتضیٰ ہیں کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔ اور ولایت مقیدہ محمدیہ کے خاتم حضرت شیخ ابن عربی ہیں قدس سرہ العزیز چنانچہ اکثر اولیائے کاملین نے اس کی تصدیق کی ہے۔ البتہ بعض غالی قسم کے فقہاء وصوفیاء نے حضرت کی طرف کفر و ضلال کی نسبت میں بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ ایسے لوگوں کا علاج اور چارۂ کار صرف ایک ہے یعنی ان کی غیر موجودگی میں انہیں فراموش کرنا اور موجودگی میں خاموش رہنا۔

با مدعی بہ گوئید اسرار عشق و مستی

تا بے خبر بمیرد، از درد خود پرستی

اور بعض صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ ولایت مطلقہ محمدیہ کے خاتم امام مہدی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسل پاک سے ہوں گے۔

اور ولایت عامہ کے خاتم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور شیخ ابن عربی سے منقول ہے کہ ولایت عامہ کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی۔ اس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور انتہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر۔

**نور ۶۳** :۔ اقسام اولیاء اللہ کی تفصیل۔ ان میں سرفہرست چار ہزار اولیائے کرام

ہیں کہ دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں بلکہ ایک دوسرے کی نظروں میں غیر شناسا۔ بلکہ خود اپنے احوال سے بے خبر۔ بلکہ تمام حالات میں خود اپنی نگاہوں اور مخلوق کی نظروں سے مستور و در پردہ۔

البتہ اولیائے کرام میں جو حضرات اہل حل و عقد اور حق جل مجدہ کی بارگاہ میں نیکوکاروں کے سرتاج ہیں۔ ان کی تعداد تین سو ہے جنہیں اخیار کہا جاتا ہے۔ انہیں اولیائے کرام میں چالیس اور ہیں جنہیں ابدال کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ سات اولیاء اللہ وہ ہیں جنہیں ابرار کہتے ہیں۔ چار وہ ہیں جنہیں اوتاد کہا جاتا ہے اور تین وہ ہیں جنہیں نقباء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ایک وہ ہیں جنہیں قطب و غوث کہتے ہیں۔

یہ تمامی حضرات ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور انتظامی امور میں ایک دوسرے کی طرف احتیاج رکھتے ہیں۔ جبکہ کتاب فتوحاتِ مکیہ کے مصنف نے اسی کتاب کی اکتیسویں فصل کے ایک سو اٹھانوے باب میں ان سات اولیائے کرام کو (جنہیں ہم نے ابرار لکھا) ابدال کا نام دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو سات اقلیم پر تقسیم فرمایا ہے اور اپنے بندوں میں سے سات بندوں کو منتخب فرما کر انہیں ابدال کا نام عنایت فرمایا ہے۔ ان سات میں سے ہر بندہ برگزیدہ کو ان سات اقلیموں میں سے ہر اقلیم پر مقرر فرمایا ہے۔"

حضرت مصنف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے حرمِ مکہ مکرمہ میں ان سب سے ملاقات کی۔ ان کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیا اور میں نے اُن سے گفتگو کا شرف پایا۔ میں شکل و صورت میں ان سے زیادہ حسین اور ذکر الٰہی میں اُن سے زیادہ مصروف کوئی اور نہ پایا" اور فرمایا کہ میں نے ان جیسا کوئی اور نہ دیکھا۔ مگر قونیہ میں ایک شخص۔

**نور ۶۴** :- خرقِ عادات یعنی محالاتِ عادیہ کو اولیائے کرام سے صادر ہوتے ہیں انہیں اصطلاحاً "کرامات" کہا جاتا ہے۔ اشاعرہ، کراماتِ اولیاء کے قائل ہیں اور معتزلہ (کہ اہلِ سنت و جماعت کا مخالف بدمذہبوں کا ایک گروہ

تھا جو اس زمانہ اس نام سے ناپید ہے) اس کے منکر ہیں۔ البتہ ان معتزلہ میں سے ابوالحسن بصری، اشاعرہ کی موافقت میں ہے۔

صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ زمانہ آئندہ کی خبریں دینا، زمین وزمان کو ایک قدم اور ایک آن میں طے کر جانا، اور اسی قسم کے دوسرے امور، فرشتوں اور جنوں کے خواص سے ہیں اگر اولیائے کاملین سے ان کا صدور ہو تو اُن کی اعانت سے ہوگا البتہ جنوں کو دل کی پوشیدہ باتوں پر اطلاع نہیں۔ اور مُلک و ملکوت میں ان کے تصرفات کا جاری ہونا، مردوں کو زندہ کرنا، زندوں کو موت سے ہم کنار کرنا، قیدی کو قید سے رہائی دینا اور ایسے ہی دوسرے امور کا تعلق عالم برزخ سے ہے۔ اور مرید کو عالم ملکوت میں داخل کرنا، مرتبہ الہیہ کے خواص سے ہے (اور بفیضان الٰہی اولیاء اللہ اس کی قدرت کے مظاہر)

ابو عمر دمشقی کا قول ہے کہ انبیائے کرام پر (اپنے دعویٰ نبوت کی تائید میں) معجزات کا اظہار فرض ہے۔ جبکہ اولیاء الٰہی پر اپنی کرامات کا پوشیدہ رکھنا لازم تر۔ بلکہ بعض بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ کرامت حیضِ مرداں ست" (یعنی جس طرح عورتیں اپنے ایام حیض کا اظہار پسند نہیں کرتیں، یونہی اولیاء اللہ کو بلا ضرورت شرعیہ اپنی کرامتوں کو ظاہر کرنا، غیر پسندیدہ فعل ہے)

حضرت خواجہ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ اگر تو مکھی کے پر کی مانند ہوا میں اڑ سکتا ہے اور پانی کی سطح پر ایک تنکے کی مانند تیر سکتا ہے (تب بھی کچھ نہیں، اگر کچھ بننا ہے تو دل قابو میں رکھ۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے لوگوں نے اظہار کرامت کا مطالبہ کیا۔ ارشاد فرمایا اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہوگی کہ گناہوں کا انبار اٹھائے زمین پر چل پھر رہا ہوں (زمین میں نہیں دھنسایا گیا) ابوالقاسم سمرقندی قدس سرہٗ ایک مجمع میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک بزرگ آپ کی زیارت کو آئے اور آپ کو مشغول کرنا سجاد۔ حوض کے پانی پر بچھا کر نماز میں مصروف ہوگئے (فارغ ہوئے تو)

ابوالقاسم نے فرمایا کہ برادر عزیز۔ یہ تو بچوں کا کھیل ہے جو وہ کھیلتے رہتے ہیں۔ مرد خدا آگاہ تو وہ ہے کہ مخلوق میں رہتے ہوئے اپنا دل حق تعالیٰ سے مشغول رکھے۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر سے کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں صاحب پانی پر چلتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کون سا مشکل کام ہے۔ مینڈک اور ممولا (کہ ایک ننھا سا پرند ہی ہے یہ) بھی پانی پر چل لیتے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ وہ ہوا میں اڑ بھی سکتے ہیں۔ ارشاد فرمایا چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ آن کی آن میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں پہنچ جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ "شیطان تو ایک سانس میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے۔ بہرحال ان کی کوئی وقعت نہیں۔ مرد حق وہ ہے جو خلقت میں اُٹھے بیٹھے۔ اُن سے لین دین کرے۔ اہل خانہ میں مصروف رہے اور خلق خدا سے میل جول رکھے۔ اور اپنے خدائے برحق سے بھی غافل نہ رہے۔"

میں نے یہ مضمون اپنے جد اکرم و مرشد برحق سے سُنا اگرچہ الفاظ جداگانہ تھے۔

بعض صوفیائے کرام نے فرمایا کہ تمام کرامتوں میں بڑی شان و عظمت والی کرامت یہ ہے کہ بندہ اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں بندگی کی لذتیں پاتا رہے۔ اور انہیں کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ ہر حال میں انفاس مع اللہ اور رضا عن اللہ کی مراعات کرے (کہ کوئی سانس ذکر الٰہی سے غفلت میں نہ گزارے اور ہر آن راضی برضا رہے)

سبحان اللہ! جسے اس کلام کی حلاوت اور اس مقام و مراد کی لذت معلوم اور دیکھی بھالی ہو وہی جان سکتے ہیں کہ یہ سخن کس قدر عالی مرتبہ ہے۔

**نور ۶۵:** میرے عزیز۔ ولایت، "وَلْیٌ" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قربت و نزدیکی کے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ولایت عامہ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا الآیہ اور خاصہ اور اس کے معنی ہیں فناءُ العبد فی الحق وبقائہٖ بہٖ، یعنی بندہ فانی فی اللہ، باقی باللہ بن جانا۔ اس اعتبار سے ولی وہ ہے جو حق میں فانی، حق سے باقی ہو۔

اور فنا کے معنی ہیں سیر الی اللہ کی انتہا جبکہ بقاء سے مراد ہے سیر فی اللہ کی ابتداء
ابو علی جرجانی کہتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو اپنے احوال سے فانی اور مشاہدہ حق میں باقی
ہو۔ نہ اُسے اپنے حال کی خبر رہے اور نہ غیر اللہ سے اُسے قرار نصیب ہو (فص الکلمات)

**نور ۶۶:** حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ میں
ایک گروہ ایسا ہے جسے مشائخ طریقت اور کبرائے حقیقت اُویسیہ
فرماتے ہیں۔ اس گروہ کو بظاہر کسی پیر کی احتیاج نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ حضرات
حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آغوش تربیت میں پرورش پاتے
ہیں۔ درمیان میں کوئی اور واسطہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت اویس قرنی کو یہ مرتبہ عظیم
عالی نصیب تھا۔ یہ مقام نہ ہر ایک کو نصیب ہوتا ہے اور نہ دولت ہر ایک کے
نصیبے میں آتی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ اسی طرح اولیائے
الٰہی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت میں بعض وہ حضرات بھی ہوتے ہیں
جو بعض طالبان حق کی اپنی روحانیت سے تربیت فرماتے ہیں اور ان کے مابین بھی
بظاہر کوئی پیر نہیں ہوتا۔ یہ جماعت بھی حقیقۃً اُویسیہ ہے۔ اور بکثرت وہ اولیائے کرام
بھی ہیں جنہیں راہ سلوک میں قدم رکھتے ہی یہ مقام و مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ
حضرت شیخ بزرگوار شیخ ابوالقاسم گرگانی طوسی، جن سے مشائخ کرام نجم الدین کبریٰ
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سلسلہ متصل ہے اور وہ جناب ابو سعید ابوالخیر اور ابوالحسن خرقانی
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طبقہ سے متعلق ہیں۔ ابتدائے سلوک میں آپ کا ذکر علی الدوام،
اُویس اویس تھا۔

**نور ۶۷:** جاننا چاہیے کہ تمامی اولیائے کرام اگرچہ بحیثیت ولایت سب یکدرجہ
اور یکساں ہیں جیسا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، مرتبہ نبوت
میں برابر ہیں کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ لیکن بہ حیثیت تفضیل اگر بعض
کو بعض پر فضیلت حاصل ہے (چند انواع و اقسام پر منقسم ہیں۔ جس پر قرآن شاہد ہے کہ
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ) یونہی اولیا کرام بہ حیثیت تفضیل چند

گروہ ہیں۔ اور ہر گروہ کا مشرب و مذہب اُسی کے ساتھ مخصوص یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام کے ہر طبقہ کو ایک جداگانہ نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں بعض صوفیائے کرام کہلاتے ہیں۔ بعض متصوفہ یعنی صوفی نما۔ بعض ملامیتہ۔ بعض اُدبیتہ بعض فقراء اور بعض قلندر، کسی گروہ کو ابدال، کسی کو ابطال (بمعنی دلیر و شجاع) کسی کو سیاح اور کسی کو اوتاد۔ وغیرہ ذلک۔ مثلاً اولیائے عشرین[۲۰]۔ بدلاءِ اربعین[۴۰]۔ اولیائے عریف، افراد، عرائس اللہ، نقباء، نجبا، عمداء، اقطاب اور قطب الاقطاب، لیکن تمام اولیائے الٰہی اپنی نسبتوں میں اختلاف اور اپنے اپنے فرقوں میں انقسام و افتراق کے باوجود ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے اور ایک ہی بندش سے متعلق ہیں۔

ہر نبی و ہر ولی را مسلکیست
لیک تا حق میبرد جملہ یکیست

(ہر نبی و ولی کا اگرچہ مسلک جداگانہ ہے۔ لیکن سب حق تک پہنچاتے ہیں۔ اس لیے سب ایک ہی ہیں)

# چوتھا لمعہ (تابش ۴)

# سلوک کے بیان میں

**نور ۱:** اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہاں میں توفیق خیر دے۔ تمہیں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ جب طالب حق راہ سلوک کے بیان میں قدم رکھے اور وصالِ حق کا خواہش مند ہو تو اسے چاہیے کہ رسالہ "**عمل و معمول**" مؤلفہ سید محمد کالپوی رحمۃ اللہ علیہ پر عمل پیرا ہو کر مبتدیوں کے لیے بڑا مفید اور (حصول مقصد میں) کافی ہے۔ ہم اس رسالہ کو بعینہٖ یہاں نقل کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ بے حد و بے نہایت کے بعد برادران دینی کے لیے یہ ایک پند نامہ ہے کہ سلفِ صالحین کے عقائد سے تصحیح و تطبیق کے بعد کہ بہشت و دوزخ۔ ثوابؔ عذابؔ، حور و قصورؔ، اور وہ تمام امور جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء سے مستفاد ہیں اور صوفیہ صافیہ بھی ان میں علمائے شریعت ظاہرہ کے مخالف نہیں سب حق ہیں، سالک کو چاہیے کہ ہمیشہ باوضو رہیں۔ کسی حالت کسی وقت میں اسے نہ چھوڑیں اور کوئی گھڑی بے وضو نہ گزرنے دیں۔

۲۔ ہر وضو کے بعد (اعضاء خشک ہونے سے پہلے) دو رکعت نماز تحیۃ الوضوء کا پڑھنا اپنے اوپر لازم جانیں کہ مشائخ کرام کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے اور اس کا مبنیٰ بڑا قوی۔

۳۔ کھانا بے وضو نہ کھائیں۔

۴۔ کھانے سے فارغ ہو کر دو رکعت تحیۃ الطعام ادا کرتے رہیں۔ یہی اس ناتواں و بے بضاعت کا عمل جاری ہے۔

۵۔ کھانے سے فراغت پاتے ہی یہ دعا پڑھیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ وَّلَا قُوَّۃٍ مِّنِّیْ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

(تمام حمد اللہ کے لیے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، تمام حمد اللہ کے لیے جس نے مجھے یہ کھانا روزی کیا۔ جبکہ مجھ میں نہ اتنی توانائی ہے نہ قوت۔ تمام حمد اللہ کے لیے جس نے مجھے کھلایا پلایا اور مجھے مسلمانوں میں بنایا۔)

احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جو شخص کھانے سے فراغت پاکر یہ دعا پڑھے اُس کھانے کا حساب نہ لیا جائے۔

۶۔ اس کے بعد سات مرتبہ سورہ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ پڑھے۔

۷۔ رات کے آخری حصہ میں اُٹھے اور نماز تہجد کی بارہ رکعتیں چھ سلام سے پڑھا کرے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص یعنی سورۂ قل ہو اللہ احد تین بار پڑھے۔ اور ہرگز ہرگز یہ بات روا نہ رکھے کہ یہ نماز قضا ہو جائے کہ اس نماز میں بڑی تاثیریں اور عجیب فائدے ہیں۔

۸۔ نماز سے پہلے بیدار ہو کر یہ اشعار پڑھے۔ (اتنا جتنا یا جو پڑھ سکے)

در دلم افگن کہ پشیماں شوم
بر رہ ہم آور کہ مسلماں شوم

(الٰہی مجھے اپنی حالت پر پشیمانی کی توفیق دے اور مجھے ایسے راستہ پر چلا کہ میں مسلمان رہوں)

اے کس ما، بے کسیٔ ما ببیں!
قافلہ شد، واپسیٔ ما ببیں!

(اے ہمارے کارساز! ہماری بے کسی کو دیکھ کہ قافلہ روانہ ہو چکا. اب ہماری واپسی کیونکر ہو گی)

رزقِ ما از عالمِ غیبی رساں
وطمع ہم چو خودم وارہاں !!

(عالمِ غیب سے ہمیں روزی نصیب کر اور حرص و طمع سے مجھے رہائی نصیب فرما)

---

با روی توز سبزہ وگلزار فارغیم
با چشمِ تو، از بادۂ وخمّار فارغیم

(تیرے دیدار نے ہمیں سبزہ وگلزار سے بے نیاز، اور تیری چشم کرم نے ہمیں شراب و شراب فروش سے فارغ کر دیا)

خانہ گرو نہادہ ودر کوئے تو مقیم
دکان خراب کردہ واز کار فارغیم

(اپنا گھر بار بیچ کر تیری راہ میں اقامت پذیر ہیں اور اپنی دکان لٹا کر ہر کام سے فراغت پائے ہوئے ہیں)

رختے کہ داشتیم بہ یغما بہ برد عشق
از سود واز زیان دو بازار فارغیم

(ہمارے پاس جو ساز و سامان تھا، اُسے عشق نے لوٹ لیا اور اب ہم ہر نفع و نقصان کے بازار سے بے نیاز ہیں)

بر رفت وبر گزشت سر ماز آسمان
کز ذوقِ عشق از سرود بتار فارغیم

آسمان کی بلندیوں سے، ہمارا سر اور بلندیوں پر پہنچا کہ اب ذوقِ عشق میں ہمیں سرود ستار کی پرواہ نہیں۔)

گرچہ من سر بسر گنہ کردم     نامۂ عمر خود سیہ کردم

(میں اگرچہ سرتاپا گناہوں میں مصروف رہا اور اپنی ساری عمر کا نامہ اعمال سیاہ کر چکا)

تو بریں نامہ سیاہ مبیں     کرمِ خویش بیں، گناہ مبیں

(مگر (اے رحمٰن و رحیم) تو میرا نامۂ سیاہ نہ پرکھ۔ اپنے کرم پر نظر فرما میری سیاہ کاریوں کو نہ دیکھ)

---

یارب برہانیم ز حرماں چہ شود !     راہے بدہم بکوئے عرفاں چہ شود

(میرے پروردگار ! اگر تو مجھے محرومی سے رہائی بخشے اور مجھے راہ عرفاں پر پر چلنا نصیب کرے تو اس میں تیرا کیا نقصان ہے۔)

بس گبر کہ از کفر مسلماں کردی     یک گبر دگر گنی مسلماں چہ شود

تو نے اپنے فضل سے بہت سے آتش پرستوں کو اسلام بخشا۔ اگر مجھ جیسے ایک اور کج رُو کو راہِ راست اسلام پر چلائے تو اس میں تیرا کیا حرج ہے)

---

یارب دلِ پاک و جاں آگاہم دہ     آہِ شب و گریۂ سحر گاہم دہ

(اے میرے رب، مجھے پاکیزہ دل اور حق آگاہ روح دے اور نالۂ شب اور وقت سحر کا گریہ عطا فرما)

در راہِ خود، اول زخودی بیخود کن     وانگاہ ز بیخودی، بخود راہم دہ

اپنی راہ میں پہلے مجھے خودی سے نکال کر بے خودی بخش۔ بے خودی سے اپنی بارگاہ کی طرف رہنمائی فرما)

---

بر عملِ خویش ندارم امید     بر کرم تُست مرا اعتمید

(مجھے اپنے اعمال پر کوئی بھروسہ نہیں بلکہ جو کچھ ہے وہ تیرے کرم پر اعتماد ہے

چارۂ من ساز کہ بے چارہ ام — گر تو نسازی بکہ رو آورم

(میری چارہ سازی فرما کہ میں بندۂ لاچارہ ہوں۔ اور اگر تو نے میری دستگیری نہ فرمائی تو میں کس کا منھ تکوں)

---

جز درِ تو قبلہ نخواہم ساخت — گر ننوازی تو، کہ خواہد نواخت

(میں تیرے گھر کے سوا، کوئی اور قبلہ نہ بناؤں گا اور اگر تو نے مجھے نہ نوازا تو پھر کون میری دستگیری کرے گا)

یک ذرہ عنایت تو اے بندہ نواز — بہتر ز ہزار سال تسبیح و نماز

(تیرے فضل و عنایت کا ایک ذرہ، اے میرے بندہ نواز۔ ہزار سال کی تسبیح و نماز سے کہیں بہتر ہے)

---

تنہا غمِ دل گفتن با یار چہ خوش باشد — سر بر قدمش بردن ہر بار چہ خوش باشد

(اپنا غمِ دل تنہائی میں اپنے غم گسار سے کہنا اور ہر بار اپنا سر اُس کے قدموں پر لے جانا، کیا خوشگوار ہوتا ہے)

---

اگر کارِ یک کسی بساماں شود — ز دریائے رحمت چہ نقصاں شود

(اگر ایک بندہ بے کس و گناہ گار کی نجات کا سامان ہو جائے تو الٰہی تیرے دریائے رحمت میں کچھ کمی نہ آئے گی)

---

الٰھی عبدك العاصی اتاك — مقرًا بالذُّنُوبِ وَقَدْ دَعَاكَ

(اے میرے معبود تیرا ایک بندۂ گناہ گار تیری بارگاہ میں حاضر ہے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے تجھ سے فریاد کر رہا ہے۔

فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاكَ اَھْلٌ — وان تَطْرُدْ فمن یرحم سواكَ

(اگر تو اسے بخش دے تو تو اس کا اہل ہے اور اگر تو اُسے دھتکار دے تو تیرے سوا کون اس پر رحم فرمائے گا)

بادشاہا! جرمِ ما را در گزار ما گناہ گاریم و تو آمرز گار

(الٰہی ہماری نافرمانیوں سے درگزر فرما۔ ہم گناہ گار بندے ہیں اور تو بخشنے والا مولیٰ ہے)

تو نکو کاری و ما بد کردہ ایم جرم بے انداز و بے حد کردہ ایم

(تو ہر آن کرم فرماتا ہے اور ہم برائیوں میں پھنسے رہتے ہیں کہ ہمارے جرم بیشمار و لا انتہا ہو گئے ہیں)

سالہا در بندِ عصیاں گشتہ ایم آخر از کردہ پشیماں گشتہ ایم

(ہم برس ہا برس گناہوں کے جال میں پھنسے رہے اور آخرکار اپنے پر نادم و شرمندہ ہیں)

دائما در فسق و عصیاں ماندہ ایم ہم قرینِ نفس و شیطان ماندہ ایم

(ہم ہمیشہ نافرمانی و بدکاری میں مصروف اور نفس و شیطان کے ہم نشین بنے رہے)

روز و شب اندر معاصی بودہ ایم غافل از امر و نواہی بودہ ایم

(اپنے روز و شب کو ہم نے تیری نافرمانیوں میں گزارا اور تیرے امر و نہی سے غفلت میں رہے)

بے گنہ نگذشت بر ما ساعتے با حضور دل نہ کردم طاعتے

حد یہ ہے کہ گناہوں سے خالی، ہماری کوئی گھڑی نہ گزری اور نہ ہم نے حضوری قلب سے تیری عبادت کی)

بر در آمد، بندہ بگریختہ آبروئے خود ز عصیاں ریختہ

(لیکن اے میرے رب تیرا بھاگا ہوا غلام تیری ہی بارگاہ میں حاضر ہے۔ جس نے اپنی عزت و آبرو نافرمانی میں گزاری)

ہست اُمید مغفرت از لطفِ تو زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا

اب اُسے تیرے ہی فضل و کرم کا بھروسہ ہے اس لیے کہ تو نے خود فرمایا ہے کہ

اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو)

بحرِ الطاف تو بے پایاں شدہ — ناامید از رحمتت شیطان شدہ

(ہم مانتے ہیں کہ تیری رحمتوں کا سمندر بے تھاہ ہے اور شیطان ہی تیری رحمت سے ناامید ہے)

نفس و شیطان زد کریما راہِ من — رحمتتُ باشد شفاعت خواہ من

(اے میرے کریم نفس شیطان نے میری راہ لوٹ لی۔ اب تو تیری رحمت ہی میری شفاعت فرما سکتی ہے)

چشم دارم کز گناہ پاکم کنی — پیش ازاں کاندر لحد خاکم کنی

مجھے توقع ہے کہ تو مجھے اس وقت سے پہلے گناہوں سے پاک صاف فرمائے گا کہ میرا جسم میری لحد میں خاک ہو)

اندراں دم کز بدن جانم بری — از جہاں با نور ایمانم بری

الٰہی جب تو میرے بدن سے میری جان نکالے تو میری عرض ہے کہ نورِ ایماں پر میری روح نکالنا)

---

مندرجہ بالا اشعار و مناجات، نمازِ تہجّد کے بعد بھی پڑھے جا سکتے ہیں جیسا کہ ہمارے مرشد برحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا:

۹۔ نمازِ تہجّد و مناجات سے فارغ ہو کر ذکر اور سبق باطن میں مشغول رہے یہانتک کہ صبح ہو جائے۔

۱۰۔ (اب سُنّتِ فجر پڑھ کر) فرضِ فجر ادا کرنے سے پیشتر کشائشِ رزقِ حلال کے لیے یا رزّاق سَو مرتبہ پڑھے۔ اول آخر درود شریف اَللّٰھُمَّ صل علی سید نا محمدٍ و بارك وسلم پڑھے۔

۱۱۔ اس کے بعد نمازِ فجر (باجماعت) پڑھے۔

۱۲۔ نمازِ فجر سے فراغت پا کر پھر ذکر میں مشغول ہو جائیں اور رزق میں وُسعت

اور گناہوں سے مغفرت کی نیت سے سّو بار یا غفور اور سّو بار یا غفّار پڑھیں اول آخر درود شریف۔ یہی معمول ہے۔ اس مسکین بندہ (اسید محمد کالپوی) کا۔

۱۳- اس سے فارغ ہو کر اسی جگہ بیٹھے (ذکر و اذکار میں مشغول) رہیں۔ جب سورج ایک نیزہ بلند ہو جائے (جس کی مقدار آفتاب کا کنارہ ظاہر ہونے سے ۲۰ منٹ تک ہے) تو دو رکعت نماز اشراق پڑھیں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھیں۔ اس کی نیت یوں کریں کہ "نیت کی میں نے دو رکعت نماز اشراق کی واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اللہ اکبر۔"

۱۴- نماز سے فراغت پا کر اپنے اسباق باطن میں مشغول رہیں۔ ایسا موقع ہرگز نہ آنے دیں کہ کوئی وقت، سبق باطن سے خالی گذر جائے۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر آن دل کو مشغول رکھیں۔

۱۵- جب نماز چاشت کا وقت ہو جائے تو بارہ رکعتیں تین سلام سے پڑھیں۔ (کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ چاشت کی بارہ رکعتیں ہیں اور افضل بارہ ہیں) ہر چار رکعت کی نیت یوں کریں کہ "نیت کی میں نے چار رکعت نماز چاشت کی، واسطے اللہ تعالےٰ کے۔ منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر۔"

ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد، سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھیں۔ حتی الامکان نماز چاشت کو قضا نہ ہونے دیں کہ اس کا بے انتہا ثواب اور بیشمار فائدے ہیں۔

۱۶- نماز مغرب کے بعد، چھ رکعت نماز اوّابین، دو رکعت کی نیت سے پڑھیں۔ اس کی نیت بھی وہی ہے کہ نیت کی میں نے دو رکعت نماز اوابین کی۔ واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اللہ اکبر" اس میں بھی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین بار پڑھیں۔

۱۷- نماز اوّابین کے بعد دو رکعت نماز، حضرت فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کی روح کو ایصال ثواب کی نیت سے پڑھیں اور اس کی نیت یوں کریں کہ "نیت کی میں نے دو رکعت نماز نفل کی، واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ حضرت فریدالدین گنج شکر کی

روح کو ایصال ثواب کی خاطر۔ منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اللہ اکبر۔

۱۸۔ پھر دو رکعت نماز نفل، حضرت خواجہ بہاؤالدین ذکریا نقشبندی کی روح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے پڑھیں۔ اس کی نیت بھی وہی ہے کہ "نیت کی میں نے دو رکعت نماز نفل کی واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی کی روح کو ایصالِ ثواب کی خاطر، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اللہ اکبر۔

۱۹۔ پھر دو رکعت نماز نفل، روح حضرت پیر فتوح پیرانِ پیر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصالِ ثواب کی نیت سے پڑھیں۔ نیت وہی ہے کہ نیت کی میں نے دو رکعت نماز نفل کی۔ واسطے اللہ تعالےٰ کے، غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی روح کو ایصالِ ثواب کی خاطر۔ منہ میرا کعبہ شریف کی طرف۔ اللہ اکبر۔

۲۰۔ پھر دو رکعت نماز بہ نیت حفظِ ایمان ادا کریں اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص کی بجائے پانچ پانچ مرتبہ یہ آیہ کریمہ پڑھیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ط

۲۱۔ نیز حفظِ ایمان کی نیت سے دو رکعت اور پڑھیں۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد، سورۂ اخلاص سات مرتبہ اور سورۂ فلق ایک مرتبہ۔ اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد، سورہ اخلاص سات مرتبہ اور سورہ ناس ایک مرتبہ پڑھیں۔

۲۲۔ نماز عشاء کے بعد دونوں جہاں میں رزق حلال میں فراخی و وسعت کی نیت سے ایک سو مرتبہ یا فتاح پڑھے اور اس کے معنی کا (کہ اے کشائش فرمانے والے) دل میں تصور قائم رکھے۔ اور یہ بات ہمیں یاد رکھیں کہ اسمائے الٰہیہ میں سے کسی اسم کا ورد اس کے معنی کے تصور کے بغیر کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ البتہ اول و آخر درود شریف بھی پڑھے۔

۲۳۔ نیز دونوں جہاں میں کشائش رزق کے لیے ایک بار اِفْتَحْ رِزْقِیْ یَا فَتَّاحُ اور سو مرتبہ هُوَ الْحَیُّ هُوَ الْبَاسِطُ ایک سو مرتبہ پڑھیں اور دل میں اس کے معنیٰ کا

تصور قائم رکھیں (کہ وہی حق ہے وہی فراخی دینے والا) یہ اسمِ گرامی اس ذرہ خاکسار کو بالہام ربانی عالم باطن سے پہنچا ہے۔

۲۴- اس کے بعد سو مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھیں۔

۲۵- پھر سورۂ مزمل شریف اس ترتیب سے پڑھیں کہ اول دس مرتبہ درود شریف پھر ایک مرتبہ آیۃ الکرسی، سو مرتبہ استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا اللہ وھو الحیّ القیّوم واتوب الیہ۔ پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر تین مرتبہ سورہ مزمل پڑھیں۔ سورت سے پہلے ہر مرتبہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنی ہیں۔ امید ہے کہ اس کی بدولت دینی اور دنیاوی ہر جائز حاجت پوری ہو گی۔

۲۶- جب سونے کا وقت آئے تو بارگاہِ رسالت میں ایک سو مرتبہ درود شریف پیش کرے۔ پھر ایک سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ الحلیمُ العظیمُ۔ پچیس ۲۵ مرتبہ سورۂ اخلاص، دس مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اور پھر جتنا زیادہ ہو سکے کلمۂ طیبہ پڑھتا ہوا سو جائے۔

۲۷- کبھی کبھی یہ ذکر بھی بجالائے کہ اس ذکر کا نام ہی ہے "ذکرِ خواص" یہ ذکر عظیم تاثیر اور کثیر فائدوں پر مشتمل ہے۔ اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ اول دائیں جانب کہے حق، پھر بائیں جانب کہے حق۔ پھر سامنے کی جانب کہے حقّ اور پھر دل پر حقّ کی ضرب لگائے اور بوقت ذکر اس تصور میں ڈوبا رہے کہ میری دائیں جانب، بائیں جانب، روبرو اور دل میں حق ہی حق ہے کسی اور کا وجود نہیں۔ یہ ذکر بڑا نفع بخش اور فائدہ رساں ہے۔ ہر وہ سالک جو اس میں مشغول رہتا ہے، محروم اور بے نصیب نہیں رہتا۔ اپنا مقصود حاصل کر ہی لیتا ہے۔ بکرمہ تعالیٰ۔

۲۸- ہندی زبان میں ایک اور ذکر بھی حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔ اس ذکر میں بھی کبھی کبھی مشغول رہیں اور وہ یوں ہے کہ دائیں جانب منہ کر کے کہیں۔ اُونہا تو، پھر بائیں جانب منہ کر کے کہیں اُونہا تو۔ پھر سامنے

کہیں۔ اُونہا تو۔ اور پھر دل پر ایہنا تو کی ضرب لگائیں۔ یہ چار ضربیں ہیں جن سے دل میں ایک عجیب ذوق پیدا ہوتا ہے۔ اس میں ایک ضرب اس طریقہ پر کہ اِیہنا تو اِیہنی دِی۔ ہندی زبان میں بڑی لذّت لاتا ہے۔ اور عظیم نفع پہنچاتا ہے اور دل کو حضوری کی دولت فراہم کرتا ہے۔ اسے ناغہ نہ ہونے دیں۔ اور اگر نماز تہجّد کے بعد رات کے آخری حِصّے میں اس میں مشغول رہیں بلکہ دن میں بھی جب اغیار سے یک سوئی حاصل ہو، اِس شُغل کو جاری رکھیں تو عظیم منفعتیں پائیں۔

۲۹۔ تلاوت قرآن کریم کو اپنا روزانہ کا معمول بنائیں۔ اس سے غافل نہ ہوں۔ کم و بیش ایک پارہ کی تلاوت اپنا معمول بنائیں۔

۳۰۔ یہ جو کچھ اور لکھا گیا ہے اس پر ثابت قدمی سے مداومت کریں۔ حتی الوسع اس سے غفلت نہ برتیں جو اس پر ثابت قدم نہ رہے اور اسے اپنا ہمیشہ کے لیے دائمی شُغل نہ بنائے تو یہ اس کا قصور ہے نہ کہ اس فقیر کا۔

**تنبیہ**:۔ ریا اور قصدِ شہرت کو پاس نہ بھٹکنے دیں کہ جب نمائش و شہرت طلبی کا دخل ہوتا ہے تو سب کچھ فساد کی نظر ہو جاتا ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

تمام ہوا رسالہ عمل الیوم واللیل مصنفہ سید محمد کالپوی قدس سرہ العزیز۔

اور اب **عرض** کرتا ہے یہ فقیر کہ ہمارے اس دور میں رسالہ مذکورہ بالا کے مطابق پابندی اوقات بہت مشکل اور دشوار تر ہے۔ جس کی وجہ ظاہر اور بیان سے بے نیاز ہے۔ اس لیے میں مختصراً لکھتا ہوں۔ جہاں تک بن پڑے اس مختصر پر عمل پیرا رہیں کہ فائدوں سے خالی نہیں۔

۱۔ فرض نماز باجماعت پوری تندہی سے ادا کرتے رہیں اور ایسی روش اختیار کریں کہ نماز تہجد کے پابند بن جائیں کہ یہ نماز اس راہ کی بڑی اہم باتوں میں سے ایک ہے۔

۲۔ (آخر وقت میں) نماز تہجد ادا کرنے کے بعد طلوع آفتاب تک نماز اشراق وغیرہ سے فراغت پاکر کچھ نہ کچھ اوراد زبانی ادا کریں۔ یہاں تک کہ چار گھڑی

دن چڑھ جائے۔

۳۔ اب نماز چاشت پڑھ کر کسب معاش میں مصروف ہو جائیں اور اسباب زندگی فراہم کریں۔ یہاں تک کہ دوپہر کا وقت آجائے۔ اب کھا پی کر قیلولہ کریں۔

۴۔ قیلولہ کے بعد نماز ظہر (باجماعت) سے فراغت پاکر قرآن کریم کی تلاوت اور درود شریف کی قرأت، جتنی بآسانی ہو سکے، کریں۔

۵۔ بقدر ضرورت کسب معاش میں لگ جائیں۔

۶۔ یہاں تک کہ وقت عصر آجائے تو نماز عصر باجماعت وقت متوسط میں ادا کریں۔ (اتنی تاخیر نہ کریں کہ خود قرص آفتاب میں زردی آجائے اور اس پر نگاہ قائم ہونے لگے)

۷۔ نماز عصر کے بعد تزکیۂ باطن کی طرف متوجہ ہوں اور نماز مغرب تک اس میں مصروف رہیں۔

۸۔ اب کہ وقتِ مغرب آگیا تو نماز مغرب سے فارغ ہو کر نماز اوّابین پڑھیں۔

۹۔ اب اہل وعیال کی طرف توجہ دیں اور نماز عشاء تک ان میں رہیں۔

۱۰۔ جب نماز عشاء کا وقت آجائے تو باجماعت فرض عشاء ادا کریں۔

۱۱۔ نمازِ عشاء سے فراغت پاکر جو بھی میسر آجائے کھائیں پیئیں۔

۱۲۔ اور پھر باوضو درود شریف پڑھتے ہوئے سو جائیں۔

**تنبیہ** :۔ نمازِ تہجد کے لیے شب میں اٹھنا دشوار ہو تو فجر کے اول وقت میں یعنی طلوعِ صبح صادق سے پیشتر بیدار ہوں اور تہجد پڑھیں (نماز تہجد سے فراغت طلوع صبح صادق سے پہلے ہو جائے) مرشد گرامی کا ارشاد ہے کہ عصر و مغرب کے مابین وقت کی نگہداشت نفس پر بڑی شاق اور دشوار ہوتی ہے۔ جتنی الامکان اسے نباہیں۔

**نور ۲** :۔ ذکر الٰہی میں اس حد تک مشغول رہو کہ دوسرے تمہیں مجنون و مخبوط الحواس کہنے لگیں اور اگرچہ خیر الامورِ اوسطہا کی روشنی میں تمام امور میں افراط و تفریط ناپسندیدہ امر ہے تاہم ذکر الٰہی میں اس کی رخصت و اجازت ہے۔ چنانچہ

حدیث شریف میں وارد کہ "ذکر الٰہی بکثرت کرد یہاں تک کہ لوگ مجنون کہیں"۔ یہ حدیث شریف طبرانی کی معجم کبیر اور ابن السُنّی کی کتاب "عمل الیوم واللیل" میں بروایت معاذ بن جبل مروی ہے۔

**نورُ ۳:-** عبادت و بندگی میں ریا و نمائش کا دخل نہ آنے دو کہ اس سے تمام اعمال حبط و برباد ہو جاتے ہیں بلکہ کسی کے دیکھنے اور نہ دیکھنے کی طرف التفات ہی نہ کرد۔

اگر روئے طاعت ترا در خداست
اگر جبرئیلت نہ بیند رواست

(اگر تمہاری عبادت بے نمود و نمائش، صرف اللہ کے لیے ہے کہ جبریل بھی اسے نہ دیکھ پائیں تو یہ روا ہے) لہٰذا جو کچھ کرنے ہو خالصًا اللہ کے لیے انجام دو۔ کہ یہی عبادت قابلِ رشک ہے باقی کچھ نہیں۔ بلکہ نفلی عبادتوں میں اخفاء جہر سے افضل ہے۔

**نورُ ۴:-** راہ سلوک میں لغزش و بے راہ روی کے سات مقامات ہیں۔ اعراض یعنی طالب کی مطلوب سے ادنیٰ روگردانی۔ یہ پہلا مرتبہ ہے۔

**حجاب** یعنی طالب و مطلوب کے مابین پردہ حائل ہو جائے کہ طالب مطلوب کو نہ دیکھ پائے، یہ دوسرا مرتبہ ہے۔

**تفاصُل** یعنی طالب و مطلوب کے درمیان جدائی اور یہ تیسرا مرتبہ ہے۔

**سلبِ مزید** یعنی طالب و مطلوب میں جو نسبت موجود تھی اس میں کمی آجائے، یعنی سلب ہو جائے اور یہ چوتھا رتبہ ہے۔

**سلب قدیم** یعنی طالب و مطلوب کے مابین جو نسبت برقرار تھی اُسے سلب ہوئے عرصہ دراز گزر گیا اور اب بھی گزر رہا ہے۔ یہ پانچواں مقام ہے۔

**تسلّی** یعنی مطلوب کو، طالب کی طلب سے بے رغبتی ہو جائے اور اسے اُس سے سروکار نہ رہے کہ طلب کرتا ہے یا نہیں۔ یہ چھٹا مقام ہے۔

**عداوت** یعنی طالب و مطلوب کے مابین دشمنی ہو جائے اور مطلوب کو طالب

کی طلب ناگوار گزرے۔ اور یہ ساتواں مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ اس غضب و فضیحت سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اس مرتبہ اخیر کا کوئی علاج نہیں بلکہ سلبِ ایمان کا اندیشہ ہے۔ پہلے مقامات کا کوئی تدارک نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ نوبت اس مرتبۂ اخیر تک پہنچتی ہے۔ اس لیے سالک کو چاہیئے کہ پہلے ہی مقام پر فکر و تلافی کرے تاکہ اخیر مقام تک نوبت نہ آئے ورنہ آدمی خَسِرَ الدُّنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاتا ہے اور یہی خسرانِ مبین و نقصانِ عظیم ہے۔ الٰہی ہماری حفاظت فرما۔ الٰہی ہمیں اپنی حفظ میں لے۔ الٰہی ہمیں محفوظ رکھ۔

**نورُ ۵:-** زمانہ آئندہ کے حالات اگر اس پر منکشف ہوں تو اس کا اعتبار نہ کرے جب تک وہ واقع کے مطابق نہ ہو جائیں۔ نہ انہیں مخلوق کے روبرو بیان کرے ورنہ خلاف واقع ہونے کی صورت میں یہ جھوٹا مشہور ہوگا اس لیے کہ شانِ ایزدی ایک ہی عنوان پر نہیں ہے بلکہ کل یوم ہو فی شان (اُسے ہر دن ایک، کام ہے یعنی وہ ہر وقت اپنی قدرت کے آثار ظاہر فرماتا ہے) جس وقت تجھے وہ بات معلوم ہوئی، ممکن ہے کہ وہی درست و صحیح ہو لیکن بعد میں شانِ پروردگار لطف سے قہر یا قہر سے لطف کی طرف متوجہ ہوئی اور تیری معلومات کے برعکس وقوع میں آئی تو اب تجھے اس کے وقوع سے پہلے، اظہار پر ندامت ہوگی اور تجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ تو لوگوں میں جھوٹا قرار پائے گا اور چھوٹے بڑے تیرا مذاق اڑائیں گے۔

یہ نصیحت حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

**نورُ ۶:-** اتنی مقدار میں کھاؤ پیو کہ زندہ رہ کر عبادت الٰہی کر سکو۔ نہ اس مقدار میں کہ بیمار پڑ جاؤ (کہتے ہیں کہ) ایک طبیب کسی مقام پر گیا اور ایک سال تک وہاں اپنا وقت گزارا۔ اس دوران وہاں کوئی بیمار نہ پڑا۔ ناچار ہو کر وطن واپس آگیا۔ اہلِ وطن نے پوچھا۔ واپس کیوں آگئے۔ جواب دیا کہ میں نے وہاں قیام کی

ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ اس لیے وہاں کے رہنے والے اوقات خورد و نوش کا لحاظ رکھتے ہیں، یعنی جب بھوک کا غلبہ ہوتا اور بھوک خوب لگتی ہے تو وہ کھاتے ہیں اور ابھی بھوک باقی رہتی ہے کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اس لیے وہ بیمار ہی نہیں ہوتے۔" بعض مورخین اس نقل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک کی جانب منسوب کرتے ہیں کہ روم (ترکی) کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ نے اس حکیم حاذق کو صحابہ کرام کے علاج معالجہ کی خاطر، بطور ہدیہ آپ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا تھا۔ یہ حکیم ایک سال تک یہاں مقیم رہا۔ لیکن جب کوئی یہاں بیمار ہی نہ ہوا تو واپس چلا گیا اور یہاں کے لوگوں سے صحابۂ کرام کی یہ حالت و عادت بیان کی۔ اس پر تمام حاضرین مجلس کو بڑی حیرت ہوئی اور وہ اسلام کی خوبیوں کے معترف ہو گئے۔

**نور ۷:** ہمیشہ باوضو رہو تاکہ روزی میں فراخی پاؤ اور اگر دائمی طور پر باوضو رہنا میسر نہ ہو تو اکثر اوقات باوضو رہو۔ اور اگر کسی بناء پر ایسا بھی نہ کر سکو تو کم از کم پنج گانہ نمازوں کے لیے تازہ وضو کرو۔ اور اگر کسی علت کے باعث یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی قدرت و امکان بھر، اس پر عمل پیرا ہو کہ باعث برکت و موجب ترقی رزق ہے۔

**نور ۸:** بُری موت اور سلب ایمان سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ بُری موت دو قسم پر ہے۔ اوّل یہ کہ معاذ اللہ ایمان ہی سلب ہو جائے اور دوسرا یہ کہ دُنیا کی محبت و خیال میں گرفتار، دُنیا سے رخصت ہو۔ یعنی آخری سانسوں میں بھی مال و متاع زن و فرزند اور دنیاوی یار دوست احباب کی محبت میں سمائی رہے۔ دراصل دُنیا انہیں چیزوں کی محبت میں گرفتاری کا نام ہے اور یہ بھی سوءِ خاتمہ یعنی بُری موت کی ایک قسم ہے۔ آدمی کو اس حالت میں موت آئے تو گناہ گار صورت مرے گا اور اس بے ہودہ خیال کی کچھ سزا پائے گا۔ اگرچہ آخر کار اس سے نجات حاصل کر لے۔ اللہ تعالیٰ کے بندگانِ خاص اس بُری موت سے بھی ہمیشہ خائف

رہتے ہیں. تو کیا چیز ہے کہ بے فکر بیٹھا ہے۔ الٰہی ہمیں ان دونوں بُری موتوں سے محفوظ رکھ۔ بجاہِ سید الکونین سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکرمنہٖ و لیک الغوث الاعظم آمین۔

## نور ۹

ابلیس ملعون کی ذریات میں دو شیطان ایسے ہیں کہ جب انسان بالغ ہوتا ہے تو وہ دونوں آتے اور اُس کے دل پر قبضہ جما لیتے ہیں.

ان میں سے ایک اس کے ایمانی عقائد میں خدشے پیدا کرتا اور اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ بن دیکھے خدا پر تو کیسے ایمان لے آیا کہ وہ ایک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دو یا زیادہ ہوں بلکہ یہی ہونا چاہیئے اس لیے کہ ایسے وسیع عالم کا انتظام و انصرام ایک ہی ہستی سے، کسی طرح اصلاح پذیر ہو سکتا ہے۔

یونہی دیکھے بغیر انبیاء کی تصدیق تو نے کیسے کر دی، ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی شان و شوکت کی خاطر ایسے دعوے کیے ہیں۔ یونہی معجزات کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایسے امور جادوگروں سے بھی صادر ہو سکتے ہیں. ہو سکتا ہے انبیاء بھی انہیں جادوگروں میں ہوں۔

یونہی اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر، فرشتوں کے وجود کو تو نے کس طرح تسلیم کر لیا کہ وہ تدابیر عالم پر مامور ہیں۔ غرض اسلامی عقائد میں وہ اسی قسم کے خطرات اور وسوسے دل میں پیدا کرتا ہے۔

اور ۲ دوسرا شیطان دین کی فروعات مثلاً نماز روزہ وغیرہ میں شک اور وسوسے دل میں ڈالتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ تیری نماز ہی نہ ہوئی فلاں رکن تجھ سے چھوٹ گیا۔ تیرا وضو نہ ہوا اس لیے کہ تُو نے مسح نہ کیا۔ یا کہتا ہے کہ قعدہ کیوں کرتا ہے یہ تو پہلی یا تیسری رکعت ہے یا کہتا ہے کہ تُو نے روزہ کی نیت نہیں کی۔ یا پانی تیرے حلق سے اُتر گیا۔ غرض ایسے ہی وسوسے اور بے سر و پا خیالات دل میں ڈالتا ہے اور انسان وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پاگلوں کی سی حرکتوں پر اتر آتا ہے۔ بلکہ بعض لوگ اس کے وسوسوں کا شکار ہو کر الحاد و بے دینی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ الٰہی ہمیں

ان دونوں کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔

اسی لیے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ بندہ، ان دونوں دشمنوں کے اقوال وخطرات پر عمل نہ کرے بلکہ اُس کے خلاف کرے۔ اگر وہ کہے کہ یہ رات ہے تو یہ کہے کہ دن ہے اور وہ کہے کہ دن ہے تو یہ کہے رات ہے وہ دونوں ملعون خود ہی پشیمان ہو کر خائب وخاسر پلٹ جائیں گے۔ دراصل ان شیاطین کی عادت ہی یہ ہے کہ ان کی باتوں پر لگے اور اُن پر غور وخوض اور تردّد کیجیے تو یہ دلیر ہو جاتے ہیں اور ان کو منہ نہ لگایئے اور منہ پھیر کر ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہو جایئے تو دور و برگشتہ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جس وقت کوئی وسوسہ دل میں پیدا ہو تو سمجھ لے کہ یہ میرے دل کی بات نہیں بلکہ کوئی دوسرا میرے دل میں اگر ایسی باتیں بنا رہا ہے، اور ب مجھے مدد الٰہی کے بغیر اس کے بھگانے پر قدرت نہیں۔ میں تو وہی سر جھکانے والا، اپنے اللہ کا بندہ اور اس کا فرماں پذیر اور ایمان گزیں ہوں، جیسا کہ پہلے تھا۔

اس مبارک خیال وتصور کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ایمان ثابت قدم رہے گا اور عبادت میں چُست وچالاک، اور اسی وقت ان دشمنوں کے وسوسوں سے نجات پائے گا، خراب وبرباد نہ ہوگا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

**نور ۱۰۱:** وصول الی اللہ یعنی حق جل مجدہٗ تک رسائی نہ ان اذکار واشغال وغیرہ پر موقوف ہے۔ اور نہ اس کی طرف راہیں، ان پر منحصر۔ وصول الی اللہ کے طریقے بکثرت کثیرہ ہیں اور بے حساب وبے شمار۔ چنانچہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ طرق الوصولِ الی اللہِ بعددِ انفاس الخلائق، یعنی اللہ تعالیٰ تک رسائی کے طریقے شمار میں تمام مخلوق کے سانسوں کے برابر ہیں (یعنی بے حدّ وعدد وشمار) اس لیے وصول الی اللہ جس طرح اور جس طور پر میسر آئے اور اس سے دلجمعی وطمانیت قلبی نصیب ہو وہی تمہارا ذکر وشغل ہے۔ اسی کو طریق وصول جانو، اور اسی پر کاربند رہو اور اسی کو اپنا خدمت گار سمجھو۔ اسے یوں سمجھ لو کہ اگر کسی کو یہ دولت دینی کتابوں کے مطالعہ سے میسر آئے اور اس سے اُس کا باطن مطمئن ہو تو اس کے

لیے یہی مطالعہ کتب، ذکر و شغل ہے اور اگر کسی کو صالحین کی ہم نشینی میسّر آئے تو یہی صحبتِ صالحین، اس کے حق میں ذکر و شغل ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اذکار و اشغال کی فضیلتیں صرف تسبیح و تہلیل میں منحصر نہیں بلکہ کسی بھی عملِ خیر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بندہ، اس کے ذاکرین میں شامل ہے" میں نے یہ فائدہ عجیبہ اپنے مرشد گرامی کی تعلیم کے مطابق تحریر کیا اور آپ نے اسی طرح اپنا فیضان پہنچایا اور اس کی اجازت دی۔ اُس سخی ولی نے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

**نور ۱۱:-** مشائخ کرام کا اس باب میں اختلاف ہے کہ سالک لیے اقامت بہتر ہے یا سفر و سیاحت۔ کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ وطن میں مقیم رہنا سالک کے حق میں بہتر ہے جبکہ دوسرے حضرات کے نزدیک دوسرے شہروں تک سفر و سیاحت بہتر ہے۔ لیکن اس سیاحت میں حکمت کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہمارے مشائخ نے یہ دیا ہے کہ وصول الی اللہ ہمارے قبضہ و اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کے الہام پر مبنی ہے اور یہ حالات میں اختلاف سے خود بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ اب اگر مخلوقِ الٰہی کی ہدایت اور انہیں فیض رسانی، سفر میں زیادہ میسّر آئے تو سفر و سیاحت افضل ہے۔ حضر و اقامت سے۔ اور اس کے برعکس حالات ہوں تو اقامت، سیاحت سے بہتر ہے۔ اور اگر بندگانِ خدا کی رہنمائی سفر و حضر، دونوں حالتوں میں یکساں ہو۔ تب بھی اقامت کو سیاحت پر فوقیت ہے، اس لیے کہ اقامت میں بمقابلہ سیاحت، جمعیت خاطر و دل جمعی زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہ ہمارے شیخ و مرشد برحق سیدی السید الشاہ آلِ رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں مجھے اختیار دے دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ میں تمہیں اقامت کی ترغیب دیتا ہوں اور نہ اس بارے میں تم پر راہ سفر تنگ کرتا ہوں بلکہ اسے تمہاری مرضی و اختیار پر چھوڑتا ہوں (جو اور جیسا مناسب جانو عمل میں لاؤ) اس لیے کہ میں تمہارے اہلِ قرابت کے حالات سے خوب واقف ہوں۔ ان میں بلشتر

تم سے عداوت و عناد رکھتے ہیں۔ البتہ کچھ دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور کچھ اسے ظاہر کر بیٹھے ہیں۔ ہاں گنتی کے کچھ لوگ دل و جان سے تمہارے موافق ہیں۔ ان کو چھوڑ کر باقی ماندہ قرابت دار، اگر دُور رہو گے تو تمہیں اپنا دشمن سمجھتے رہیں اور سامنے رہو گے، تو اذیت پہنچائیں گے اور تمہیں اپنے شہر میں اقامت پذیر نہ رہنے دیں گے۔ اس لیے میں تمہیں وطن میں اقامت پر مجبور نہیں کرتا۔ بلکہ تمہیں اختیارِ کلّی دیتا ہوں۔ چاہو تو یہاں مقیم رہو اور چاہو تو سفر اختیار کرو۔ یہ سب میں نے اپنے جدّ اکرم و مرشد محترم سے خود سنا ہے۔

**نور ۱۲:** اپنے روز و شب کے اوقات اس طرح مقرر کریں کہ جب رات کا ایک مختصر حصّہ باقی رہے بیدار ہو جائیں اور فوراً کوئی بات کیے بغیر، کلمہ طیبہ پڑھیں، اور حکمت اس میں یہ ہے کہ مسلمان کا دل، بیداری کے وقت پاک صاف ہوتا ہے۔ تمام نفسانی اور شیطانی کدورتوں سے۔ اور جب اس پر کلمہ طیبہ کا ذکر منقش ہو گا تو کلمہ کا نقش دل پر مستقر ہو جائے گا ورنہ کچھ دیر بعد پھر وہی شیطانی وسوسے اور نفسانی خطرے دل میں داخل ہونا شروع ہو جائیں گے، اور کلمۂ طیبہ کے ذکر کی تاثیر درہم برہم ہو جائے گی اور کلمہ دل میں منقش نہ ہوگا۔ اس لیے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے بستر سے اٹھیں تاکہ سالک کا دل ذکرِ الٰہی سے تابندہ و روشن رہے۔

اس کے بعد طہارت و استنجا اور وضو وغیرہ سے فراغت پا کر، نمازِ تہجد ادا کریں۔ وہی بارہ رکعتیں (کہ معمول مشائخؒ ہیں) دو دو رکعت کی نیت یعنی چھ سلاموں سے، اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین بار۔

اس کے بعد، اپنے مرشد برحق کی تعلیم کے موافق، اذکار و اشغال اور مراقبہ کی طرف توجہ دیں اور صبح صادق تک اس میں مصروف رہیں۔ طلوعِ صبح صادق کے بعد پھر تازہ وضو کے ساتھ نمازِ فجر مسجد میں باجماعت ادا کریں اور کسی سے بات کیے بغیر پھر اپنے تزکیہ باطن کی طرف متوجہ ہوں، اور جب آفتاب بقدر ایک نیزہ کے بلند ہو جائے تو نمازِ اشراق ادا کریں یعنی چار رکعتیں دو سلام سے، اور ہر رکعت میں

سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھیں۔

اس کے بعد اپنے خاندان کے معمولات، اوراد و ظائف زبانی طور پر پڑھیں۔ اپنے گھر میں اپنی قیام گاہ پر۔ اور جب تقریباً ایک چوتھائی دن کا حصہ گزر جائے تو اب نماز چاشت پڑھیں اور یہ بھی چار رکعتیں ہیں دو سلام سے اور ان میں بھی سورہ فاتحہ کے بعد، تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔

پھر درگاہِ معلیٰ پر حاضر ہوں اور وہاں روزانہ کے وِرد و اذکار پڑھ کر اس کا ثواب اپنے بزرگانِ دین کی ارواح کو ہدیہ کریں۔

اس سے فارغ ہو کر اپنے دوسرے معمولات مثلاً درس و تدریس یا کسب و ریاضت اور مزدوری و نوکری، جو بر وجہ حلال میسر ہو، ان کی طرف متوجہ ہوں۔

اور پھر دوبارہ آجائے تو بقدر ضرورت کچھ غذا کھا پی کر کچھ دیر قیلولہ کریں تا کہ شب بیداری کی تکان دور ہو (اور ذکر الٰہی میں خلل نہ پیدا ہو)

پھر نمازِ ظہر کے اول وقت اُٹھیں اور طہارت و وضو وغیرہ کر کے، نمازِ ظہر باجماعت ادا کریں پھر تلاوت قرآن کریم کم از کم سوا پارہ، اور دلائل الخیرات و حصن حصین کی قرأت میں مصروف ہوں۔ اور پھر کچھ وقت، حدیث و تفسیر اور دوسرے علومِ دینیہ کی درس و تدریس میں صرف کریں اور اس سے فراغت پائیں تو کچھ اپنا دنیا دی کاروبار وقت عصر تک انجام دیں۔

جب نماز عصر کا وقت آجائے تو نماز باجماعت سے فراغت پا کر، خاموشی سے نماز مغرب تک وقت گزاریں۔ یعنی کسی سے بات چیت کیے بغیر، ذکر الٰہی میں مشغول رہیں تا کہ عصر و مغرب کا درمیانی وقت ذکر سے معمور رہے کہ صبح عاشقاں یہی ہے۔ اس دوران باطنی سبق سے غافل نہ رہے بلکہ قلب کی طرف توجہ دے اور جتنا بآسانی ہو سکے اذکار و اشغال میں مصروف وقت گزارے۔ یہاں تک کہ جب آفتاب میں زردی آجائے اور غروب ہونے لگے تو اس روز کے گزرنے پر حسرت و تاسف کا اظہار کرے کہ میں نے بے مصرف گزارا۔ دن تمام ہونے پر آیا اور میں اپنے مالک و

مولیٰ جلّ جلالہٗ کی کوئی طاعت و عبادت نہ کر سکا اور ہو سکے تو اس پر روئے بشرطیکہ دل پر کیف طاری ہو اور کوشش کرے کہ یہ بناوٹی نہ ہو اور نہ اس میں نمود و نمائش آنے پائے۔

اب کہ نماز مغرب کا وقت آیا نماز باجماعت ادا کرکے، نماز اوابین پڑھے۔ وہی چھ رکعتیں تین سلام سے اور سورہ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر پوری کرے۔ یہ رکعتیں اپنے مرشدانِ طریقت کی ارواح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے پڑھی جائیں۔ نماز اوابین وغیرہ سے فراغت ہو تو اپنے اہل خانہ میں آئیں اور اہل و عیال کی دلجوئی کریں کہ یہی عادت کریمہ تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اس کے بعد اگر طلب علم میں ہنوز مصروفیت ہے تو کتابوں کے مطالعہ کی جانب متوجہ ہوں اور پھر نماز عشاء کا وقت آئے تو باجماعت نماز ادا کریں۔ پھر بقدر رت کھاپی کر باوضو کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھتے ہوئے سو جائیں اور جب صبح بیدار ہوں تو پھر اپنے معمولات مذکور بالا میں مشغول ہو جائیں۔ تصفیہ باطن اور قلب کی صفائی کے لیے ان اوقات کو پابندی سے مصروف ذکر رکھنا ضروری جانیں۔ یہ فقیر مرشد گرامی کے ارشاد کے مطابق، نو سال کی عمر سے کامل دس سال تک ان اوقات پر کاربند رہا ہے۔

**نور ۱۳:-** نماز ظہر سے فارغ ہو کر، قرآن کریم کی تلاوت، قاعدہ فَمِیْ یِشَوْقِ (جس کی تفصیل آئندہ آتی ہے) یا کسی اور قاعدہ معمولہ کے مطابق اور حصنِ حصین و حزب البحر و دلائل الخیرات کی قرأت میں مصروفیت لازم جانیں کہ اس وقت یہ ہمارے خاندانی معمولات میں سے ایک اہم معمول ہے اور تلاوتِ قرآن کریم کی تلاوت کا اقل درجہ سوا پارہ ہے۔

یونہی تفسیر و حدیث اور دوسری دینی کتابوں کی درس و تدریس بھی ان اوقات میں یعنی بعد نماز ظہر اپنا معمول بنائے اور اس کا عادی ہو جائے۔

**نور ۱۴:-** خاندانِ طریقت کے تمام شجرے بالخصوص وہ شجرہ جس میں وہ مرید ہے اس کے پڑھنے کی عادت اس طرح ڈالے کہ پہلے درود شریف غوثیہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ سیدنا محمدٍ معدنِ الجود والکرم وآلہٖ وسلم گیارہ مرتبہ پڑھے پھر سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی ایک ایک بار اور سورہ اخلاص مع بسم اللہ سات یا تین مرتبہ اور پھر آخر میں سات بار یا تین بار درود شریف مذکورہ بالا پڑھے۔ اور پھر جو کچھ پڑھا ہے اس سب کا ثواب نام بنام اپنے مرشدان کرام کو ہدیہ کرے اور خود اس کا نام بھی اُن میں شامل کرکے فاتحہ پڑھے اور ان تمام اولیائے کرام کے وسیلہ جلیلہ سے خود اپنے حق میں بھی دعائے خیر کرے ، یہ فاتحہ بھی بعد نماز فجر یا بعد نماز مغرب، نماز اوابین کا ثواب اس میں شامل کرکے، ضرور ادا کرتا رہے اکہ جب یہ اپنے مرشدانِ برحق کا نام لیتا رہے گا تو وہ بھی اس کی جانب توجہ فرمائیں گے۔

**نورُ ۱۵:-** مناسبت مقام کے لحاظ سے میں اپنے خاندان برکاتیہ کے چند مخصوص اوراد و اشغال اس خاندان عالی کے متوسلین کے لیے لکھتا ہوں تاکہ وہ اس پر عمل پیرا ہیں کہ محنت قلیل ہے اور منفعت ان کی کثیر۔

**نورُ ۱۶:-** ان اوراد و اشغال میں پہلا وِرد پنج گنج صغیر ہے۔ ہر نماز کے بعد اس کا پڑھنا ہمارے خاندان کا معمول رہا ہے۔ یعنی بعد نماز فجر یا عزیز یا اللہ، بعد نماز ظہر یا کریم یا اللہ، بعد نماز عصر یا جبار یا اللہ، بعد نماز مغرب یا ستار یا اللہ اور بعد نماز عشاء یا غفار یا اللہ ہر ایک سو سو مرتبہ۔

**نورُ ۱۷:-** دوسرا ورد پنج گنج کبیر ہے۔ یعنی بعد نماز فجر یا حیُّ یا قیومُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ط ۱۱۱ مرتبہ اول و آخر درود شریف تین تین مرتبہ اور اس کے بعد گیارہ مرتبہ یہ آیہ کریمہ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ط گیارہ مرتبہ بعد نماز ظہر یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ ایک سو گیارہ مرتبہ، اول و آخر درود شریف، تین تین بار۔ بعد نماز عصر حَسْبُنَا اللہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ایک سو گیارہ مرتبہ اور درود شریف تین تین بار، بعد نماز مغرب رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

ایک سو گیارہ بار اور اول و آخر تین تین بار درود شریف، پھر بعد نماز عشاء وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ ط ایک سو گیارہ مرتبہ اول و آخر تین تین مرتبہ درود پاک۔

**نور ۱۸:** تیسرا شغل "اوراد خمسہ" ہیں۔ ان پانچ وظائف میں پہلے ۲ دو تو وہی پنج گنج صغیر اور پنج گنج کبیر ہیں۔ ان دونوں کو ان اوراد میں شامل رکھیں اور دونوں کی نیت سے پڑھیں۔ یعنی بہ نیت گنج بھی اور بہ نیتِ وِرد بھی، ان اوراد خمسہ ۵ میں باقی تین کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں اول ورد ہے نَسْهِلْ یا الٰہی کُلَّ صَعْبٍ، بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَبْرَارِ سَہِّلْ۔ ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھیں۔ اول و آخر درود شریف۔

دوسرا ورد ہے اللّٰہ صَمَدِی، مِنْ عِنْدِكَ مَدَدِی، وَعَلَیْكَ مُعْتَمَدِی دس مرتبہ نَادِ عَلِیًّا الخ ایک سو دس مرتبہ پڑھ کر، دس مرتبہ یہ دعا پڑھیں۔ یَا اَبَا الْغَیْثِ اَغِثْنِیْ، یَا عَلِیُّ اَدْرِكْنِیْ بِمُحَمَّدٍ وَعِتْرَتِہِ الطَّاهِرِیْنَ۔ اول آخر تین تین بار درود پاک، پھر اول آخر تین بار درود شریف کے ساتھ گیارہ مرتبہ یَا شَیْخ عَبْدُ الْقَادِر شَیْئًا لِلّٰہِ۔

اور ان اوراد میں سے تیسرا ورد ہے۔ درود قادریہ غوثیہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَآلِہٖ وَسَلِّمْ تین مرتبہ پڑھ کر اس سے معاً متصل درود اُویسیہ، ساٹھ مرتبہ پڑھیں اور پھر تین بار درود غوثیہ پڑھیں۔ درود اویسیہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَا عِنْدَكَ مِنَ الْعَدَدِ فِیْ کُلِّ لَحْظَۃٍ وَلَمْحَۃٍ مِنَ الْاَزَلِ اِلَی الْاَبَدِ وَآلِہٖ وَسَلِّمْ۔

**نور ۱۹:** ان اشغالِ مخصوصہ میں چوتھا شغل، پانچ اشغال کا مجموعہ ہے (جسے اشغال خمسہ کہا جاتا ہے) یہ پانچوں شغل نماز پنج گانہ کے بعد ادا کیے جاتے ہیں۔ ان کا ذریعہ سانس ہے۔ اس طرح کہ زبان کو اس کی خبر نہ ہو (یعنی زبان ذرہ برابر حرکت نہ کرے) ان میں سے ہر ایک گیارہ بار پڑھا جاتا ہے اور پھر

کوئی بات کیے بغیر درود و سلام پڑھتے ہیں. شُغل سے پہلے دعا کرنا مناسب تر ہے تاکہ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ پر عمل ہو جائے۔ ان اوراد میں شغل اول جو بعد نماز فجر عمل میں لاتے ہیں۔ یہ ہے کلمہ طیبہ جزاول لا الٰہ الاّ اللّٰہ کا ذکر (دو زانو آنکھ بند کیے، زبان تالو سے جمائے محض تصوّر سے کہ سانس کی آواز بھی نہ سنائی دے) اس طرح کرے کہ اس جز کا شطر اول یعنی لا الٰہ کہ نفی محض ہے، سانس لیتے ہوئے قلب نیلوفری سے اُمّ مُدَوَّرِی تک سر اُٹھاتا ہوا لے جائے اور شطر ثانی کہ اثبات ہے (یعنی اِلا اللّٰہ) اُسے سانس نیچے لیتے ہوئے، پہلی صورت کے برعکس، سر جھکاتے ہوتے ضرب خفی لگائے. اور شغل ثانی کہ بعد نماز ظہر معمول ہے اس میں اثبات یعنی اِلا اللّٰہ کے دو شطر ہیں. شطر اول یعنی لام تعریف اور شطر ثانی اسم ذات اللّٰہ کا لام ہے اور حرف آخر، ساکن یعنی اظہار ضمہ کے بغیر (یعنی اِلَّل لاہ) ان دونوں کا ذکر حسب طریقہ مذکور بالا عمل میں لائے) تیسرا شغل نماز عصر کے بعد صرف اسم ذات اللّٰہ کا ذکر ہے. اسی طرح دو حصوں پر منقسم یعنی شطر اول اَلّا اور شطر ثانی ہُ ساکن غیر متحرک. چوتھا شغل بعد نماز مغرب نماز عصر کے ذکر کی مانند ہے البتہ اس میں ہ پر ضمہ یا اس کا کچھ اثر رکھتے ہیں اور پانچوں شغل بعد نماز عشاء وہی نماز فجر کا شغل ہے البتہ اس میں اسم ذات اللّٰہ کی بجائے ضمیر ہے یعنی ھُوْ. بوقف واؤ (یہ طریقے اس وجہ سے مفید ہیں کہ انہیں مخفی رکھتے اور رموز میں لکھتے ہیں تاکہ یہ خزانہ نااہل کے ہاتھ نہ لگے. حضرت مصنف نے اسے اپنے خاص برادرانِ طریقت کے لیے عام کیا. مترجم)

**نُور ۲۰:-** ہر فرض نماز (اور سُنّتِ مؤکدہ بعد یہ) کے بعد شجرہ چشتیہ ملحوظ رکھتے ہوئے. گیارہ گیارہ بار ضرب نفی و اثبات، دو ضربی جہری آواز سے، کرنا چاہئے. طریقہ اس کا یہ ہے کہ لا الٰہ ناف سے با آواز بلند (لا کا لام نکال کر سر بتدریج اُوپر اٹھاتا ہوا، الٰہ کی ہ) دماغ تک لے اور معاً الا اللّٰہ (کا پہلا ہمزہ وہاں سے شروع کرکے اس) کی ضرب، نیچے سانس لیتے ہوئے باآوازِ

بلند، بقوت تمام، دل پر لگائے۔ پھر دعا مانگے۔

یہ تمام اشغال بزرگان مارہرہ کے معمولات میں شامل رہے۔ لیکن اب سب متروک ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

**نور ۲۱:-** نمازِ اشراق سے فارغ ہوتے ہی حویلیٔ سجادگی ہیں، بیک وقت دعائے حرز یمانی، دعائے حزب البحر و چہل اسماء بطور خمسہ پڑھنا بھی اپنا فرض جانیں اور درگاہِ معلیٰ میں حاضر ہو کر بزرگانِ طریقت کی ارواح طیبہ کو ایصالِ ثواب کی نیت سے پنج سورہ باری تعالیٰ کے ننانوے نام اور تراسی آیاتِ حروف تہجی مع موکلات پڑھیں۔ نیز درگاہ شریف میں چہل اسماء پڑھنا بھی موجب برکت ہے اور یہیں پر درودِ غوثیہ کلاں اور درود مستغاث بھی پڑھنا چاہیے۔

**نور ۲۲:-** بیعت لینے اور طالب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی بیعت کا خواستگار آئے اور اپنے مرید ہونے کی استدعا کرے تو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ واقعی قابل بیعت ہے یا نہیں۔ اگر اس میں بیعت کی شرائط پائی جائیں تو اب اس سے معلوم کریں کہ اس سے پہلے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہے کہ اب تک میں بیعت نہیں ہوا تو اب اس سے اس کے آباء و اجداد کا حال دریافت کریں کہ وہ کس خاندان میں منسلک ہیں۔ وہ جس خاندان کا نام لے، اگر اُسے اس خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہو تو اسی خاندان میں بیعت کرے، اور اگر اس خاندان کی اُسے اجازت نہ ہو تو صاف صاف اس سے معذرت کر دے کہ ہمیں اس خاندان کی اجازت نہیں اس کے علاوہ فلاں فلاں خاندان میں ہم بیعت کر سکتے ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ ان میں سے کس خاندان کا مرید ہونا چاہتے ہو۔ اب وہ جس خاندان میں بیعت کا خواہاں ہو اُسی خاندان میں اُسے منسلک کر دیں۔

ایک صاحب ہمارے مرشدِ گرامی قدر کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ مجھے

بیعت فرمالیں۔ آپ نے اس سے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ میں تمہیں اپنی بیعت میں نہیں لے سکتا۔ تم خاندانِ صابریہ سے ہو اور ہمیں اس خاندان کی اجازت نہیں۔ ہمیں اس بارے میں حضرت مخدوم صابر سے بڑی شرمندگی ہوگی۔ عرض کیا کہ میں حضور کے سوا کسی اور کا مُرید نہ ہوں گا۔ "خیر آپ نے انہیں قیام کی اجازت دی اور تین روز بعد ارشاد فرمایا کہ فلاں صاحب کو جو طلبِ بیعت کے لیے آئے تھے بلایا جائے۔ جب وہ صاحب حاضر خدمت ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اب آؤ تمہیں بیعت کروں کہ مجھے حضرت مخدوم صابر سے اجازت مرحمت ہو چکی ہے۔

یہ حکایت میں نے خود اپنے جدِ مرشد سے سُنی ہے۔ البتہ یہ بات مشکوک ہے کہ حضرت والا نے انہیں کس خاندان میں مرید کیا۔ صابریہ میں یا قادریہ میں۔

القصہ جب کسی کو مرید بنانا مقصود ہو تو اسے حکم دیں کہ وہ تازہ غسل (یا وضو) کرے۔ پھر بہ نیتِ توبہ و انابت دو رکعت نماز نفل ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورہ اخلاص کے ساتھ پڑھے۔ نماز سے فارغ ہو کر جب تک بیعت نہ ہو جائے کوئی بات نہ کرے۔ تھوڑی سی شیرینی کہ وہ بآسانی لا سکتا ہو اپنے شیخ کے روبرو حاضر لائے اور عقیدت سے یا ادب سے وہاں کھڑا رہے شیخ اس شیرینی پر اپنے سلسلہ کے بزرگانِ طریقت کی فاتحہ پڑھے اور اپنے مرید کے حق میں دعائے استقامت کرے کہ اللہ اُسے دین پر ثابت قدم رکھے۔ اب شیخ اُسے اپنے مقابل بٹھائے (گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر) اور جیسے مصافحہ کرتے ہیں اس کا ہاتھ تھام لے۔ پھر بسم اللہ اور کلمہ طیبہ استغفار اور یا اللہ اس سے کہلائے، اور اس سے زبانی طور پر اُسکی کی زبان میں گناہوں سے توبہ کرائے اور پھر قینچی سے اس کی پیشانی کے دو تین بال تراش لے کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے۔ اس کے بعد دو مرتبہ اُسے اپنے ہاتھ سے شیرینی دے اور اُسے تاکید کر دے کہ وہ خود کھائے، اس میں سے کسی اور کو کچھ نہ دے۔" مرید بنانے کا یہ طریقہ ہے جو مذکور ہوا۔

**نور ۲۳**:۔ اگر کوئی شخص کسی اور شیخ کا مرید ہو (اور بہ نیت بیعت آئے) تو

اُسے مرید نہ کرے۔ ہاں طالب بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ طالب بنانے میں شیرینی اور دوگانہ و مصافحہ کی قید نہیں۔ صرف اس سلسلہ کی فاتحہ پڑھ کر جس میں وہ مرید ہونا چاہتا ہے۔ اجازت دے دے کہ وہ اس سلسلہ کا شجرہ پڑھتا رہے۔ البتہ دو تین مرتبہ تبرک اور حصول برکت کے لیے اُس سے کلمہ طیبہ و استغفار اور یا اللہ کہلائے۔ پھر اس کی اہلیت کے لائق اُسے ذکر نفی و اثبات و اسم ذات تعلیم کرے۔ کہ یہ پہلی ابجد ہے اور نماز روزہ اور شریعت پر استقامت کی تاکید و نصیحت مرید اور طالب دونوں کو کرے۔ (کہ کسی حال اس سے غافل نہ رہیں۔)

**فائدہ** :۔ تجدید بیعت دوسری بار ہو خواہ تیسری بار، جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر ضرورت شدید ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ متقدمین اس بارے میں شدید ممانعت فرماتے ہے کہ بلاضرورت کسی اور مرشد کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ کتاب سلوک میں شرائط بیعت کی چھٹی شرط یہ ہے کہ پیر اپنے مریدوں کو اس بات کی اجازت نہ دے کہ وہ کسی اور پیر کی ہم نشینی اختیار کریں اور نہ اُسے دوسرے پیر کے مریدوں کی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت دے حکمت اس میں ہے کہ ممکن ہے اس مرید کا مزاج و اشتیاق، دوسرے شیخ کے کسی ایک ہی مرید کے مزاج سے ہم آہنگ و موافق نہ ہو۔ اور مشائخ کرام پر لازم ہے کہ مرید کو اس کے مزاج و خواہش کے مخالف عمل کا حکم دیں (تاکہ نفس امارہ مطیع ہو جائے) اب جبکہ دو پیروں کے مریدوں کے مابین نشست و برخاست کا سلسلہ ہو۔ اور دونوں کی امنگیں، ایک دوسرے کے خلاف ہوں اور دونوں کے پیروں کے احکام ان کی امنگوں اور خواہشوں کے مخالف ہوں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی جب دوسرے پیر کے احکام کو اپنی امنگوں کے موافق پائے گا تو اس کا دل ادھر مائل ہوگا۔ اور اپنے شیخ کے احکام کے برعکس، کسی اور کی طرف قلبی میلان و رجحان، اہل طریقت کے نزدیک ارتداد معنوی ہے، اور یہ ارتداد معنوی بحکم طریقت حق سے دوری اور حرمان و بدنصیبی کی موجب ہے۔

ظاہر ہے کہ جب اس کا دلی رُجحان کسی اور پیر کی طرف ہوگا تو خود اس کے اپنے پیر کی وقعت اس کی نگاہوں میں کم ہوگی اور دوسرے پیر کی طرف اس کا میلان قوی ہوگا یہاں تک کہ وہ اس کی ہم نشینی وخدمت گزاری کو اپنا دینی فریضہ تصور کرے گا۔ اور اب اگر یہ دوسرا پیر بھی ارباب حقیقت سے ہے تو اپنے مقام شیخوخیت کا لحاظ فرماتے ہوئے اسی چیز کا حکم دے گا جو اس مرید کے شیخ اول نے دیا تھا اور جب یہ دیکھے گا کہ اس کے احکام بھی اس کی امنگوں کے برخلاف ہیں تو پھر اپنے شیخ کی طرف رجوع ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اس کی طلب صادق نہ تھی اور یہ اس مشہور کہاوت کا مصداق بن جائے گا کہ

"ازیں جا راندہ وازانجا ماندہ" خوار و ناکارہ اور سرگشتہ و پریشان اپنی بدطینتی اور بدخصلتی کے قیدخانہ میں دوسروں کی طرح سرگرداں و پشیمان، (دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا) اللہ تعالیٰ ہمیں اس فتنہ ومحرومی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

**سوال**:۔ دوسرے شیخ سے تجدید بیعت، جائز ہے یا نہیں؟

**جواب**: پہلی بیعت اگر شیخ کامل کے ہاتھوں پر بطریق احسن حاصل ہو چکی تو اب دوسرے سے تجدید بیعت کی حاجت نہیں۔ یعنی اگر شیخ اول کی بیعت سے سکونِ قلبی اپنے انجام تک پہنچا یعنی مرتبۂ فنا وبقا میسر آچکا تو تجدید بیعت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہاں اگر وہ سکونِ قلبی میسر نہ آسکا تو مرید کو اختیار ہے ضرورت جانے تو تجدید بیعت کرلے)

**نورُ ۲۴**: پیر اور مرید اگر باہم کسی ایک جگہ بیٹھیں تو مریدوں کو چاہیئے کہ حتی الامکان آداب کی نگہداشت کریں اور شیخ کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے وقار کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ فضول ولاحاصل باتیں اور بے تکلفی درمیان میں نہ آنے دے اور زیادہ خلط ملط بھی روا نہ رکھے۔ ورنہ مرید کی نگاہوں میں پیر بے وقعت ہوجائے گا اور اس کی عظمت وہیبت جلالت ووقعت اور قدر ومنزلت

برقرار و محفوظ نہ رہے گی اور مرید ہونے کے فوائد سب ملیا میٹ ہو جائیں گے۔ اور اس قسم کے مریدوں کو اس قسم کے پیروں سے بے تکلفی کے باعث کشادگی نصیب نہ ہوگی۔

اس لیے کہتے ہیں کہ شوہر کی نصیحت چونکہ عورت کے حق میں زیادہ نفع بخش نہیں ہوتی۔ لہٰذا عورتوں کو اپنے شوہروں کے ہاتھ پر بیعت ہونا، جبکہ مجبوریاں نہ ہوں، پسندیدہ نہیں۔

**نور ۲۵:** مرید پر توجہ ڈالنے کا طریقہ جو ہمارے خاندانِ قادریہ میں معمول رہا ہے وہ یہ ہے کہ پیر اپنی توجہ بالکلیہ اپنے مرید کے دل پر ڈالے اور اُسے حکم دے کہ وہ اپنے گھٹنے، اس پیر کے گھٹنوں سے ملائے رکھے اور آنکھیں بند۔ اور اپنے شیخ کی طرف متوجہ رہے اور یہ تصور باندھے کہ میرا دل اپنے مرشد کے دل سے چسپاں ہے کہ جو کچھ قلب شیخ میں وارد ہوتا ہے وہ مرید تک پہنچتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ شیخ پورے خشوع و خضوع سے بارگاہِ الٰہی کی طرف متوجہ رہے تاکہ ذکرِ الٰہی کی تابش اس کے قلب میں متمکن ہو اور اس کے ذریعہ مرید کے قلب میں قطرہ قطرہ پہنچتی رہے۔ اور ساتھ ہی مرید کا قلب اپنی باطنی قوت سے اپنی جانب کھینچا رکھے۔ اس امر خیر میں اپنے اکابرِ طریقت کی ارواح سے استمداد کرے اور اس تصرف میں آغاز و انجام پر اُن کی مدد کا خواستگار رہے۔"

یہ وہ فائدہ ہے جو خود حضور آلِ احمد اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دست مبارک سے لکھا اور فقیر نے وہاں سے نقل کیا۔

**نور ۲۶:** اجنبی عورت، بیعت کے بعد، اپنے محارم میں نہیں ہو جاتی۔ اجنبی کی اجنبی ہی رہتی ہے اور اس کے ساتھ تنہائی میں رہنا، ویسا ہی حرام ہے جیسا اور اجنبی عورتوں سے۔ پیر اس کا چہرہ دیکھے، اس کے وہی احکام ہیں جو دوسری بیگانی عورتوں کے۔ اس لیے ایک دوسرے کا چہرہ بھی نہ دیکھیں۔ شغلِ برزخ تصوری میں بھی عورتیں شیخ کا چہرہ نہ دیکھیں۔ پانی اور آئینہ میں اس کا عکس

اور تصویر بھی نہ دیکھیں بلکہ اپنے پیر کی صورت کو، اپنے آیئنہ خیال میں، اپنے باپ یا بھائی وغیرہ محارم میں سے کسی ایک کی شکل میں نمودار سمجھ کر اپنے برزخی کو مکمل کریں یہی سلامتی کی راہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات کو خوب جانتا ہے۔

میں نے ایک روز اپنے شیخ برحق سے عرض کیا کہ اس فقیر کو اپنے باقی ماندہ اشغال میں سے کچھ اور اشغال تعلیم فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ یہ ۲ دو اشغالِ درود شریف اختیار کر لو کہ ہمیں ہمارے مرشد برحق نے یہی دونوں شغل ہمیں مرتبہ سلوک کے اختتام پر تعلیم فرمائے تھے۔ ان میں اول ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ (اس کے دو جز ہیں، معطوف و معطوف علیہ) پہلے جز کو نیلوفری سے مدوری تک کھینچ کر لے جاؤ اور دوسرے جز (وآلہٖ) کو قلب صنوبری پر ضرب خفی لگاؤ۔

دوسرا شغل یہ ہے کہ اپنے دل میں دائرہ کی شکل میں قلمِ تصور سے تین سفید نورانی نشانات قائم کرے اور اسے اپنی نگاہوں میں اس طرح رکھے گویا کہ نمایاں طور پر دیکھ رہا ہے۔ اس طرح




## نور ۲۷:

راہِ سلوک میں استقامتِ قلب کے لیے ہر نماز فرض کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھیں یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم دلِ ما را کن مستقیم بحقِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور یہ ہمارے مرشد گرامی کی عنایت بہ غایت تھی کہ ایک روز دوپہر کے وقت، حویلی سجادگی میں قیلولہ کے لیے تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا ورد عنایت فرمایئے کہ زبانی وظائف کے پڑھنے سے شغلِ قلبی میں کوئی حرج نہ پیدا ہو تو آپ نے یہ دعا تعلیم فرمائی۔

یہ دعا آخر ۱۳۶۷ھ یا ۱۳۶۲ھ کے اوائل میں تعلیم فرمائی تھی۔

## نور ۲۸:

اس فقیر کے اہل خاندان سے اگر توفیق الٰہی کسی کی رفیق ہو اور اسے راہ سلوک کا شوق دامنگیر ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے خاندان و سلسلہ

میں داخل ہو کر کہ بفضلہ تعالیٰ کامیابی و نجات کے لیے صحیح و درست مسلک ہے اپنی تعلیم کی خاطر حضرت سید محمد کالپوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ پر جو حضرت کا معمول رہا ہے، عمل پیرا رہے۔ نیز کتاب مستطاب "کاشف الاستار" تالیف شریف حضرت جدی سیدنا الشاہ حمزہ نور اللہ مرقدہٗ، رسالہ چہار انواع اور عوارف ہندی وغیرہا رسائل از تالیفات صاحب البرکات قدس سرہٗ اور رسالہ "تربیت مریداں" مؤلفہ حضرت سیدنا آل احمد عرف اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کا مطالعہ کرے اور ان کی رہنمائی میں راہ سلوک طے کرے۔ بفضلہ تعالیٰ علم باطن سے کامل حصہ پائے گا اور اسے کسی اور شیخ کی رہنمائی کی حاجت درپیش نہ آئے گی۔

اس فقیر کی وصیتوں میں یہ فائدہ بھی ہمہ اوقات قابل لحاظ اور لائق یادداشت ہے اسے یونہی مہمل و لاحاصل سمجھ کر چھوڑ نہ بیٹھیں۔

**نور ۲۹:** مولیٰ تبارک و تعالیٰ اگر کسی بندہ کو اپنی نوازشوں سے سرفراز فرماتے اور اسے کسی مرتبہ بلند و بالا تک پہنچائے تو اس پر لازم ہے کہ مولیٰ جل و علا کا شکر بجالائے اور اپنی حدود سے قدم باہر نہ نکالے، مثل مشہور ہے کہ

ایازؔ قدرِ خود بشناس

(دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ)

اور مخلوق کی نگاہوں میں اپنے اعزاز و نمائش کا اظہار نہ کرے بلکہ اس طرح رہے کہ دنیا دار مخلوق خدا، اسے خوار و آبرو باختہ سمجھیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ بندہ خاص بن جاتا ہے ورنہ "آشِ تو در کاسہ نشست" کا مصداق کہ تیرا نصیب اور تیری قسمت تیرے کاسۂ گدائی میں ہے۔

یہاں مجھے ایک حکایت یاد آئی جسے مناسبتِ مقام کے لحاظ سے لکھتا ہوں کہ "ایک نامور درویش کسی دوسرے درویش کی ملاقات کے لیے شیر پر سوار روانہ ہوا جب اُس درویش کی منزل گاہ پر پہنچا تو کہا السلام علیکم۔ اُس درویش نے جواب دیا وعلیکم السلام اے جابر رعنا (صاحب نخوت و غرور) اس درویش نے کہا کہ آپ نے

مجھے ظالم رعنا (ظالم خود آرا) کیسے فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ ظلم تو تیرا یہ ہے کہ تو نے ایک ایسے جانور سے سواری کا کام لیا اور اپنا بوجھ لادا جس کی پشت کو اللہ تعالیٰ نے بار برداری سے آزاد پیدا فرمایا ہے اور تیری رعنائی (خود نمائی و خود آرائی) یہ ہے کہ مخلوق کو اپنی نمائش کراتا پھر رہا ہے۔

**نور ۳۰** :- شغل ددنیم کہ اسرار خاندانِ برکات سے ہے اور میرا دل اس کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اسے تحریر میں لاؤں۔ اس لیے کہ یہ نایاب ہے اور خاندانِ مارہرہ کے علاوہ کہیں اور اس کا وجود نہیں، لیکن صرف اس خیال سے کہ واقفانِ اسرار، نظروں سے پنہاں ہو گئے۔ کہیں اس کا بچا بچا کر رکھنا، اس کی بربادی کا باعث نہ ہو۔ نوکِ قلم پر لاتا ہوں۔ تاکہ اس فقیر کی رحلت کے بعد ایک یادگار رہے۔

(اور عرض کرتا ہے یہ فقیر مترجم کہ چونکہ شغل ددنیم، عزیز الوجود اور اسرار خاندانِ برکات سے ایک سر خاص ہے، کہ اُسے مخفی رکھتے اور نااہلوں کی دست برد سے بچاتے ہیں۔ اس لیے اس کا اردو ترجمہ، یہ فقیر موقوف رکھتا۔ اور اصل عبارت تحریر میں لاتا ہے کہ جنہیں وہ قادر و قدیر، توفیق خیر رفیق بخشے۔ وہ اس کے فیضان سے محروم نہ رہیں۔ وھی ذہ :-

بدانکہ شغل کثیر المنفعت قلیل المحنت ست۔ وانما سُمّی ددنیم لِتَرکُّبِہٖ من شغلی الفجر والظھر وشطر العصر من الاشغالِ الخمسہ ھکذا افادجدی ومرشدی السید الشاہ آل الرسول الاحمدی نور اللہ مرقدہ وما ھو الا ان تاتی اولاً بشغل الفجر ثم الظھر ثُم العصر مع قطع الھاءِ وعن ھذا صار ددنیم ثم منھم من یضرب علی الصنوبری والاصوب ھو الضرب علی النیلوفری۔ لیکون مطابقاً لما فی الاشغالِ الخمسۃ اذھی الاصل لھذا ومنھا اُخذ کما تری"۔

**نور ۳۱** :- ایک روز حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار السید شاہ آل برکات ستھرے میاں ولد حضرت سید شاہ حمزہ

قدست اسرارہم) سے دریافت کیا کہ حضرت وہ پنج تراکیب کونسی ہیں کہ ہمارے خانوادہ سے مخصوص ہیں، وہ مجھے بھی تعلیم فرمایئے۔ ارشاد فرمایا۔ پنج گنج صغیر و کبیر[1] و اوراد خمسہ[2] و اشغالِ خمسہ[3] و شغل[4] دو دیم و نسخہ کیمیا[5] کہ تین روز، دانہ پانی کے بغیر اس کو عمل میں لاتے اور بقدر ضرورت واقعی اس سے کام چلاتے ہیں۔"

ان میں سے چار پہلی پر اسرار تراکیب میں نے ذہن میں رکھیں۔ نسخہ کیمیا کو میں نے ترک کر دیا اور یہ نہیں کہ میں نے اس اجتناب کلی کیا بلکہ سر دست ذہن و دماغ سے اُسے محو کر دیا اور پھر دوبارہ نہ میں نے اس کا ذکر کیا نہ والد ماجد نے از خود تعلیم فرمایا۔ پھر ایک روز اس فقیر نے اپنے مرشد برحق سے عرض کیا کہ حضور اس کا کیا سبب ہے کہ یہ تراکیب بڑی منت و سماجت، بڑی بے تابی و بے قراری اور ناقابلِ برداشت اشتیاق کے بعد تعلیم فرمائی جاتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ قلیل محنت اور کثیر منفعت کے علاوہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ طالب صادق اس کی تحصیل کے شوق میں زیادہ سے زیادہ تصفیۂ باطن کی طرف متوجہ رہے اور اس اُمید پر کہ دیکھنا چاہیئے وہ کیسی عظیم دولت ہوگی جسے یوں چھپا چھپا کر رکھتے ہیں، برس ہا برس اذکار و اشغال میں اپنے شب و روز ایک کر دیتا ہے چنانچہ طلب صدق رکھنے والے اس پر عمل کرتے اور اپنے شیخ کے آستانے پر پڑے رہتے ہیں۔ پھر اس میں پیر کو یہ سہولت تھی کہ جب وہ طالب کی تکمیل، جیسی کہ مطلوب ہے، دیکھ لیتے تو یہ تراکیب اُسے تعلیم فرما دیتے۔ اور فی زمانہ، نہ ایسے طالب ہیں نہ ایسے مرشد اس لیے جو اس کا خواستگار ہو اُسے بتا دو کہ شاید اسی کو سہل اور بلا مشقت ہاتھ آنے والا حلوہ نہ سمجھ کر ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہو اور آخر کار تندہی سے مجاہدات میں مصروف ہو جائے۔

**نور ۳۲:** اسی طرح صوفیائے متقدمین کا طریقِ کار، پروانہ خلافت امر حمت فرمانے میں یہی تھا کہ وہ اس میں بڑی تاخیر فرماتے اور جب تک اُن کے نزدیک وہ طالب، کامل اور اہل خلافت نہ ہو جاتا، پروانہ خلافت نہ سونپتے۔ اب

بھی یہی کرنا چاہیئے۔ البتہ اگر کوئی اپنی درخواست پر اصرار کرے تو تکمیل کا انتظار کیے بغیر اُسے خلافت نامہ دے دینا چاہیئے۔ اس لیے حالاتِ زمانہ دگرگوں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ بیدل ہو کر دست بردار ہو جائے۔ جبکہ خلافت نامہ بخشنے میں کم از کم ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اسے اس بات کا ہمیشہ لحاظ و پاس رہے گا کہ میں فلاں بزرگ کا خلیفہ ہوں۔ اگر مجھ میں زیادہ لیاقت نہیں تو کم از کم اپنا ظاہر تو شریعت کے مطابق آراستہ رکھوں تاکہ مخلوق لعنت ملامت نہ کرے۔ گویا یہ درحقیقت اعطائے خلافت نہیں بلکہ اس پر ایک بار ڈالنا ہے اور یہ بھی دینی فائدے سے خالی نہیں۔ یہ تقریر بھی بطور سوال جواب حضرت مرشد برحق کی ہے جسے میں حیطۂ تحریر میں لایا۔

**نور ۳۳:-** اس فقیر کے مشائخ طریقت نمازِ فجر یا نماز چاشت کے بعد حویلی سجادگی میں، زبانی پڑھے جانے والے اور اردو وظائف مثلاً۔۔۔ حرزِ یمانی۔ حزب البحر، دعائے قرشیہ۔ دعائے برہتی اور دعائے کبیر وغیرہ کی قرائت میں مصروف رہتے۔ یہاں سے فراغت پاکر، درگاہ معلّٰی میں حاضری دیتے اور مزاراتِ طیبہ پر عرض فاتحہ کے بعد، پنجسورہ۔ اسمائے حسنیٰ باری تعالیٰ۔ سی ۳۳ و سہ آیات، حروفِ تہجی مع موکلات چہل اسماء درود غوثیہ کلاں، درود مستغاث اور دعائے سیفی، حرز یمانی کی ترتیب سے بڑی ترتیب والی، خانقاہ میں پڑھتے۔ اس لیے ہمیں بھی کہ ان کی نا اہل اولاد میں ہیں، اپنے ان بزرگوں کا اتباع کرنا چاہیے۔ غرض پنجسورہ وغیرہ سے فراغت کے بعد اس سب کا ثواب، سلاسل قادریہ چشتیہ، سہروردیہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ اور مداریہ وغیرہ کے تمام مشائخ کرام کی ارواح کو نذر کریں اور اپنا مرشد اگر بقیدِ حیات ہو تو اس کی عافیت کے لیے دعا کریں۔ ورنہ اس کا نام فاتحہ میں شامل کر کے اپنے لیے دعائے خیر کریں۔

**نور ۳۴:-** یاد رکھیں کہ اس فقیر کو تصفیۂ باطن، تزکیہ قلب اور تحصیل تجلیات اسمائی و صفاتی کی غرض سے دعوت اسماء اور بعض دوسری دعاؤں کے پڑھنے کا بارہا اتفاق ہوا ہے۔ چنانچہ اس فقیر نے بیس سال کی عمر میں خلوت

اختیار کی، اور تین سال کے عرصہ میں اکثر و بیشتر گوشہ نشین رہا، متواتر روزے رکھے اور روزوں کے مابین کبھی فصل طویل میں نے روا نہ رکھا اور اس مدت میں دو بار بلکہ تین بار بلکہ اور زیادہ، دعوت اسماء اور بہ تفصیل ذیل دوسری دعائیں بھی (بہ طریق معمول) پڑھتا رہا۔

حزب[1] البحر۔ سورہ[2] واقعہ۔ سورہ[3] مزمل، اسمائے[4] اصحاب کہف۔ آیہ[5] اللہ لطیف بعبادہ دعوت[6] چہل اسماء۔ بطور ترکیب مختصر معمول خاندانی۔ اسم بدوح[7] سادہ۔ اسم[8] بدوح باموکل، آیۂ کریمہ[9]، اسم[10] انہ ولی الاجابۃ۔ اسم[11] یابدیع العجائب۔ اسم[12] یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ، عمل شجرہ زر[13]۔ عمل[14] دعائے حیدری اور عمل[15] یا مقلب القلوب۔

میں نے ان اسماء اور ادعیہ کو سالہا، بار بار، شرائط عامل کے مطابق پڑھا، ادائے زکوٰۃ کا عمل کیا۔ ان اسمائے مبارکہ کی روحانیات اور تجلیات سے فیضیاب ہوا۔ ترک ماکولاتِ جلالی و جمالی و مکروہات کا پابند رہا۔ روزہ ناغہ نہ کیا۔ گوشہ نشینی نہ چھوڑی اور ارواحِ علویہ پر غلبہ و استیلاء پاکر ان پر حکومت کی اور اسی طور پر میں نے بارہ سال بسر کیے۔

مذکورہ بالا اوراد کے علاوہ حرز یمانی۔ دعائے مرتجی۔ دعائے برہتی۔ دعائے قرشیہ، بانت العظمۃ، عمل چہارشنبہ، حروف تہجی مع موکلات، باری تعالیٰ کے ننانوے[99] اسمائے حسنیٰ، اور سی و سہ آیات کو برس ہا برس تک ہر وقت اپنا ورد بنائے رکھا۔ اب کہ روز بروز ناتوانی بڑھتی جا رہی ہے۔ ان میں سے بعض اوراد ترک کر چکا ہوں اور اُن اوراد کی بجائے کبریت احمر۔ دلائل الخیرات، اور حصن حصین کا اضافہ کر لیا ہے۔ قرآن کریم صدہا بار ختم کیا بلکہ عجب نہیں کہ اپنی عمر میں تخمیناً ہزار بار سے زیادہ، تجاوز کر چکا اور دینی اور دنیاوی، کثیر در کثیر کشائشیں میں نے حاصل کیں۔ دنیاوی نذرانوں کا اوسط پانچ سو روپیہ سے کبھی کم نہ رہا۔ یہ سب کچھ عمل شجرہ زر کی برکت سے میرے اللہ نے مجھے خزانہ غیب سے پہنچایا۔ یہ عمل پینتیس[35] سال سے

میرا معمول ہے۔ کبھی ناغہ نہ ہوا۔ میں نے ان تمام اوراد کی ترکیب اپنے مجموعہ وظائف میں لکھ دی ہے۔ اُسے دیکھیں اور عمل کریں اور ہر وہ شخص جو اس کی اہلیت رکھتا ہے اُسے عمل کی عام اجازت ہے۔

یوں ہی یہ فقیر نو ۹ سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک، کلمہ طیبہ کے ذکر جہر نفی واثبات میں بطور چار ضربی، چھ ماہ کی خلوت میں، حساب لگایا جائے تو ہر روز و شب میں صدہا ضربیں لگا کر، ایک لاکھ سے زیادہ ضربیں عمل میں لا چکا اور اس کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کر چکا ہے۔

ع دل من داند و من دانم و داند دلِ من

شغل نفی و اثبات و اسم ذات حبسِ دم کے ساتھ اور بغیر حبس دم بجا لایا۔ برزخ شیخ کی مشق اور دو اشغالِ خمسہ اور شغل دو نیم میں سالہا مصروف رہ کر مہارت حاصل کر چکا شغل آئینہ اور ملکوت و ملک و جبروت و لاہوت چاروں مقامات کے اشغال ادا کر چکا ہے۔ اسم ذات کے مراقبے بھی کیے ہیں۔ اور ہر قسم کے جلالی و جمالی امور میری بندش میں رہے ہیں۔ غرض میں راہ سلوک میں طمانیت قلبی پا چکا ہوں یعنی برزخ شیخ سے لے کر، اس راہ کی ختم سیر تک، اپنے پیرانِ عظام کی برکتوں سے فراغت مجھے نصیب ہو چکی ہے اور اب اپنے خاتمہ بالخیر کا متوقع ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام پر حُسنِ خاتمہ نصیب فرمائے۔ اب اس فکر کے علاوہ اور کوئی فکر نہیں۔ لیکن ان تمام دولتوں کے حصول کے باوجود کہنا یہ ہے کہ) میں مبتدیوں کی برابری کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتا اور یہ میری شامتِ اعمال ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق دے کہ میں بندہ بن جاؤں۔ ابھی تو مجھ میں بندہ بننے کی بھی اہلیت نہیں اور سوءِ خاتمہ کا خوف ہر وقت مجھے لرزاں و خوفزدہ رکھتا ہے کہ اب بھی سگ و خوک کتے اور بد جانور سے بد تر ہوں۔ اللہ ہی توفیق بخشنے اور اُسی پر بھروسہ بھی ہے۔ غرض وہ تمام اشغال و اذکار اور مراقبات وغیرہ جو کشف القلوب میں مذکور ہیں۔ وہ سب فقیر آزما چکا ہے۔ اب تو لطیفۂ غیبی کا منتظر ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

**نور ۳۵:-** کسی ولی خدا کی قبر سے فیض لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس بزرگ کے مزار پر حاضر ہو کر پہلے فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب صاحب مزار کو نذر کرے. پھر اس کے سینہ کے مقابل چہرہ کے سامنے کر پشت قبلہ کو رہے گی آنکھ بند کر کے چار زانو خواہ دو زانو بیٹھے اور تصور میں اپنا دل ان کی روح انور کے سوبرو کر مثل آفتاب روشن ہے، لائے اور یہ خیال کرے کہ میرا دل اس بزرگ کی روح کے تحت ہے اور ان کی روح کا فیضان، ان سے منتقل ہو کر نورانی فوارہ یا آفتابی شعاعوں کی شکل میں، یا بارش کے قطروں اور نسیم سحری کے جھونکوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی مانند، میرے دل میں آرہا ہے اور میرا دل، اس روح کے اوصاف ذاتیہ سے فیض پا رہا ہے اور اسی تصوّر میں مستغرق خاموش بیٹھا رہے۔ اگر ریاضت کے ابتدائی دَور میں بہ حالت خاموشی، لایعنی خیالات کا دل میں ہجوم ہو، تو اس وقت انہیں دفع کرنے کی نیت سے اللہ اللہ کے شغل میں مصروف رہے. کچھ ہی دیر میں دل پر وہی کیفیت طاری ہو گی جس کا ذکر، برزخ شیخ میں گزرا۔

اب اگر وہ روح صاحبِ نسبت بزرگ کی ہے تو اس کے فیضان سے اللہ جلّ مجدہٗ کا ذوق و شوق اور سکونِ قلبی حاصل ہو گا اور گریہ غالب آئے گا (کہ بیساختہ دل بھر آئے گا) اور بر عکس ہے تو بر عکس. جیسا کہ گزر چکا۔

اور اگر صاحب مزار سے دُنیا میں ملاقات کر چکا ہے تو دل کو اسی صاحب مزار کی روح سے مربوط کرتے وقت اُسے اس کی اُسی برزخِ انسانی میں جس میں اسے دیکھ چکا ہے، تصور میں لائے. پھر بدستور باقی ماندہ ترکیب عمل میں لائے. انشاءاللہ فیضیاب ہو گا۔

اولیائے الٰہی کے مزارات سے فیضیاب ہونے کا یہی طریقہ ہے اور اس کا بہترین وقت عصر و مغرب کا مابین یا نماز فجر سے نمازِ اشراق کے درمیان ہے. مگر یہ لازمی نہیں. جب بھی آدمی کو وقت میسر ہو اسے عمل میں لائے۔

**نور ۳۶:-** قبر میں میت کے عذاب و تنعیم کی شناخت کا طریقہ یہ ہے کہ بعد جلسہ

معلوم یعنی چار زانو یا دو زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کیے اور اپنے قلب کو اس کی روح سے مربوط رکھتے ہوئے جیسا کہ اوپر گزرا، کچھ دیر خاموش بیٹھا رہے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اگر راحت و فرحت، دل پسندی و شادمانی، کشادگی و خندہ روئی وغیرہا کی کیفیت، دل میں پیدا ہو تو یہ گمان کرے کہ میت، مرحوم و مغفور اور نعمت و عشرت میں شاداں و مسرور ہے اور اسے کوئی وبال یا عذاب یا آزار نہیں۔

اور اگر اس کے برخلاف بدکیفیتی طاری ہو اور فرحت و انبساط کی بجائے دل میں خفقان، خوف، دہشت، ہیبت، اور اکتاہٹ گھبراہٹ جیسی چیزیں وارد ہوں تو یہ سمجھے کہ میت گرفتارِ عذاب ہے۔ اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ میت کے عذاب و ثواب کے بارے میں یہ ابتدائی کیفیت ہے۔ اور کثرت سے اس طریق پر ربط و مشق حاصل ہو جائے تو آئندہ، میت کے تنعیم و تعذیب کی تفصیلات بھی معلوم کی جا سکتی ہیں (کہ کس نوع کا عذاب ہے اور کس بنا پر) یہ جو کچھ لکھا گیا دو ایک ہی روز میں ذریعہ معلومات بن سکتا ہے۔

اور ہماری ارواح کو یہ ادراک دو مقامات سے ہوتا ہے۔ یا تو خاص مقامِ برزخ سے کہ روح مستقر اور اصل مقام ہے اور یہ خاصہ ہے اقطاب کا۔ کہ صرف انہیں کو ان مقامات تک رسائی ہے۔ عوام الناس کے بس کی بات نہیں۔ یا پھر عالم مثال ہے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں مذکور ہو چکا کہ عالم مثال میں ثواب یا عذاب اصلی برزخی کا عکس، جلوہ نما ہوتا ہے اور عام ارواح، اس کا مشاہدہ کرتی اور اسے معلوم کر لیتی ہے پھر بھی پہلا مقام، مرتبۂ ظن پر ہے اور دوسرا اس سے بھی کم تر۔ اس لیے کہ ادراک اول فردِ کامل ہے۔ جبکہ ادراک ثانی ایسا نہیں۔

بہر حال اگر یہ دیکھے کہ میت اپنی قبر میں گرفتار عذاب ہے تو کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرے۔ جس کی وجہ ظاہر ہے۔ بیان کرنے کی حاجت نہیں (البتہ اس کے لیے دعائے خیر و مغفرت کرے) ہاں اگر صاحب قبر، بد مذہبوں، گمراہوں کے مشہور فرقوں میں سے کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو تو اس کے اظہار میں پس و پیش نہ کرے۔

تاکہ دوسرے مسلمان ان گمراہوں سے دور و نفور رہیں۔

**نور ۳۷:** اذکار و اشغال اوراد و وظائف میں مشغولیت سے جو انوار پیدا ہوتے ہیں ان کی متعدد کیفیتیں ہوتی ہیں اور ان کے مختلف الوان و اشکال۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دل کا نور زردی مائل ہے چاند کی مانند۔ اور وہ نور کہ آفتاب کی طرح محض سفید، دل میں تجلی ریز ہوتا ہے۔ وہ روح کا نور ہے۔ دل کا نور اسی نور سے روشن اور جلوہ گر ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس (چاند کا نور آفتاب کے نور سے مستفاد ہے) اور وہ نور جو جانب قبلہ سے نمایاں ہوتا ہے وہ نور ہے ہمارے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روح انور کا جو سالک کی رہنمائی فرماتا ہے۔

اور وہ نور جو دائیں جانب کے کاندھے سے متصل ہوتا ہے وہ اعمالِ حسنہ کے کاتب کا نور ہے اور بائیں کاندھے سے متصل اعمالِ سیئہ کے کاتب کا نور ہے اور وہ نور جو دائیں کاندھے کی سمت میں ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلے پر معلوم ہوتا ہے وہ سالک کے مرشد کی روح کا نور ہے کہ اس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے برخلاف بائیں کاندھے سے گز دو گز کے فاصلے پر جو نور ظاہر ہوتا ہے وہ ابلیس لعین کا نور ہے جو سالک کو گمراہ کرتا ہے۔

ایک اور نشانی، شیطانی نور کے ظہور کی یہ ہے کہ اس کے ظاہر ہونے سے دل میں دہشت و وحشت اور خوف پیدا ہوتا ہے اور ایک قسم کی نفرت دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اور وہ نور کہ سینہ و ناف مقابل، آگ یا دھوئیں کے رنگ میں نمودار ہوتا ہے وہ خنّاس کا نور ہے۔ اور وہ نور جو سالک کے گرداگرد اور ہر جانب اپنے لحاظہ میں لیے ہوتا ہے اور اس کے نمودار ہونے سے حضوریٔ قلب اور سرور و اُنس پیدا ہوتا ہے اور دل جمعی اور طمانیت قلبی میسر آتی ہے اور ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اس کے ذوق و شوق کے باعث سالک اپنے آپے میں نہیں سماتا اور وہ نور اطراف معلومہ میں سے کسی طرف سے مخصوص نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے جلوے ہر جانب یکساں ہوتے ہیں وہ نور احدیت ہے جل جلالہ وعم نوالہ۔ یہی نور سالک کا

مربی و مقصود اور مطلوب و محبوب ہے۔

اور وہ نور جو ان تمام انوار سے جو ہم نے بیان و تحریر کیے پہلے نمودار ہوتا ہے۔ سورج کی کرنوں اور بجلی کی طرح روشن۔ کبھی تجلی ریز۔ کبھی پس پردہ اور کبھی شمع و قندیل و فانوس یا آسمانی ستاروں کی مانند یا ایسی ہی دوسری روشن چیزوں کی طرح ہوتا ہے۔ یہ عموماً ابتدائی عالم مثال کا نور یا سالک وضو و غسل و طہارت کا نور۔ یا نماز اور دوسری عبادتوں کا نور یا عالم بالا کے ملائکہ کا نور ہوتا ہے۔

یہ مختصر کیفیت ہے ان انوار کی جو مجاہداتِ قادریہ میں رونما ہوتے ہیں۔ باقی انوار ریاضت و مجاہدات میں مصروفیت کے بعد، خود بخود علم و ادراک میں آجاتے ہیں۔ سالک کو ان انوار کی وہ کیفیتیں جو ہم نے لکھیں اپنے دل و دماغ میں محفوظ و مضبوط رکھنی چاہئیں تاکہ ابلیس لعین کی فریب کاریوں سے امان میں رہے۔

**نورِ ۳۸:-** سماع کے وقت وجد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ لوگوں کی طبیعتوں کے اختلاف سے اپنے احوال میں بھی مختلف ہے۔ کسی پر گریہ طاری ہوتا ہے کسی پر شگفتگی اور ہنسی۔ کوئی خاموش رہ جاتا ہے کوئی آہ واہ کرتا ہے۔ وعلیٰ ہذا وجد کے معنی ہیں وہ کیفیت جو دل پر طاری ہو۔ خواہ طرب کی صورت میں یا اندوہ و ملال کی۔ البتہ اس میں کسی تکلف یا نمائش کا دخل نہ ہو اور ایک چیز ہے تواجد۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی ایسے اسباب اپنی کوشش سے مہیا کرے کہ وجد اصلی کی کیفیت پیدا ہو جائے، یہ بھی محمود و پسندیدہ ہے۔ بشرطیکہ نیت بالخیر ہو کہ "انما الاعمال بالنیات" (اعمال کا مدار نیت پر ہے) صوفیائے کرام نے طالب پر اس حالت کے ورد کے وقت اس کی تعظیم و تکریم لازم قرار دی ہے۔ اس لیے کہ دراصل یہ اس تجلی کی تعظیم ہے جو اس طالب پر جلوہ فرما ہے نہ کہ اس طالب کی ذاتی تعظیم۔ اب اگر اس کیفیت کا ظہور، طالب کی جانب سے محض نمائشی اور بہ نیت فریب دہی ہے۔ تب بھی کوئی مضائقہ نہیں (ایسے مواقع پر حاضرین محفل کے لیے قرآنی حکم موجود ہے) کہ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (اور جب وہ بے ہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے

ہیں) اور اگر وہ اصلی و واقعی ہے اور کسی شخص نے اس کی تعظیم نہ کی تو اس شخص کی نسبت سلب ہونے یا نقصانِ عظیم پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے۔

بہرحال تعظیم واجب ہے۔ وجد اصلی ہو خواہ نہ ہو۔ اس لیے کہ دلوں کے عیوب پر، علام الغیوب کے بجز کسی اور کو واقفیت نہیں اور اپنے گمان پر لگ کر اُسے محض نمائشی قرار دینا (جیسا کہ بعض لوگوں کا وطیرہ ہے) ہرگز روا نہیں کہ یہ بدگمانی ہے اور بدگمانی شرعاً حرام اور طریقت میں حرام تر (ایسے مواقع پر مسلمانوں پر نیک گمان اور) ظنوا بالمومنین خیراً پر کاربند رہنا چاہیے۔

**نور ۳۹:** ابلیس لعین اپنا تخت، شب کو، سمندر کے وسط میں بچھا کر بیٹھتا ہے اور اس ملعون کی ساری ذریت آ آکر اپنے اپنے کارنامے اس سے بیان کرتی ہے کہ فلاں انسان کو ہم نے چوری پر اکسایا۔ فلاں کو زنا پر آمادہ کیا۔ فلاں سے قتل کرایا۔ وعلی ہذا القیاس اُن میں سے ہر ایک اپنے اپنے بدکرداروں کو اس پر پیش کرتا ہے اسی دوران اگر ان میں سے کوئی یہ کہہ دیتا ہے کہ میں نے فلاں طالبعلم کو سبق یاد کرنے سے باز رکھا۔ یا میں نے میاں بیوی کے درمیان جنگ و جدل کی آگ بھڑکا دی، تو وہ ملعون اس خبر کو سن کر کھڑا ہوتا اور اُسے اپنی آغوش میں لے کر اپنے پاس بٹھاتا ہے۔

بعض دوسرے شیاطین جب یہ ماجرا دیکھتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ اس نے کونسا ایسا تیر مارا۔ ہم نے دوسروں سے ایسے ایسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرایا اور ہمیں یہ اعزاز تو نے نہ دیا۔ وہ کہتا ہے کہ تم نہیں جانتے۔ اس کی کارکردگی، تم جیسے سینکڑوں کی کارگزاری پر فوقیت رکھتی ہے۔ اب آؤ! میں تمہیں اس راز سے آگاہ کروں۔ چنانچہ انہیں ہمراہ لے کر وہ ایک جاہل عبادت گزار کے دروازے پر گیا۔ اُن سے ملاقات کی اور کہا کہ میں جبریل فرشتہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا اور یہ فرمایا ہے کہ تمہاری عبادت ہم نے قبول کی۔ اب تم ہمارے پاس آجاؤ۔ وہ بے چارہ سادہ لوح جاہل، اس مژدہ باطل سے خوش ہو گیا۔ اور شیطان اس کی آنکھیں بند

کرا کر، پیشاب پاخانہ اور غلاظتوں کے ڈھیر پر لے پہنچا اور وہاں چھوڑ کر خود غائب ہو گیا۔
اس کے بعد وہ ایک عالمِ دین کے دروازہ پر پہنچا۔ انہیں آواز دی اور سلام کیا اور پھر بولا کہ آپ کا درس و تدریس میں مشغول رہنا اور دوسروں کو فیض پہنچانا، بارگاہِ الٰہی میں شرف قبولیت پا چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے قربِ خاص میں طلب فرمایا ہے تاکہ آپ کو اپنے تقربِ خاص کی خلعت سے سرفراز فرما کر آپ کی عزت بڑھائے۔ عالمِ دین نے یہ بات سنتے ہی اپنا ہتھیار اٹھایا اور اس پر حملہ کر دیا۔ اور فرمایا کہ او بے غیرت! کیا تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کے لیے جسمانی معراج نہیں۔ جبرائیل کسی کو اگر نہیں لے گئے، معلوم ہوتا ہے کہ تو شیطان ہے اور مجھے ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ فرمایا اور لا حولَ ولا قوۃ الا باللہ کے موتی لڑی میں پروئے (یعنی با آواز بلند پڑھ کر اُسے بھگا دیا) شیطان نے اپنی اس ذریت سے کہا کہ تم نے دیکھا کہ ایک عالم اور جاہل کے معاملہ میں کتنا فرق عظیم ہے۔
اس کے بعد شیطان لعین نے زن و شوہر کے درمیان، جنگ و جدل کی بات چھیڑی اور کہا کہ اس میں بھی بڑی مصلحتیں ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ان میں باہمی ناراضگی کے باعث ہمارے دشمن بنی آدم کی نسل کا انقطاع ہے (کہ نہ باہمی انبساط ہو گا، نہ صحبت اختلاط، نہ پیدائش اولاد) دوسری بات یہ ہے کہ جب ان پر آتش شہوت کا غلبہ ہو گا اور باہمی ناراضگی کے باعث یہ آپس میں صحبت و ہم بستری بھی نہ کر سکیں گے لا محالہ حرام کاری کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اور اس طرح مجہول النسب اولاد وجود میں آئے گی، ترکہ غیر مستحقوں کو پہنچے گا۔ نزول رحمت، جس کا دارومدار باہمی اتفاق و موافقت پر ہے، اُس کی راہیں مسدود ہو جائیں گی اور بنی آدم سے خیر و برکت کا زوال ہو گا۔ اس کے علاوہ اور بھی فائدے اس میں مضمر ہیں جن پر تمہیں واقفیت حاصل نہیں۔"
میں نے یہ حکایت اس لیے تحریر کی ہے کہ ہمارے اس دَور میں بھی دونوں

باتیں بکثرت کثیرہ پائی جاتی ہیں. مسلمان دینی علوم کی تحصیل سے کوتاہی برتتے ہیں بلکہ کہنا چاہیئے کہ ادھر مائل ہی نہیں ہوتے. اور دوسری طرف میاں بیوی آپس میں نباہ نہیں کرتے. ہزار گھروں میں سے کسی ایک گھر میں باہمی نباہ ہو تو ہو۔ ورنہ اللہ اللہ خیر سلاّ. اس لیے دینی بھائیوں کو چاہیئے کہ گھر کا سکون، اگر نہیں ہے تو واپس لائیں تاکہ شیطان کے ہاتھوں مسخرہ بن کر، ایسا نہ ہو کہ بصورت آدمی رہیں اور سیرت میں گدھوں سے بدتر۔

**نور ۴۰**:- انبیائے کرام، اولیائے عظام اور علماء، صلحا، فضلا و شہداء کے مزارات پر جب بہ نیت زیارت حاضر ہوں تو باوضو رہیں اور باادب حاضری دیں اور وہی آدابِ زندگی بجالائیں یعنی اگر وہ بقیدِ حیات ظاہری ہوتے اور اُن کی زندگی میں یہ ان کی زیارت کو جاتا تو جو آداب اس وقت بجالاتا، اب بھی انہیں آداب کے ساتھ حاضری دے. اور فاتحہ و ہدیۂ ثواب کے بعد ان کے وسیلہ سے دعائے خیر کرے تاکہ مطلوب حاصل ہو۔

**نور ۴۱**:- فقیر کو خوب یاد ہے کہ محرم الحرام ۱۲۸۰ھ کے اوائل میں ایک صاحب کو بمقام کانپور، جدی و مرشدی حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی توجہ کی برکت سے سیر الی اللہ کا اختتام نصیب ہوا تو اُن پر بیہوشی طاری ہوگئی، کبھی روتے کبھی ہنستے. برزخ شیخ کا تصور، افاقہ ہونے تک ان کے پیشِ نظر رہتا اور اس سے وہ تسکین پاتے رہے (لیکن وہ کیفیت اپنی جگہ رہی) سید علی شاہ مرحوم قادری فتح پوری نامی ایک اور بزرگ بھی اس کمالِ محبت اور اتحاد کے باعث جو ان حضرات میں بھی باہم پائی جاتی تھی، ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان پر التفات فرمایا ــــ یہ حضرت اپنے وقت کے کاملین میں اور حضرت شیخ جمالِ اولیا قدس سرہ العزیز کے نواسوں یا پوتوں میں تھے. اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور چونکہ اولیائے الٰہی پر اپنے احوال و کرامات کا اخفاء اور لوگوں سے پوشیدہ رکھنا واجب ہے. حتی الامکان اس کا اظہار نہیں فرماتے. الا ماشاء اللہ

کہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ بخلاف حضرات انبیائے کرام، کہ ان پر اپنی دعوت و تبلیغِ نبوت اور معجزات کا اظہار لازم ہے۔ اور اسی مسئلہ کے مدنظر ان کی حیات میں اس واقعہ کا بیان کرنا مناسب نہ تھا۔ اب کہ اُن کا وصال ہو چکا ہے اور کوئی مانع موجود نہیں، اس لیے دوسروں کو افادہ کی غرض سے، میں اس مقام کی کیفیتوں کا بیان کر رہا ہوں۔

خیر۔ جب اس برادر دینی کی سیر الی اللہ ختم ہوئی اور سیر فی اللہ میں اپنا قدم بڑھایا۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس مقام کے اختتام پر کیا کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے اور کیا حالت ہوتی ہے۔

ارشاد فرمایا "تمہیں کس طرح سمجھاؤں (اور وہ الفاظ کہاں سے لاؤں) میں نے عرض کیا تمثیلات اور تشبیہات کے ذریعے" ارشاد فرمایا "کوئی تمثیل مطابق حال نہیں"۔ میں نے کہا کہ جتنا بھی مثال میں سما سکے"۔

ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک اس وقت میرا عالم وہی ہے جیسے اتفاقاً کوئی ضروری بات کسی شخص کے ذہن سے اُتر جائے اور اس کی صورت، اس کے لوح خیال اور خزانہ حافظہ میں بھی منقش نہ ہو۔ کتنا ہی غور کرے وہ بات اُسے یاد نہ آئے۔ بس یوں ہی سمجھ لو کہ تمام موجودات، جن میں میرا اپنا وجود بھی شامل ہے میرے عالم شعور سے نکل چکے ہیں۔ ہر طرف ہر جانب ایک نور ہے۔ سب کو محیط۔ سب پر بسیط اور اس میں ہر چیز ناپید اور کالمعدوم ہے۔ یہاں تک کہ میرے لوح دماغ میں بھی کوئی چیز نہیں۔ اور یہ حالت، حالتِ خواب بھی نہیں۔ اس لیے کہ خواب کا واقعہ، بیداری کے بعد، صرف نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ ذہن میں باقی رہتا ہے۔ اور یہاں نہ نظر میں کوئی وجود ہے نہ دماغ میں کوئی چیز۔ صرف وہی ذاتِ واحد، بے ہمتا و بے مثال بلاکم و کیف موجود ہے اور اسی ذات کی محبت، بر وجہ کمال، دل پر مستولی و غالب ہے اور جیسے کسی بھوکے کو خوراک، پیاسے کو پانی، اور عاشق کو معشوق سے نسبت و تعلق ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور سے کوئی متعلق اور لگاؤ نہیں رکھتا۔ بس کچھ ایسی ہی کیفیت میری ہے۔ اور اسی لیے کبھی روتا ہوں اور کبھی ہنسی آتی ہے۔ ایک عجیب وجدانی لذت ہے،

جسے میرا دل ہی جانتا ہے۔ اور اس میں لمحہ بہ لمحہ ترقی ہی ہوتی جا رہی ہے۔
جیسے کوئی پیاسا، پانی کی جستجو کرے اور اُسے پانی نہ مل سکے۔ اس وقت اس کی حالت کا تصور کرنا چاہیئے۔ یا اُسے پانی تو مل جائے لیکن پی نہ سکے۔ اس وقت کی حالت کا نقشہ ذہن میں کھینچنا چاہیے۔ کہ پانی دیکھ کر وہ کیسا مسرور ہوا ہوگا۔ پانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہ اس کی نگاہوں میں ہوگی اور کسی اور کی جانب وہ متوجہ ہوگا۔
دوسری تمثیل یہ ہے کہ کسی برسہا برس کے عاشق فراق زدہ کو، اچانک وصلِ دوست میسر آئے اس وقت اس عاشق مہجور کا عالم کیا ہوگا۔ ذرا اس کا تصور تو کیجیے۔ غرضیکہ میں اس وقت ایک عجیب استغراق و تحیّر کے عالم میں ہوں کہ کیا کروں اور کس طرح اپنی جان اُس ذاتِ بحت پر قربان کر دوں اور خود فنا ہو جاؤں۔ بہر حال میری حالت ایک دیوانہ سی ہے۔ اس کے علاوہ اس حالت وجدانی کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ حال ہے قال نہیں کہ الفاظ میں سما سکے۔"

ان بزرگوار نے محرم ۱۲۶۴ھ کے اوائل میں راہ سلوک میں قدم رکھا اور اوائل محرم ۱۲۸۰ھ میں ان اسرار سے واقفیت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد آخر عمر تک سیر فی اللہ میں مصروف رہے۔ اور ماہ محرم الحرام ۱۳۰۶ھ میں عالم قدس کو سدھار گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بڑھائے۔ بڑے بزرگ اور نیک بخت تھے فقیر سے بڑی محبت فرماتے اور جب بھی ملاقات ہوتی ایسے ہی واقعات کے تذکرے رہتے۔ میں نے ان کی رحلت کے بعد ان کے احوال کا اجمالی تذکرہ کر دیا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں اتنا بھی زبان قلم پر نہ لاتا کہ اخفا ضروری ہے ورنہ محنت برباد جاتی ہے۔

؎ دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود
لائق ہر سبزئ بُستاں شود!

**نُور ۴۲**:- مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اوائل ریاضات میں حضرت شیخ نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ اشغال و اوراد میں مصروفیت کے

دوران، جو بھی غیبی واردات در پیش آئیں۔ میرے علاوہ کسی اور سے نہ کہنا کہ کہیں وہ زائل نہ ہو جائیں۔

مجھے یاد ہے کہ اسم ذات میں شغل کے دوران میری کیفیت ایسی ہوگئی کہ مجھے اپنا بھی ہوش نہ رہا۔ اور صبح سے ظہر تک یہی کیفیت رہی۔ اب میں نے عرض احوال کیا تو فرمایا کہ بہت خوب۔ اسے ہیمان کہتے ہیں (شیفتگی وحیرت زدگی)

ایک روز شیطانی وسوسوں نے گھیر لیا۔ جن کی تفصیل مجھے یاد نہیں۔ میں نے خدمتِ والا میں عرض کیا۔ فرمایا ایک شیطان ہے ولہان نامی۔ یہ بھی دور ہوا۔ مگر یہ بات بھی کسی سے مت کہنا تاکہ وہ دوبارہ نہ آدھمکے" چنانچہ بتوفیقہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہوا کہ پھر ایسے وسوسے کبھی نہ آئے۔ اور تمام وہم وگمان حضرت والا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برکت سے دفع ہو گیے۔

## نور ۴۳

راہِ سلوک کے عقبات یعنی گھاٹیاں اور دشوار گزار راستے بارہ ہیں[۱۲] ؛ جو سالک کے آڑے آتے اور اس کی راہ روکتے ہیں۔

۱۔ کفر و شرک، تاکہ بندہ اسلام نہ لائے اور شرک نہ چھوڑے۔ حالانکہ ایمان لائے بغیر دولت عرفان تک رسائی محال ہے اور اس عقبہ کا علاج، آدمی کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ یعنی اسلام کا قبول کرنا اور شرک وکفر کو چھوڑ دینا۔

۲۔ معصیّت وگناہ۔ سالک جب تک گناہ سے دور نہ بھاگے گا اور راہ طاعت اختیار نہ کرے گا۔ اس نعمت سے بے بہرہ رہے گا۔ اس عقبہ کا علاج توبۃ النصوح ہے یعنی سچی توبہ۔

۳۔ شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت نہ ہونا۔ کہ جب تک یہ مرید نہ ہوگا، دولت معرفت نصیب نہ ہوگی۔ اس عقبہ کا علاج بھی سالک کے اختیار میں ہے یعنی مرید ہونا۔

۴۔ والدین کا وجود کہ ان کی شفقت، محنت وریاضت سلوک سے مانع آتی ہے۔ اس عقبہ کا علاج یہ ہے کہ اپنے والدین کو راضی رکھے اور ان سے پوشیدہ رہ کر جس طرح ممکن ہو مجاہدے کرے۔

۵۔ روزی و معاش کی فکر، کہ اگر بقدر ضرورت بھی روز میسر نہیں۔ دل کس طرح مطمئن اور یکسو ہو کر تزکیۂ باطن کے لیے فارغ ہو گا۔

ع پراگندہ روزی، پراگندہ دل

اس عقبہ کا علاج یہ ہے کہ اول آدمی کوئی ہنر سیکھے۔ تاکہ اس کے ذریعہ بروجہ حلال بقدر کفایت روزی کما سکے۔ یا کوئی اور طریقہ (ملازمت مزدوری وغیرہ) اختیار کرے۔ تاکہ ہلاکت سے بچے۔

۶۔ محبت دنیا۔ مثلاً جاہ و مال اور زن و فرزند کی محبت۔ کہ ان کی فکر و غم خواری میں فانی ہو کر ایسا ڈوب جائے کہ کسی اور چیز کا خیال ہی دل میں نہ لائے۔ اس عقبہ کا علاج یہ ہے کہ دنیاوی مرتبوں اور جاہ و مال کی طرف رغبتوں سے قوتِ لایموت (بقدر کفایت روزی) کے علاوہ ہر طرف سے نظریں چرا لے۔ اور زن و فرزند کی خیر خواہی و غم خواری سے کچھ اس طرح چھٹکارا حاصل کرے کہ دست بکار و دل بایار۔ یعنی دل سے اپنے مالک و مولیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اعضائے بدن سے ان کی خبر گیری کرتا رہے۔

۷۔ شہوت و خواہش نفسانی کہ اس کا غلبہ جوانی کے عالم میں ایسا رہتا ہے کہ آدمی کی توجہ کسی اور طرف ہوتی ہی نہیں۔ اور علاج اس عُقبہ کا یہ ہے کہ قدرت ہو تو نکاح کرے ورنہ روزوں کی کثرت اور طعام کی قلت پر عمل پیرا ہو۔

۸۔ بے قاعدہ مجاہدے۔ کہ اپنی خود رائی اور خود پسندی سے مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دے۔ اور شیخ کی تعلیم کے بغیر صبح کے مجاہدات شام کو اور شام کے صبح کو بجا لانا اختیار کرے۔ ایسے مجاہدوں کا کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اور اس عقبہ کا علاج یہی ہے کہ جو کچھ شیخ کہے اسی پر کاربند رہے۔ اپنی رائے سے کوئی قدم نہ اٹھائے اس لیے کہ شیخ باطن کے نباض ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ مریدوں کی باطنی نبض پر رہتے ہیں۔ اس لیے ہرگز ہرگز وہ کوئی علاج بے قاعدہ اور بے فائدہ نہ کریں گے۔

۹۔ خلق خدا کا رجوع۔ کہ جب بندہ ریاضت و عبادت میں مصروف ہوتا ہے، خلقِ خدا اسے ولی جان کر، اس کے گرد جمع رہتی اور اس کے قیمتی اوقات کو برباد کرتی ہے اور یہ سالک ان کی صحبت میں رہ کر خود بھی تباہ حال و پریشان ہو جاتا ہے۔ علاج عقبہ کا یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ میں آخر اس سے پہلے کیا تھا کہ کوئی میری جانب متوجہ نہ ہوتا تھا اور اب کہ لوگ میری طرف متوجہ ہیں اس کا سبب اس طاعت و بندگی کے علاوہ کچھ اور نہیں تو مجھے چاہیے کہ میں اس طاعت و ریاضت میں پوری تندہی سے مصروف رہوں اور ہجوم کرنے والوں کو نہ دیکھوں (میری توجہ تو خالق کی طرف رہنی چاہیے۔)

۱۰۔ خود بینی اور غرور و نخوت ہے کہ عبادت سے دل میں پیدا ہوتا ہے اور اس عقبہ کا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنی حقیقت پر غور کرے کہ میں اس سے پہلے ایک مُشت خاک یا ایک قطرہ ناپاک تھا۔ بلکہ کچھ بھی نہ تھا۔ محض طاعت و عبادت کی بدولت مجھے یہ مرتبہ عالی نصیب ہوا۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ طاعت و عبادت کی ترقی میں کوشاں رہوں اور اس نعمت خداوندی کا شکر بجا لاؤں۔ نہ یہ کہ اس کے برعکس خود بینی و خود پسندی اختیار کروں اور ہلاکت میں جا پڑوں۔

۱۱۔ کشف و کرامت کہ جب سالک مقام ملکوت تک ترقی پاتا ہے تو اس مقام پر آ کر غیبی امور اس پر منکشف ہونے اور کرامتیں اس سے صادر ہونے لگتی ہیں۔ یہ بے چارہ یہ سمجھتا ہے کہ میں کامل ہو چکا اور اس گمان کے پیچھے لگ کر تمام مجاہدوں اور ریاضتوں سے کنارہ کش اور بے نیاز بن جاتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ ہنوز دِلّی دُور است۔ ابھی تو یہ ولایت کے دروازے تک بھی نہیں پہنچا۔ ولایت کہاں اور علاج اس عقبہ کا یہ ہے کہ سالک یہ خیال کرے کہ میری یہ حالت محض عارضی ہے کہ مشاہدہ ملکوت کے طفیل حاصل ہوئی جبکہ ملک و ملکوت میرا اصل مقصود نہیں۔ مجھے اپنی حقیقی مراد منزل کی طرف متوجہ اور آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ بچوں کی طرح اس تماشہ میں نہ لگنا چاہیے۔

۱۲۔ ابلیس لعین اور یہ دشوار ترین عقبہ ہے بلکہ تمام عقبات کا لبِّ لباب اور خلاصہ ہے یہی وہ عقبہ ہے جو پلک جھپکتے سالک کو بلندیوں سے جہنم کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے اور قربتِ خداوندی کے اوج سے حضیضِ بُعد میں گرادیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ اور اس عقبہ کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنے پیران عظام سے مدد کا طالب ہو۔ اور خدائے تعالیٰ وجل شانہٗ کے حول و قوت میں پناہ لے (اور فہم معنی کے ساتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا ورد رکھے)

**نورؐ ۴۴ :-** اگر کوئی بندہ خدا، اذکار و اشغال میں مصروف رہے۔ لیکن اس پر وہ احوال وارد نہ ہوں، جن کا ورود صوفیائے کرام پر ہوتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ بد دل نہ ہو۔ کہ سعادت و خوش نصیبی صرف اسی پر موقوف نہیں۔ کمال سعادت یہ ہے کہ آدمی کا دل نور ذکر سے منور و معمور رہے۔ تو جو کچھ اس دنیائے فانی میں میسر نہ آسکا وہ عالم آخرت میں نصیب ہوگا۔ اس لیے اپنے کام میں لگا رہے اور حق تعالٰے کے ساتھ اپنے دل کا مراقبہ اور نگہداشت باقی رکھے۔ اس سے کبھی غافل نہ ہو۔ اس لیے کہ دل کا دائمی طور پر ذکر میں مشغول رہنا، بارگاہ الٰہی کے عجائب و اسرار کی کنجی ہے۔

**نورؐ ۴۵ :-** سوال :۔ وہ کونسی نماز و تلاوت ہے کہ ذکر و شغل میں داخل اور اذکار و اشغال کے مانند تصفیہ قلب کی باعث ہے۔

جواب :۔ یہ وہ نماز و تلاوت ہے جو حضور قلب سے عمل میں لائی جائے۔ اگر یہی دونوں چیزیں، حضوری دل سے ادا ہو جائیں تو کسی ذکر و شغل کی احتیاج ہی باقی نہیں رہتی۔ تزکیہ باطن کے لیے یہی نماز و تلاوت کافی ہے اور حضور قلب نہ ہو تو نماز و تلاوت کیا۔ کوئی ذکر و شغل وقعت نہیں رکھتا اور نہ اس پر کوئی نتیجہ خاص مرتب ہوتا ہے۔ (اور فائدے سے خالی یہ بھی نہیں کہ کم از کم دنیائے دوں سے اپنا دامن بچائے رہا)

**نورؐ ۴۶ :-** یاد رکھنا چاہیے کہ جسم میں چند مقامات ایسے ہیں جن میں ہر مقام، ذکر کی ضربات کا محل ہے اور حقائق و دقائق اور اسرار غیبیہ کا کشف اس

پر موقوف ہے۔ اوّل[1] قلب صنوبری، اور یہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ بائیں جانب، بائیں پستان کے نیچے اور یہی روح کا اصل مَرکَب (سواری) ہے۔ دوم[2] قلب مدوری یعنی دماغ۔ سوم[3]۔ قلب نیلوفری یعنی ناف کہ اکثر اذکار کا مبدا ہے اور اسی ناف سے اذکار کا دماغ تک پہنچتے اور پھر قلب پر نازل ہوتے ہیں۔ یعنی اس کی ضرب اس پر لگاتے ہیں اور پھر ملک وملکوت اور جبروت ولاہوت کے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور یہی عین مطلوب ہے۔

**نور ۴۷** :- تین چیزیں ہیں۔ ذکر[1]، شغل[2] اور مراقبہ[3]۔ ذکر سے مراد ہے زبان کا فعل اور شغل کہتے ہیں قلب کے فعل کو۔ اور مراقبہ[3] نام ہے کسی چیز کے تصور کرنے اور اُسے اپنے خیال کے احاطہ میں لانے کا۔

**نور ۴۸** :- سالک کے آداب ہیں :۔

۱۔ اہم ادب یہ ہے کہ جہاں تک بن پڑے، خدا سے بجز خدا، کچھ اور طلب نہ کرے۔

شعر
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

جب خدا بندہ کا ہوگیا۔ ساری خدائی اس کی ہے کہ مَنْ لَهُ المولیٰ فَلَهُ الْكُلّ

۲۔ جو بات زبان سے ادا کرے ادب سے کرے۔ بے ادبی کی کوئی بات کبھی زبان پر نہ لائے کہ جان ایمان ادب ہے خدا اور محبوبان خدا کا۔

۳۔ اپنے نفس کو، آثار نعمتِ الٰہی کے ظہور سے پس پردہ رکھے۔ یعنی قرب الٰہی کے مراتب میں سے کوئی مرتبہ، خواہ قربِ نوافل سے ہو یا قربِ فرائض سے لگا ہوں سے پوشیدہ رہے اور اس کے اسرار و رموز سے، ناواقفوں کی طرح گزر جائے۔

۴۔ جس طرح حق تعالےٰ کو بالذات اپنے ظاہر و باطن کے احوال پر مطلع سمجھتا ہے، یونہی بعطائے الٰہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے باخبر جانے تاکہ کوئی کام، کوئی بات خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت میں سرزد نہ ہو۔ بلکہ اپنے شیخ کو کہ عنایت خداوندی کا پرتو، اور حضرات انبیائے کرام کا جانشین ہے۔

اپنے احوال پر واقف ونگراں سمجھنے: تاکہ شیخ کے احکام کی خلاف ورزی کا بھی مرتکب نہ ہو کہ شیخ کامل کی مخالفت، خدا و رسول کی مخالفت ہے۔ اس ادب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مراقبہ حیاو لحاظ سکھاتا ہے اور حیا و شرم سراپا خیر ہی خیر ہے۔

۵۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع، عبادات وعادات اور افعال واقوال میں بیش از بیش، اپنے اوپر فرض جانے اور ان کی بجا آوری میں پوری طرح کوشاں رہے کہ ہر شخص کی محبوبیت کا درجہ، اسی سلسلہ کی لڑیوں میں آویزاں ہے۔

۶۔ حضرت رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی اتباع کرنے والے، مثلاً سادات و مشائخ اور علمائے کرام اہل سنت وجماعت کو جانشین مصطفےٰ سمجھ کر، ان کی تعظیم واحترام کی سعی تمام کرے اور کسی نہج، کسی حالت میں، اپنی جانب سے کوتاہی پر راضی نہ ہو۔

۷۔ اپنے شیخ کو، اپنے حق میں اپنے زمانے کے تمام مشائخ سے افضل وبالا سمجھے اور اس کے حکم کو، اپنے حق میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے تبلیغ جانے اور اس کے کسی قول وفعل کو بے وقعت وحقیر گمان نہ کرے اور جو بات اس کی سمجھ سے بالاتر ہو اُسے اپنے حق میں متشابہات کی لڑی میں پرو دے رکھے۔

۸۔ مرید کو کہ اپنے مرشد کے علاوہ کسی اور کو اپنے نفس پر اختیار نہ دے اور اپنے شیخ کے روبرو ایسے رہے جیسے غسل دینے والے کے ہاتھوں میں میت (یعنی مُردہ بدست زندہ) اور کوئی فعل ظاہر و باطن میں، اپنے مرشد کے حکم کے بغیر، عمل میں نہ لائے یہاں تک کہ بقدر امکان اپنا کھانا پینا اور ظاہری و باطنی دوسرے حرکات وسکنات سب کو اپنے شیخ کی اجازت وحکم پر موقوف جانے اور ہر اس کام میں جس کی اجازت اپنے شیخ سے پا چکا ہے۔ اپنی رائے سے کمی بیشی ہرگز نہ کرے۔ کہ مرشد برحق کا ہاتھ اپنے مرید ومسترشد کی طبیعت ومزاج کی نبض پر رہتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ خطرات و وساوس کے اختلاط کے منضج، مسہل یا کسی اور طور پر اخراج کی کیا تدابیر اس کے حق میں کارگر ہوگی۔ اس لیے اپنے مرشد کو دل وجان سے يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ کا مظہر یقین کرے۔

۹۔ ورودِ احوال و تجلیات کی فراوانی، اس کے وہم و گمان سے باہر، خواہ کتنے ہی جوش میں کیوں نہ آئے، اپنے مرتبہ کی حدود سے باہر نہ نکلنے دے اور بزرگان دین سے ہمسری کا خیال بھی دل میں نہ آنے دے کہ اندیشہ ہلاکت ہے۔ بلکہ اس کے حق بہتر و مناسب تر یہ ہے کہ خود کو تمام مخلوقات سے کمتر بلکہ کتے اور خنزیر سے بدتر اور خوار تر، تصور کرے اور یہ مقام کمال انسانی کا مقام ہے۔ امداد و توفیق الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلطنت عظمیٰ، خلافت کبریٰ سے مشرف اور خطاب لولاک لماخلقت الدنیا کے مخاطب ہونے کے باوجود اپنی مناجات میں یوں عرض فرماتے کہ "الٰہی مجھے مساکین میں زندہ رکھ۔ مساکین میں موت دے اور روز قیامت میرا مساکین کے گروہ میں حشر فرما" یہاں سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ عجز و انکسار کا مرتبہ کس قدر بلند ہے۔ کہنا یہ ہے کہ تمام امور اور تمام اوقات میں، خود کو اپنے مالک د مولے جل و علا کی سپردگی میں رکھے اور کسی حالت میں کسی بات کا دعویٰ نہ کرے اور خود پسندی کو نہ اپنائے خواہ باغوائی نفس و شیطان ہو۔ یا نقوت قلب و روح کے باعث۔

۱۰۔ بظاہر مخلوق کے ساتھ رہے لیکن بہ باطن اُن سے دور و نفور اور خود کو حق میں مشغول رکھے۔

۱۱۔ مخلوق سے خلوت گزینی اور اپنی ذات سے گوشہ نشینی اختیار کرے۔ یعنی جہاں تک بن پڑے مخلوق سے دور، گوشہ نشین رہے اور خود اپنی ذات سے خود نمائی و پندار کو نکال پھینکے۔ اس طریقہ پر حواس عشرہ اپنی جگہ برقرار اور رو بکار رہیں گے۔ یہ تمام تدابیر جمعیت قلبی اور دفع انتشار کے لیے ہیں اور اللہ تعالےٰ تک وصول کیلئے لائق و سزاوار۔

۱۲۔ اپنے خورد و نوش اور بات چیت اور سونے میں جہاں تک ممکن ہو قلت کو اپنائیں۔ (کم کھائیں پئیں۔ کم بات چیت کریں اور کم سوئیں) اس میں عظیم فائدے مضمر ہیں۔ سلف صالحین قدست اسرارہم نے مدتیں بغیر کھائے پئے گزار دیں۔ یہاں تک کہ نور باطن اور قوت روح کی بدولت ملائکہ صفت ہو گیے۔ انہیں اصلاً خورد و نوش کی حاجت نہ رہی۔ لیکن آخر الامر بہ پاس سُنت نبوی، اظہار عجز بندگی کم از کم غذا کو

اختیار فرمایا۔

راہِ سلوک کے آداب میں سے یہ بارہ[12] آداب کہ اجمالاً تحریر میں آئے، سالک کے لیے کافی ہیں۔ مگر سالک اپنے مرشد کے ارشادات پر کاربند رہے تاکہ منزل مقصود تک پہنچے۔ ان آداب کی رعایت اور ان کی بجا آوری سے مرشد برحق کی صحبت و ہم نشینی حسن ادب اور خوش عقیدگی کے ساتھ میسر آئے تو وہ کہیں زیادہ نفع بخش اور فاضل تر ہے۔ اس لیے کہ مرشد کے حضور ایک مجلس میں حاضری سے ہزار گھاٹیاں اور لاکھ رکاوٹیں دُور ہو جاتی ہیں۔

## نور ۴۹:- فنا تین قسم پر ہے تاوقتیکہ وہ حاصل نہ ہو۔ آدمی اس راہ میں بہرہ یاب نہیں ہوتا۔

فنا وہی اول۔ فنا فی الشیخ۔ یعنی آدمی اپنے مرشد کے تصور میں اپنے آپ کو ایسا فراموش کر دے کہ اپنا وجود اپنے شیخ سے جدا نہ سمجھے اور تمام حرکات و سکنات جو اس کے دست و پا سے صادر ہوتی ہے۔ ان کے متعلق یہ یقین رکھے کہ یہ شیخ کے دست و پا ہیں اور ان میں سکون و حرکت، میرے مرشد کے افعال اور انہیں کے اختیار سے ہیں، اور خود کو کسی طور پر بھی موجود نہ جانے۔ نہ حقیقت میں نہ تصور میں اور نہ فرضی طور پر۔

۲۔ فنا فی الرسول ہے کہ مضمون سابق کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت دے اور ہرگز ہرگز اپنے اپنے وجود کو اپنے وہم و گمان میں بھی نہ آنے دے۔ یہ فنا فنائے اوّل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ یہ سالک اپنے شیخ میں فنا ہے اور اس کا شیخ ذات پاک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فنا ہے تو یہ مرتبہ ثانی باآسانی میسّر آئے گا۔

۳۔ فنا فی اللہ۔ اور یہ وہ فنا ہے کہ جب نصیب آجاتی اور اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تو ابتدائی بقا ہاتھ آتی ہے۔ یہ وہ فنا ہے کہ جب حضرت جنید بغدادی کو حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں چالیس سال سے بہ خدا متکلم ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ

میں اُن سے کلام کر رہا ہوں۔

اس قسم کے اور اقوال بہت سے بزرگانِ دین سے منقول ہیں۔ اس فنا کے حصول کے بعد سالک موحد بالذات ہو جاتا ہے کہ وجود کی شرکت بھی نہیں رہتی۔

**نورُ ۵۰:-** قلوب العارفین فی حکم المساجد یعنی عارفین کے قلوب، مسجدوں کے حکم میں ہیں حضرت مولانا رُومی فرماتے ہیں :-

ابلہاں تعظیم مسجد می کنند
در جفائے اہل دل جد می کنند
مسجد کاندر درون اولیا ست
سجدہ گاہ ایں ست ایں جا ہم خدا ست

یعنی سادہ لوح نادان، مسجدوں کی حرمت کا تو بڑا خیال رکھتے ہیں لیکن اہلِ دل اولیائے کرام کے ساتھ جفا و بے ادبی سے پیش آتے ہیں حالانکہ وہ مسجدیں جو اولیائے الٰہی کے باطن میں موجود ہیں وہ بھی سجدہ گاہ ہیں اور وہاں بھی جلوہ خاصِ خدا ہے۔

**نورُ ۵۱:-** ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عادت کریمہ تھی کہ جمعہ مبارک کے شب و روز میں سورہ کہف ایک ایک مرتبہ پڑھتے جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہے اور بعد نماز عشاء آرام فرمانے سے قبل مسبحات ستہ "یعنی وہ سورتیں جو سبّح یا یسبّح سے شروع ہوتی ہیں یعنی ۱ سورہ حدید، ۲ سورہ حشر۔ ۳ سورہ صٰفّٰت، ۴ سورہ جمعہ، ۵ سورہ تغابن اور سورہ اعلیٰ۔ اور ان سورتوں کے ساتھ سورہ الم تنزیل السجدہ، سورہ ملک سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی قرأت فرماتے اور اکثر وہ اوراد ماثورہ جو حصن حصین کے یوم سہ شنبہ منزل ششم میں مذکور ہیں پڑھتے رہتے۔ خصوصاً سبحان اللہ وبحمدہ کا اکثر ورد رہنا۔

جمعہ کے روز نماز فجر کی پہلی رکعت میں آلم السجدہ اور دوسری میں ہل اتیٰ پڑھتے اور اکثر و بیشتر وتر کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد، سورہ اعلیٰ، دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص تلاوت فرماتے (جیسا کہ سنت بھی ہے)

اور نماز وتر کے بعد دو۲ رکعت نفل ادا فرماتے۔ پہلی رکعت میں سورۂ اذا زلزلت الارض دوسری رکعت میں سورۂ کافرون پڑھتے اور جب آرام کا وقت آتا تو سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھنا آپ کے معمولات میں تھا۔ کہ پڑھ کر اپنے اوپر دم فرماتے اور پھر سو جاتے ان کے پڑھنے کے بعد کسی سے کلام نہ فرماتے۔ اور تہجّد کے وقت بیدار ہو جاتے۔

**نور ۵۲** :- ۱۲۹۶ ہجری کے ربیع الاول شریف کی سترہویں شب، مرشد اعلیٰ حضرت سیدنا الشاہ آل احمد عرف اچھے میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ سے فراغت پا کر، جدی و مرشدی سید شاہ آل رسول احمد رضی اللہ عنہ اس فقیر کو جبکہ ابھی اس کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ اپنے ہمراہ اپنے سجادہ پر لائے۔ اور مجھے حکم دیا کہ مسندِ طریقت پر چار زانو بیٹھ جاؤں۔ چنانچہ میں بموجب حکم وہاں بیٹھ گیا اور خود حضرت والا نے دو زانو میرے روبرو تشریف فرما کر ایک روپیہ نذر مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا کہ مبارک ہو۔

یہ زمانہ میری کم سنی کا زمانہ تھا۔ اس لیے میں اس راز کو نہ سمجھ سکا اور وہ روپیہ اپنے کمر بند میں باندھ کر آرام کے لیے بڑے دالان میں آیا اور اپنی رضاعی والدہ کے ساتھ سو گیا۔ جب صبح ہوئی اور میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ کمر بند میں وہ روپیہ موجود نہیں۔ میں نے اپنی دادی صاحبہ سے عرض کیا کہ کل رات دادا حضور نے مجھے ایک روپیہ مکانِ سجادہ میں دیا تھا اور ساتھ ہی وہ رات والا واقعہ پورا پورا بیان کر دیا۔ دادی حضور نے میری رضاعی والدہ پر خفگی کا اظہار فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ روپیہ تلاش کریں۔ بسیار کوشش کے باوجود وہ روپیہ ہاتھ نہ آیا اور اس واقعہ کو بیس سال کم و بیش گذر گئے تو حضرت اقدس نے مجھے تنہائی میں وصیت فرمائی کہ اگر میرے وصال کے بعد خاندانی متوسلین تمہیں میرا جانشین بنانے کی تکلیف دیں تو نہ انکار کرو، نہ اس سے یکسوئی کا اظہار، بلکہ اسے قبول کر لو۔ بار بار یہی وصیت دہرائی۔ چنانچہ ارشاد گرامی کے مطابق ایسا ہی ظہور میں آیا اور بعینہٖ واقعہ ہوا اور وہ نذر والا روپیہ گم ہو گیا تھا اس کا اثر یہ مرتب ہوا کہ دنیاوی اموال ہاتھ آتے ہیں۔ لیکن جلد ہی ہاتھ سے نکل

جاتے ہیں. گرہ میں باقی نہیں رہتے۔ اور کبھی اموال دنیا جمع کرنے کی نہ نوبت آئی۔ نہ اس کی احتیاج ہوئی۔ الٰہی اپنے فضل وکرم تام سے ہمیں دنیا و مافیہا سے محفوظ رکھ۔ آمین۔

---

# پانچواں لمعہ (تابش ۵)

## چند مسائل فقہیہ کے بیان میں

**نور ۱:-** شخص واحد کی بات یقین کامل کے قابل نہیں اگرچہ وہ عادل ہو۔ شریعت مطہرہ بھی شہادت میں دو عادل مسلمانوں سے کم کا قول قبول نہیں کرتی۔ اور یہ وہ حکم شرعی ہے جو خبر دینے والوں کے اختلافِ احوال کے باوجود، مختلف نہیں ہوتا۔ مثلاً اولیائے کرام میں سے اگر کوئی ولی تنہا اس بات کی گواہی دے کہ عمرو پر، زید کی اتنی رقم ادھار ہے تو قاضی کے لیے اس کی اجازت نہیں کہ اسی شہادت کے بموجب فیصلہ شرعی کرے اگرچہ اُس ولی اللہ کے صادق القول ہونے پر دل مطمئن ہے۔

اس کے مناسب ایک واقعہ لکھتا ہوں کہ ایک روز امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ حکم بن عاص کا قصور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ سے میں معاف کرا چکا تھا۔ اب میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ انہیں مدینہ طیبہ آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں"۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے صادق القول اور عادل ہونے پر مجھے یقین ہے لیکن قواعد شرعیہ کی رُو سے اس پہ ایک اور شاہد عادل کی گواہی چاہیئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سچی بات سنی تو خاموش ہو گئے پھر جب

سیدنا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو یہی درخواست آپ نے ان کے حضور پیش کی، یہاں سے بھی وہی جواب ملا۔ پھر جب خود آپ کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے حکم بن عاص کو مدینہ طیبہ آنے اور وہاں قیام کر لینے کی اجازت دی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے بہ نفسِ نفیس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی معافی کا حکم حاصل کر لیا تھا اور آپ کو اس حکم پر علم الیقین حاصل تھا اور اس پر کسی اور شاہد کی حاجت نہ تھی۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین کر لیں۔ عقلمند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔

**نور ۲** :- فاسقِ مُعلِن کو (کہ علی الاعلان، بیباکانہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے) ابتداءً سلام نہ کیا جائے، نہ اس کے ہم نشین بنو، نہ اس سے گفتگو کا دائرہ پھیلاؤ۔ نہ اس سے ربط ضبط بڑھاؤ۔ بلکہ اس سے دُور دُور رہو۔ اگرچہ وہ تمہارا فرزند دل بند ہو۔ یہی حکم شرعی ہے اور یہی ایسوں کی سزا (کیا عجب کہ دل میں شرما کر راہِ راست پر آجائیں اور یہ سرزنش انہیں نیکوکار بنا دے) افسوس صد افسوس کہ تم روزانہ نماز وتر میں، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ کہ ہم جدا ہوتے اور اس شخص کو چھوڑتے ہیں جو تیرا گناہ کرے) پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ یا پھر یہ بات ہے کہ تم روزانہ اپنے مالک و مولیٰ سے دروغ گوئی کو آسان سمجھتے ہو۔ میرے عزیز! اگر اس پر عمل کرو گے تو جھوٹ کے وبال سے نجات پاؤ گے ورنہ یہ بلائے بد اور کجروی ہے۔ دوسرے لوگ اپنے برابر والوں سے جھوٹ بولتے ہیں اور تو اپنے خدائے عزوجل سے جھوٹ بولتا رہتا ہے۔)

ے بہ بیں تفاوت راہ است از کجا تا کجا

بہرحال یہ تمہارے اختیار کی بات ہے۔ ہاں اگر ترکِ تعلق پر تم کوئی قدرت نہیں رکھتے (اور یہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے) تو اُسے نصیحت کرو اور جہاں تک بن پڑے ان پر ملامت کرو (انہیں شرم دلاؤ) اور اگر اس پر بھی قدرت نہیں تو دل سے اُن کی محبت نکال دو اور انہیں بُرا سمجھو۔ کہ یہی ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

**نورِ ۳:-** وضو کرتے وقت اپنے منہ اور ناک کو خوب پاک صاف کریں۔ اور پانچوں وقت مسواک کریں تاکہ غذا کے ریزوں اور بدبو سے منہ کی صفائی ہو جائے یہ مسواک کرنا سنت بھی ہے کہ ملائکہ اور ارواح کو اس کی بدولت پاکیزہ دہن سے انسیت ہوتی ہے ورنہ انہیں اور اس کے ہم جنس بنی آدم سب کو اس سے ایذا پہنچتی ہے اور وہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔

**نورِ ۴:-** سلام کئے اور اجازت لیے بغیر کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ بلکہ اپنے گھر میں آؤ تب بھی ایسا طریقہ اختیار کرو کہ گھر میں رہنے اور سکونت اختیار کرنے والوں کو تمہاری آمد کی اطلاع مل جائے۔ گھر والوں کے حق میں کافی ہے اور اس حکم میں بڑی حکمتیں اور بے شمار فائدے ہیں۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس وقت اہل خانہ کس حالت و کیفیت میں ہیں۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ اس وقت کوئی شخص (مرد خواہ عورت) نہانے دھونے میں مصروف ہو۔ (جبکہ عموماً غریب گھرانوں میں باقاعدہ غسل خانے نہیں ہوتے) یا بے پردہ ہو۔ یا بے فکری سے مصروف کار ہو (ستر شرعی سے غافل) وعلی ہذا القیاس

پھر حکم قرآنی بھی یہی ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا الآیۃ۔

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو، اور گھر والوں پہ سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ تاکہ تم نصیحت پکڑ لو"

**نورِ ۵:-** اپنے ماں یا باپ اور استاد یا پیر کو ان کا نام لے کر نہ پکارو کہ بے ادبی ہے۔ اسی طرح بیوی شوہر کا نام نہ لے۔ بلکہ جیسا کہ ہمارے شہروں میں رواج ہے۔ شوہر بھی اپنی بیوی کا نام لے کر ندا نہ کرے کہ لوگ اسے بے شرمی پر محمول کرتے ہیں اور ایسے امور میں رسم و رواج کی پاسداری سے بھی منہ نہ موڑنا چاہیئے۔

**نورِ ۶:-** فضول و بے ہودہ اور لغو و بے فائدہ مذاق کسی سے نہ کرنا چاہیئے۔ خصوصاً ایسا مذاق جس میں جھوٹ تہمت تراشی، کسی کی دل آزاری یا فحاشی پائی

جائے کہ یہ حرام ہے۔ ہاں ایسا مذاق جو مباح ہو یعنی ممانعت شرعیہ سے پاک صاف اگر کبھی کبھی محض دوست کی پسند خاطری اور اپنی نشاط طبعی کے ماتحت ایسا عمل میں آجائے تو چنداں مضائقہ بھی نہیں۔ البتہ اس کی عادت نہ ڈالے کہ لایعنی بھی اور اس سے وقعت بھی کم ہوتی ہے۔

**نور ۷:-** جاننا چاہیئے کہ خندہ تین قسم پر ہے۔ تبسّم[۱] ضحک[۲] اور قہقہہ[۳]۔ تبسم یعنی مسکراہٹ یہ ہے کہ اس کی آواز نہ کسی تک پہنچے نہ اپنے کانوں میں آئے صرف ہونٹوں میں خفیف سی حرکت پیدا ہو اور ہو سکتا ہے کہ لب کھل کر سامنے کے دانت نمایاں ہو جائیں۔ اور ضحک[۲] یعنی ہنسی یہ ہے کہ اس کی آواز صرف ہنسنے والا سن سکے۔ نہ کوئی اور۔ اور قہقہہ[۳] یہ ہے کہ اس کی آواز خود یہ بھی سنے اور دوسروں کے کانوں تک بھی پہنچے اگرچہ وہ دوسرا اس کے برابر ہو۔ ان میں تبسم یعنی مسکرانا جائز ہے بلکہ مسنون اور قہقہہ مکروہ و مورثِ غفلت اور وقت بے وقت ہنستے رہنا دل کو مارتا ہے جیساکہ حدیث میں وارد ہے کہ کَثرۃُ الضّحکِ یُمِیتُ القَلبَ۔

**نور ۸:-** جتنا قرآن پاک زبانی یاد ہو اُسے محفوظ رکھو۔ ورنہ کل بروز قیامت قبر سے نابینا اٹھائے جاؤ گے۔ قرآنِ عظیم کو بھلا دینا گناہ عظیم ہے۔

**نور ۹:-** سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سجدہ عبادت۔ دوسرا سجدہ تحیت یعنی سجدہ تعظیم و تکریم کر کسی کی عظمت و جلالت کے اظہار کے لیے، بلاقصد عبادت ادا کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں، اور ان کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ نے، آپ کو کیا تھا حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے جو سجدہ کیا تھا وہ بھی سجدہ تعظیمی تھا۔ اب شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں یہ بھی حرام ہے البتہ کفر نہیں، اور اسے کفر کہنا درست بھی نہیں کہ کفر کسی شریعت میں مباح نہیں ہو سکتا، یونہی بیت اللہ شریف کے علاوہ کسی اور چیز کا طواف کرنا حرام ہے۔ ہاں مدہوشی اور عالم وارفتگی میں ان کا صدور ہو جائے۔ یعنی کسی پر انتہائی اشتیاقِ ملاقات غالب ہو اور بوقت ملاقات اس کا یہ عالم ہو جائے کہ عقل جاتی رہے اور ہوش و حواس گم

ہو جائیں) اور اسی عالم کیف میں وہ سجدۂ تحیت یا طواف بجا لائے تو اس کی بیخودی اور بے اختیاری کی وجہ سے اس کی گرفت نہ ہو گی۔ جیسا کہ مجنونوں اور پاگلوں سے باز پرس نہیں ہوتی کہ ؎

سلطاں نہ گیرد، خراج، از خراب

اور اگر کوئی طوافِ غیر کعبہ پر مجبور ہی کر دیا جائے تو طواف کر لے مگر نیت طواف نہ کرے۔ کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

**نور ۱۰:** قرآن کریم مجمع میں آہستہ پڑھنا چاہیے۔ بالخصوص اس وقت کہ حاضرین کی اِدھر اُدھر توجہ نہ ہو یا حکم قرآنی سے کہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ط (جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے سُنو اور چپ رہو۔ اس امید پر کہ رحم کئے جاؤ)

واقف نہ ہوں، یا غافل نہ ہو۔ یا دیدہ و دانستہ جانتے بوجھتے غفلت اختیار کریں۔ یا دنیاوی بات چیت میں محو و مستغرق ہوں تو ایسی صورت میں تلاوت کرنے والے اور سامعین دونوں ہی گناہ گار ہوں گے۔ (قرآن خوانی کی مجالس میں اس کا ضرور خیال رکھیں ورنہ گناہ لازم آئے گا) البتہ دینی مکتبوں میں تعلیم و تحصیل اور حفظ قرآن کی خاطر بچے اگر باآواز بلند پڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں (بلکہ یہی درکار ہے) اور تلاوتِ قرآن شریف میں بھی حتی الامکان احتیاط برتیں اور تنہائی میں، عوام کالانعام کی نشستگاہ سے دُور بیٹھ کر باادب تمام تلاوت میں مصروف ہوں۔

**نور ۱۱:** کسی مشرک و کافر مرد و عورت، یوں ہی علی الاعلان گناہ کے مرتکب فاسق مسلمان، جسے فاسق معلن کہتے ہیں۔ اور ان جیسے دوسرے۔ ان میں سے کسی کی مدح و ستائش تعریف و توصیف نہ کریں۔ جیسا کہ بے باک جاہلوں کی عادت ہے کہ سماعِ حرام سنتے ہیں۔ اور پھر اس کی تعریف کرتے اور کہتے ہیں کہ کیسی اچھی قوالی تھی اور وہ گانے والی بھی۔ کیسی قیامت کی خوش آواز تھی اور کتنا نفیس گا رہی تھی۔ بلکہ ان میں بعض بے شرم تو ایسے ہیں کہ باری تعالیٰ کیلئے مخصوص تعظیمی کلمات مثلاً سبحان اللہ

(ماشاءاللہ وغیرہ) اُن بے ہودہ کلماتِ ستائش سے ملا دیتے اور سرحد کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔

اسی طرح ظالم و فاسق امراء و حکام کی بعض لوگ تملّق و چاپلوسی کرتے اور حد سے فزوں ان کی جھوٹی تعریف میں اونچی اڑان اڑتے ہیں یہ بھی قریب قریب کفر ہے۔ مسلمانوں کو ایسی نامعقول اور بے ہودہ حرکتوں سے توبہ کرنی چاہیئے۔ کہ حرام تو یقیناً ہے اور بعض اوقات ان میں اندیشہ کفر بھی۔ شرعاً تو ایسے ناہنجاروں کی ہجو، اور خدا ہمت و توفیق دے تو اُن رد در رد، منھ کے سامنے ان کے کردار پر لعنت و ملامت کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ پشیماں۔ (اور شرمندہ ہوکر اپنی بدکرداری سے توبہ کریں) اور اگر اس پر قدرت نہ ہو (اور مصلحت شرعیہ اس کی اجازت دے) تو اس کی غیر موجودگی میں اس کی ناکردنی حرکتوں پر ضرور لعن طعن کریں (کہ دوسروں کی چشمِ عبرت کھلے۔ اور اگر یہ بھی امکان میں نہ ہو تو کم از کم اپنے دل میں ان کی اہانت کریں (انہیں دل سے قابلِ نفرت و ملامت سمجھیں) اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اتنا بھی آدمی نہ کرسکے تو پھر اُنہیں کے زمرہ میں شمار کیا جائے گا اور انہیں ساتھ بروز حشر اٹھایا جائے گا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

**نور ۱۲:-** اپنے خاندان اور اپنے آباؤ اجداد کا حسب نسب نہ چھپائیں اور نہ خود کو دوسروں کی طرف منسوب کریں کہ شرعاً سخت ممنوع ہے۔

(اور ایسے لوگ بحکمِ حدیث صحیح لعنت الٰہی کے مستحق ہیں۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے)

**نور ۱۳:-** کسی غیر محرم و اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھیں کہ شیطان لعین تمہارا عدوِ مبین، تمہاری آزار کے در پے (اور گھات میں) ہے۔

ایسا نہ ہو کہ تمہیں کسی ہلاکت میں ڈال دے اور تم سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو جائے۔

ایک روز ابلیس پُر تلبیس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ میرے حق میں آپ دعائے خیر فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرا قصور معاف فرمادے اور میری خطا سے درگزر فرمائے" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہو کر یہ بات عرض کی۔ ارشاد ہوا کہ آپ اس ملعون سے کہہ دیں کہ اب پہلے آدم علیہ السلام

کی قبر کو سجدہ کرے"۔ ابلیس لعین نے جب آپ سے یہ بات سنی تو پھر اپنی فطری خباثت پر اتر آیا اور صاف انکار کر دیا۔ کہنے لگا کہ اے موسٰی، جب میں نے خود آدم کو سجدہ نہ کیا، تو اُن کی قبر کو کیسے سجدہ کروں گا۔ بہر حال آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا اگرچہ میں اپنی شومیٔ قسمت کے باعث محروم کا محروم رہا۔ اس لیے میں آپ کو یہ تین باتیں بتاتا ہوں۔ آپ اپنے امتیوں تک پہنچا دیں اور وہ یہ کہ مجھے تین اوقات میں اپنے پاس ہی جانیں۔

۱۔ جبکہ اجنبی مرد اور اجنبی عورت تنہائی میں ہوں۔

۲۔ جبکہ غصہ و غضب کی حالت ہو۔ اور

۳۔ کافروں سے جہاد و قتال کے وقت، کہ اس وقت میں انہیں اُن کے زن و فرزند اور قرابت دار یاد دلاتا ہوں کہ وہ ان کی محبت میں بے قرار ہو کر راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور غصہ جب شدت کو پہنچتا ہے تو میں اس کی عقل زائل کر دیتا ہوں اور باپ کو بیٹے سے، بیٹے کو باپ سے الگ کر دیتا ہوں۔ یہاں تک کہ ان میں باہمی قتل و قتال تک نوبت پہنچا دیتا ہوں۔ اور اجنبی مرد و عورت کی تنہائی میں اُن پر ایسا غلبہ پا لیتا ہوں کہ اُس وقت مجھ سے رہائی پانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اس وقت میں انہیں زنا پر آمادہ نہ کر سکوں، یا اس کے قریب قریب نہ لے آؤں۔

**نور ۱۴:** مسلمان کو کافر کہنا، اس کے قتل سے بدتر ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس پر بڑی وعید آئی ہے۔ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اِلَّا بَاءَ بِہٖ اَحَدُھُمَا۔ یعنی جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے تو اس کلمہ کے ساتھ دونوں میں سے ایک لوٹے گا۔" یعنی یہ کلمہ دونوں میں سے ایک پر پڑے گا۔ یوں ہی مسلمان پر لعنت کرنا بھی اشد گناہ کبیرہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔

**نور ۱۵:** اگر کسی کی دو بیویاں ہوں تو دونوں میں عدل (سلوک میں برابری) رکھو ورنہ ایک کے ہوتے دوسری کو نکاح میں نہ لاؤ۔ یہی قرآن کریم

کا حکم صریح ہے۔

**نور ۱۶**:- خدائے تعالےٰ کے حرام کو حلال نہ جانو۔ ورنہ کفر کے وبال میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ جسکی حرمت قطعی ہے اُسے حلال جاننا کفر صریح ہے۔ گناہ کو حرام جان کر اس کا مرتکب ہونا گناہ ہے۔ اور اس گناہ کو حلال جان اس کا ارتکاب کرنا گناہ بالائے گناہ ہے کہ کفر تک پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم نے بتایا۔

**نور ۱۷**:- سچی گواہی کو (بلا ضرورت و بلا مصلحتِ شرعیہ) چھپانا دل کا گناہ ہے اور جھوٹی گواہی کفر و بت پرستی کے برابر۔ شانہ بشانہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ

"اور شہادت کو نہ چھپاؤ۔ اور جو اسے چھپائے گا اُس کا دل گنہ گار ہوگا"۔

نیز ارشاد فرمایا فَاجْتَنِبُوا الْأَوْثَانَ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ ط بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔ اللہ کے لیے باطل سے حق کی طرف مائل ہو جاؤ۔

**نور ۱۸**:- ادائے شہادت واجب ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس قاضی کے پاس ادائے شہادت کے لیے بلایا جاتا ہے۔ وہ عادل (انصاف پسند، نیک کردار، نیک سیرت) مسلمان ہو۔ ورنہ گواہی دینا واجب نہیں۔ (اور آجکل کچہریوں میں گواہی دینے کی جو صورت ہے وہ اہل معاملہ پر مخفی نہیں۔ وکیل مدعی جھوٹ بولنے پر زور دیتے ہیں اور وکیل مدعا علیہ جھوٹا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی گواہی دینے سے خدا بچائے۔ بہار شریعت)

**نور ۱۹**:- نابالغوں اور غیر مکلفوں (مثلاً مجنونوں اور مجذوبوں) کا گناہ لکھا جانا۔ البتہ ان کے ذمہ دار ولیوں اور مربیوں کی غفلت و لاپرواہی یا چشم پوشی کے باعث جو افعال ان سے سرزد ہوں۔ یا ان کی اجازت انہیں دیدی

جائے۔ تو اب اس کا گناہ ان مربیوں پر ہوگا۔ مثلاً کسی نابالغ بچے کا مربی و ولی اُسے شراب نوشی سے نہ روکے یا خود اُسے پلائے تو اس صورت میں شراب نوشی کا گناہ بچہ یا غیر مکلّف پر نہیں، اس کے ولی پر ہے۔

اس مسئلہ کا ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جہالت اور ناواقفیت کے بل بوتے ایسے بہت سے واقعے رونما ہو جاتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو ناسمجھ ہیں اور ان کے لیے معافی ہے یہ جو کرتے ہیں کرنے دو۔ اُنہیں اُس سے روکو مت۔ بلکہ مشاہدہ ہے کہ بچوں کے والی و سرپرست، خود ہی اُن سے گناہ کراتے ہیں۔ مثلاً راگ رنگ اور ناچ گانے کے مجمع میں جانے سے انہیں نہیں روکتے۔ روکنا کیسا اور الٹی انہیں ترغیب دیتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان پر کوئی گناہ نہیں۔ تو تنبیہ یا ڈانٹ ڈپٹ کی کیا ضرورت ہے۔ اے ناواقفو! اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ ان پر اس کا گناہ نہیں مگر تمہیں اس سے چھٹکارا کیسے نصیب ہوگا۔ تم تو گناہ میں پکڑے جاؤ گے۔

**نور ۲۰:** اولاد جب تک بالغ نہ ہو جائے اُن کی ترتیب و پرورش، ماں باپ پر فرض ہے، اس کے بعد نیک سلوک واحسان۔

**نور ۲۱:** شریعت مطہرہ نے عورت کو کہ سرتا بہ پا عورت مستورہ (پردہ وحجاب میں رکھنے کی شئے) ہے، پردہ کا حکم فرمایا ہے۔ اور یہ دو قسم پر ہے ایک[۱] حجاب، دوسرا ستر[۲]۔ حجاب یہ ہے کہ عورت خانہ نشین رہے اور غیر محرم کی نگاہ سے بالکلیہ دُور رہے۔ اور ستر یہ ہے کہ منہ کی ٹکلی اور دونوں ہتھیلیوں کے علاوہ سارے بدن کو دبیز کپڑوں سے چھپائے رکھے۔ ایسا کہ (سر کے بال اور کنپٹی سمیت) بدن کا ہر حصہ بھی اوروں پر ظاہر نہ ہو، نہ کھلا کہ صاف نمایاں ہو اور نہ تنگ یا باریک کپڑے کی اوٹ میں۔ کہ رنگت جھلکے اور بدن کی ساخت جھلکے۔

قسم اول یعنی حجاب اہل بیت نبوت علی سیدہم وعلیہم الصلوٰۃ والتحیۃ پر فرض تھا۔ اور امت کی دوسری مسلمان بیبیوں کے لیے مستحب اور باعث ثواب) اور دوسری قسم یعنی ستر، یہ تمام آزاد مسلمان عورتوں پر فرض ہے۔ اور اب اس دور میں کہ بے لحاظی و

بے باکی کا دور ہے اعلمائے شریعت نے کہ درحقیقت حکیمان امت اور حاکمان شریعت ہیں، فسادِ زمانہ کے پیش نظر آزاد عورتوں کو حجاب کا حکم دیا ہے کہ (عورتیں ضرورت شرعیہ کے علاوہ، گھر سے باہر قدم نہ نکالیں۔ خانہ نشین رہیں)

اور ہمارے ان اطراف میں شرفاء اور اہل عزت میں یہ کیسا اچھا رواج ہے کہ انہوں نے گھر کی چہار دیواری کو عورت کے لیے قید خانہ کی مانند بنا دیا ہے۔ اور حجاب کامل کے بغیر عورتوں کو گھر سے نہیں نکلنے دیتے۔ یہ رسم اُس بدعتِ سیئہ کے مقابلہ میں کسی خوشگوار (اور عاقبت اندیشی پر مبنی ہے) جو آجکل لباس کی تراش خراش اور نام نہاد پردہ میں سمو دی گئی ہے۔ کہ لوگ فرض کو چھوڑ کر حرام میں پڑ گئے اور طاعت و غیرت، دونوں کو برباد کر بیٹھے ہیں۔ اور عالم یہ ہے کہ شریف بی بیاں، اپنے چچا زاد، پھوپی زاد، بھائیوں، ماموں، خالہ کے بیٹوں، شوہر کے (چھوٹے بڑے) بھائیوں، اور اپنی بہنوں کے شوہروں یعنی بہنوئیوں وغیرہم نامحرموں سے کوئی پردہ نہیں کرتی ہیں۔ اور ان کے سامنے نہ صرف یہ کہ بے حجاب بلکہ محض بے ستر رہتی ہیں تنگ و چست اور ایسے باریک کپڑے استعمال کرتی ہیں کہ پیٹھ اور پیٹ، گلا اور سر نمایاں رہتا ہے اور سر کا کھلا رکھنا، یا چار چھ انگل پیٹ، دونوں پنڈلیوں، پہنچوں، بازوؤں اور گردن کا کھلا رہنا تو جیسے کسی حساب ہی میں نہیں، بدن کے یہ حصے تو عموماً محض برہنہ رہتے ہیں۔ اور پیٹھ اگرچہ پوری نہیں کھلی رکھتیں، لیکن باریک کپڑے اس سے چمٹا کر، گویا کہ بے پردہ ہی رہتی ہیں۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسی شریف بی بیوں سے حجاموں اور نوربافوں کی عورتیں کہیں بہتر ہیں کہ اگرچہ وہ گھروں سے باہر نکلتی اور بازاروں سے گزرتی ہیں۔ مگر ان کے کپڑے دبیز اور موٹے ہوتے ہیں۔ اور ان کے بدن کے تمام اعضاء اچھی طرح نگاہوں سے ستر و حجاب میں رہتے ہیں۔ نہ اُن کی اوڑھنی اور بدن پر رہنے والی کرتی وغیرہ ایسی تنگ ہوتی ہیں کہ اس سے اُن کا سر یا پیٹھ یا پیٹ نمایاں ہو جائے نہ اُن کا پاجامہ یا شلوار اتنا ڈھیلا ہوتا ہے کہ پائنچے اٹھانے کی نوبت آئے اور پنڈلیاں نظر آئیں۔ نہ ایسا

تنگ رہتا ہے کہ بدن سے چپٹا رہے اور بدن کی فربہی یا لاغری کی کیفیت کا اظہار ہو جائے (افسوس کہ اب یہ وبا عام ہو گئی) اور ان سے بہتر رواج عربی عورتوں کا ہے کہ ان میں جو ہیبت و عزت و وقار والی ہیں وہ ایسی پردہ میں ہیں۔ جیسے روح، تن میں یا دل بدن میں۔ اور ان میں سے بضرورت باہر آتی ہیں۔ وہ بُرقع اوڑھ کر دستانے اور موزے پہن لیتی ہیں کہ ان کی ہتھیلیوں کیا پاؤں کا کوئی حصہ، کسی کی نگاہوں میں نہیں آتا۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے۔ ان کی خوبی اور اللہ ہی ذمہ فضل پر ہے۔ ان کا اجر۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر اور عفو عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

**نور ۲۲:-** عورت کو چاہیے کہ اپنی آواز بھی کسی اجنبی کو نہ سنائے کہ عورت کی آواز اور اس کی صورت دونوں ہی عورت ہیں۔ اب اس دور میں ہندوستان (وپاکستان) کی بی بیاں، اپنے نامحرموں سے بیباکانہ طور پر بات چیت کرتی ہیں۔ (اور ذرا نہیں شرماتیں) اور نابینا کے سامنے تو یہ سمجھ کر کہ وہ نابینا ہے۔ (ہمیں کیا دیکھ سکے گا) بے تکلف بے پردہ سامنے آجاتی ہیں۔ ہم نے مانا کہ وہ نابینا ہے لیکن عورت تو نابینا نہیں، عورت کو بھی کب حلال ہے کہ وہ کسی اجنبی کو دیکھے جیسا کہ مرد کو حکم ہے کہ وہ کسی اجنبیہ پر نظر نہ ڈالے۔ دونوں ہی اس حکم شرعی کے مامور ہیں اور دونوں کا حکم یکساں۔ یہی حکم عورت کی آواز کا ہے کہ جس طرح اجنبیوں سے چہرہ چھپانا ضروری ہے اسی طرح اپنی آواز کی حفاظت لازم ہے کہ وہ اجنبی مرد کے کانوں میں نہ پڑے۔ بلکہ اگر دونوں نابینا ہوں تب بھی اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ نابینا غیر محرم سے بات چیت کی نوبت نہ آئے۔

**نور ۲۳:-** مسلمان عورت کتابیہ، مجوسیہ اور مشرکہ عورتوں سے بھی اپنے آپ کو بچائے (یعنی اُن کے سامنے بھی دوپٹہ وغیرہ نہ اتارے) چنانچہ درمختار وغیرہ کتب فقہ میں یہ حکم صراحتہً مذکور ہے۔ اسی طرح حکم شرعی یہ ہے کہ صالحہ عورت بدکار فاسقہ فاجرہ کہ علی الاعلان گناہ کا ارتکاب کرتی ہیں۔ ان کے بھی سامنے نہ آئے۔ تاکہ ان کے کفر و شرک اور ان کے فسق و فجور کا کوئی اثر، ان کی صحبت و ہم نشینی سے ان صالحہ

مسلمان عورتوں میں پیدا نہ ہوا اور وہ ان کے بد اثرات سے مامون و محفوظ ہیں۔

وہ مرد جس کے اعضائے تناسل کاٹ لیے گئے ہوں اور زخموں سے بھی پردے کا حکم وہی ہے جو دوسرے مردوں سے ہے اور عورت کا عورت کو دیکھنا اس کا وہی حکم ہے جو مرد کا مرد کی طرف نظر کرنے کا ہے (یعنی ناف کے نیچے سے گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی۔ باقی اعضاء کی طرف نظر کر سکتی ہے) عورت پر یہ بھی لازم ہے کہ جو مرد اس کے محرم ہیں ان کے سامنے بھی پیٹ پیٹھ اور ناف سے زانو تک بدن کا کوئی حصہ نہ کھلنے دے۔ باقی اعضاء پر اُن کی نظر پڑ جائے تو کوئی گناہ نہیں اور اگرچہ سر کھلا اور دوپٹہ شانوں پر ڈالے رکھنا اپنے محارم کے روبرو جائز ہے۔ لیکن حیا و شرم کے منافی ہے اور سینہ و پستان کا کھلا رکھنا اور بھی زیادہ بے شرمی کا مظہر ہے اور ہندو (پاکستان) کی عورتوں میں یہ رسم بڑی پسندیدہ ہے کہ پستان کے چھپانے میں پوری کوشش کرتی ہیں لیکن کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ اپنے پیٹ اور پیٹھ کا بھی ایسا ہی خیال رکھتیں کہ پیٹ اور پیٹھ اور ران کا چھپانا اپنے محارم سے بھی ضروری ہے۔ جبکہ گردن و سینہ وغیرہ کا پوشیدہ رکھنا ایک اچھی رسم ہے، واجب شرعی نہیں۔ یہ عجیب جہالت ہے کہ رسم و رواج کی اس شدت سے پابندی اور فرض و واجب کی طرف سے وہ غفلت و کوتاہی۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ محارم سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے۔ کسی حالت میں حلال و جائز نہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ محرم نسبی۔ جیسے باپ، بیٹا۔ بھائی۔ اور بھائی بہن کی اولاد۔ بھتیجے بھانجے۔

۲۔ محرم رضاعی۔ یعنی رضاعت کی جانب سے یہی علاقہ والے۔ باپ بیٹا وغیرہ۔

۳۔ محرم صہری۔ یعنی سسرالی رشتہ دار، جیسے خسر داماد۔

ان میں محرم نسبی سے پردہ کرنا چاہیے کہ قطع رحمی ہے اور وہ جائز نہیں۔ اور باقی دو محرم یعنی دودھ میں شریک یا سسرالی محرم۔ ان کے متعلق جوان عورت کے لیے حکم شرعی، نظر بہ حالات زمانہ، یہ ہے کہ ان سے پردہ میں رہیں یہی راہ سلامتی کی اب رہے غیر محرم تو وہ اگرچہ بالکل اپنے ہوں مرگ عاجل اور سمِ قاتل ہیں۔ عورتوں

کو ہرگز ہرگز بے حجاب ان کے سامنے نہ آنا چاہیئے۔ خواہ ان کے نکاح مطلقاً جائز ہو مثلاً چچا، ماموں، پھوپی خالہ وغیر ہم کے بیٹے یا مانع نکاح کے زوال کے بعد، اُن سے نکاح حلال ہو مثلاً اپنی زوجہ کی بہن یعنی اپنی سالی سے نکاح۔ زوجہ کی زندگی میں حلال نہیں۔ ہاں زوجہ فوت ہوجائے یا شوہر اسے طلاق دیدے اور اس کی عدت بھی گذر جائے تو نکاح درست وحلال ہے۔ اور بہر حال اجنبی یگانہ ہوں یا بے گانہ، پردہ کے بارے میں دونوں کا حکم یکساں ہے اگر ان سے ویسا ہی پردہ کریں، جیسا اجنبی محض سے (خدا پناہ دے بُری گھڑی کہہ کر نہیں آتی اور نیک وبد کسی کے منھ پر نہیں لکھا ہوتا۔ اور پھر عورتوں میں بڑا ہنر، اَن ہونی جوڑ لینا، طوفان لگا دینا ہے۔ تو کاجل کی کوٹھڑی کے قریب ہی کیوں جائے کہ دھبا کھائے۔ اجنبیوں سے پردہ کا حکم اسی لیے ہے کہ فتنوں کے دروازے بند ہوجائیں۔ مولائے کریم اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ افادات رضویہ)

**نورُ ۲۴**:- عورت پر اپنے پیر طریقت سے پردہ کرنا ایسا ہی فرض ولازم ہے جیسے اور اجنبی مردوں سے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ پیر باپ کی جگہ ہے یہ درست ہے۔ لیکن اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ یعنی یہ کہ جس طرح باپ، بدن کا مربی ہے۔ اسی طرح پیر، روح کی تربیت فرماتا ہے اور اس بنیاد پر اس کی تعظیم وتکریم اسی طرح ہے جیسے حقیقی باپ کی۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ تمام احکام میں، حقیقی باپ کے قائم مقام ہے (ورنہ سارے مرید۔ مرد خواہ عورت: اس کی وراثت کے حقدار بن جائیں) تو کہنا یہ ہے کہ اس بے حیائی سے جو اکثر جاہلوں میں رواج پار ہی ہیں، دور ہی رہنا چاہیے۔ یونہی علم ظاہری کے استاد سے بھی پردہ لازم وفرض ہے۔

**نورُ ۲۵**:- لوگوں میں مشہور ہے کہ لا نکاح بین العیدین۔ دو عیدوں کے مابین نکاح نہیں۔ اس سے مُراد نماز عیدین ونماز جمعہ ہے۔ یعنی اگر عید الفطر یا عید الضحٰی جمعہ کے روز پڑے تو نکاح نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کرنا چاہیے۔ (کہ جمعہ بھی عید المومنین ہے) اور ان دونوں عیدوں کے مابین قلت وقت کے باعث

فراغت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن کسی عجلت کے باعث ان اوقات میں نکاح پڑھا لیا جائے تو شرعاً کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔

**نور ۲۶:-** شعر گوئی میں، مراتب کا حفظ الحاظ ازبس ضروری جانیں۔ یعنی تمثیلی اشعار میں، ملائکہ وانبیاء واولیاء اللہ کی توہین اور کسر شان کا کوئی پہلو نہ آنے پائے۔ مثلاً کسی کے حسن وجمال کی تعریف میں حسن یوسف علیہ السلام کی تنقیص یا حکمت ودانائی کی توصیف میں حضرت لقمان علیہ السلام کی توہین۔ یا ذوالفقار کی تصویر کشی میں حضرت جبریل علیہ السلام کے پروں کی قطع وبرید یا کسی طبیب کے بیان وصف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہانت۔ (کہ حرام قطعی ہے جس سے اجتناب لازم) اسی طرح نعتیہ اشعار میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ نعت بمرتبۂ حمد نہ پہنچے۔ یعنی وہ صفات کریمہ جو اللہ عزوجل کے لیے مخصوص ہیں کسی مخلوق کے لیے ثابت نہ کریں۔ مثلاً الوہیت، معبودیت اور اس کی خالقیت وغیرہا۔

یونہی اصحاب واہل بیت واولیائے امت کی منقبت میں، مضامین نعت نہ آنے پائیں۔ اور سلاطین وحکام ودنیاوی کی ایسی تعریف نہ کریں کہ انہیں صحابہ و اہل بیت کا ہمسر بنادیں یا کسی امیر زادہ کے مکان و باغ کی تعریف میں ایسی بات نہ لکھیں کہ عرش وکرسی اور باغات ومکاناتِ جنت سے ملادیں۔

وعلیٰ ہذا القیاس ایسے اشعار کہنا کہ ان کا مضمون فحش اور شہوت انگیزی کا باعث ہو حرام وممنوع ہے۔ شعر کا حکم بعینہٖ سماع کا حکم ہے کہ جس طرح سماع میں اس کی اہلیت ضروری ہے۔ اسی طرح شعر گوئی میں اس کا اہل ہونا لازم ہے۔ لہٰذا اگر شعر گوئی اور شعر خوانی سے قوت شہوانی جوش مارے تو ایسے شخص کے حق میں یہ ممنوع ہے رہے حمد ونعت اور مناقب اولیاء پر مشتمل اشعار اور وہ اشعار جن میں کفار کی توہین وتذلیل اور ہجو شامل ہے تو ان کا کہنا سننا سنانا سب جائز ہے اور مباح و مستحب ایسے اشعار خود حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برسر منبر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنے ہیں بلکہ ترغیب دے کر کفار کی ہجو

ہیں اشعار کہلوائے ہیں۔

**نور ۲۷:** کسی کی موت پر سوگ منانا اور زینت ترک کرنا تین روز سے زیادہ جائز نہیں۔ سوائے شوہر کے سوگ سے کہ عورت کو حکم ہے کہ وہ چار مہینے دس روز، اس کی موت کے سوگ میں گزارے اور جبتک یہ مدت نہ گزر جائے زینت و آرائش اختیار نہ کرے۔

اس لیے حضرت امام حسین علیٰ جدّہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر خصوصاً محرم الحرام کے مہینے میں، ماتم کرنا، جیسا کہ ان اطراف میں جاہلوں کی رسم ہے کہ وہ دس روز بلکہ بعض چالیس روز تک، سال بہ سال زینت ترک کر کے لوگ مناتے اور شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقاریب سے کتراتے ہیں۔ یہ خود اپنی جگہ ممنوع ہے۔ اس لیے کہ روافض کی بدعت سیئہ ہے۔

ہاں ان ایام میں حضرت امام علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح پرفتوح ہدیہ ثواب کی نیت سے، صدقہ وخیرات کرنا، جبکہ اس کا مقصود نام ونمود نہ ہو، بہت خوب اور شرعاً مرغوب۔ اسی طرح ان کے وہ حالات جو احادیث کریمہ اور روایات صحیحہ سے ثابت ہیں سننا۔ اور اُن کے اُن مصائب پر افسوس کرنا بھی جائز و مباح اور مستحب ہے۔ یہ نہیں کہ تکلفات کو درمیان میں لا کر جزع فزع یا تصنع سے نوحہ کریں یا سینہ پیٹیں، چہرہ نوچیں، غسل و حجامت اور تبدیل لباس سے باز رہیں۔ پان اور غذا نہ کھائیں۔ عورتیں اپنی چوڑیاں توڑ دیں اور سیاہ و سرخ لباس پہنیں کہ یہ سب حرام و بدعت اور شرعاً سخت منع ہے۔ ہاں اگر اُن کے مصائب و آلام پر بے ساختہ رونا آجائے تو یہ باعث رحمت و برکت ہے۔

**نور ۲۸:** حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ گیارھویں بالخصوص ۱۱ ربیع الآخر شریف کو، مال و فرزند میں برکت مقاصد میں کامرانی اور مرادات میں کامیابی کے لیے جائز و مندوب اور نہایت خوب کار خیر ہے جیسا کہ بزرگان دین نے تجربہ فرمایا ہے اور اس میں مانعات شرعیہ میں سے

کوئی مانع بھی نہیں۔ ہاں، ہاں شرط یہ ہے کہ یہ مجلسیں اور اجتماعات، راگ رنگ اور رقص وسرود سے نیز روایات کاذبہ و موضوعہ سے خالی ہوں۔ ان مجالس متبرکہ میں درود شریف و کلمہ کی قرائت، قرآن کریم کی تلاوت، آپ کی کرامات شریفہ اور حالات برگزیدہ کے ذکرِ پاک پر قناعت کریں۔ گیارہویں شریف کی یہ مجلسیں ہم قادریوں کے لیے جانِ ایمان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قادریوں کو توفیق دے کہ اسے جاری و قائم رکھیں۔

**نور ۲۹:** محفلِ میلاد شریف کا جب چاہیں انعقاد کریں خصوصاً ماہِ مبارک ربیع الاول شریف میں۔ بالخصوص یکم تا ۱۲ ربیع الاول اور بالتخصیص بارہویں تاریخ کے روز و شب میں اس محفل پاک کا منعقد کرنا، بشرطیکہ ممنوعات شرعیہ سے پاک ہو۔ ہزار ہا خیرات و برکات کی مورث ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو توفیق دے تاکہ وہ اس میں سرگرمی سے حصّہ لیں۔ اور اپنی جان اپنا مال محبوب ذوالجلال علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں ہار جائیں۔

اس محفل مبارک میں بوقتِ ذکرِ ولادتِ شریف، قیام بھی جائز و درست بلکہ شوق و محبت کی علامت ہے۔ اس محفل پاک پر ردّ و انکار (جیسا کہ آجکل وہابیہ کا شعار ہے) بدبختی اور شقاوت قلبی کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے مکر و فریب سے بچائے (مسلمان تو اتنا یاد رکھیں کہ) ان مجالسِ ذکرِ خیر سے روکنے والے آیۂ خسر الدنیا والآخرہ میں داخل ہیں۔

**نور ۳۰:** کسی میت پر نوحہ نہ کریں کہ حرام و سخت گناہ ہے۔ نوحہ کے معنی یہ ہیں کہ باآواز بلند روئیں۔ سینہ پیٹیں۔ بال نوچیں۔ چہرہ پر زور زور سے ہاتھ ماریں۔ اور میت کی عادتوں خصلتوں اور رہن سہن کے طریقوں کو باآواز بلند بیان کریں۔ یہ سب حرام و ممنوع اور وبال عظیم کا باعث ہے۔ بلکہ ہند و پاکستان کے بعض علاقوں میں دیکھا گیا کہ ایک عورت جسے نائحہ (مُردے پر نوحہ اور بین کرنے والی) کہتے ہیں اور ڈوم میراثی کے خاندان سے ہوتی ہے وہ گھر میں آتی اور امام کی سب سے

آگے بیٹھتی ہے۔ اور اس کے پیچھے میت کے رشتہ دار، صف بہ صف، مقتدیوں کی طرح جمع ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اب وہ نوحہ گر عورت اونچی آواز سے میت کے اوصاف مثلاً اس کی بخشش وسخاوت وغیرہ، بیان کر کے نعرہ لگاتی اور سینہ کوبی شروع کر دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی، میت کے رشتہ داروں کی صفیں، اسی طرح گھڑی دو گھڑی اپنا سینہ پیٹتی اور پھر خاموش ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد وہی اگلی عورت، میت کی کوئی دوسری خوبی بیان کرتی اور وہی بے ہودہ حرکتیں دہراتی ہے اور اس امام کے مقتدی بھی اسی طرح اپنا عمل دہراتے اور کچھ دیر اسے جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ یہ سلسلہ چہلم تک جاری رہتا ہے۔

چہلم کے بعد اس محنت شاقہ اور مشقت کے عوض اس فاحشہ کو میت کے مالِ متروکہ سے کچھ دے دلا دیتے ہیں۔ یہ بے ہودہ رسم، زمانہ کفر وجاہلیت کی بدعت ملعونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے تمام متوسلین ومعتقدین کو اس ہلاکت سے نجات بخشے اور ہمیشہ بچائے رکھے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر شہادت پہنچی تو آپ ان کی تعزیت کے لیے مسجد شریف میں تشریف فرما ہوئے اور اس حال میں کہ غم وملال کے آثار چہرہ اقدس سے ہویدا تھے اُدھر حضرت جعفر طیار کے گھر کی عورتیں چلا چلا کر رو رہی تھیں۔ کسی نے آکر یہ بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گوش گزار کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں اس سے باز رکھو اور منع کر دو۔ وہ صاحب گئے اور پھر واپس آئے کہ عورتیں نہیں سُنتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں اس سے روک دو۔ غرض تیسری مرتبہ ان صاحب نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ بخدا یہ عورتیں تو ہم پر دلیر ہو گئی ہیں (مانتی ہی نہیں) اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان پر خاک ڈالو (اور ان کے منہ نہ آؤ۔ آپ وبال بھگتیں گی)

نیز روایات میں وارد ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے

والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں اور بھی وعیدیں آئی ہیں جو کتب احادیث میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

**نورُ ۳۱:-** بیوہ عورتوں کا نکاح کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کریمہ ہے اس پر عمل پیرا رہیں۔ بیوہ عورتوں کو ضرورت وحاجت کے باوجود بیوگی پر باقی رکھنا اور ان کا نکاح نہ کرنا۔ ہندوؤں کا طریقہ ہے اسے یک لخت چھوڑ دیں۔ ورنہ اس حدیث کی وعید میں خود کو داخل سمجھیں کہ مَنۡ تَشَبَّہَ بِقَوۡمٍ فَھُمۡ مِنۡہُمۡ (جو کسی قوم کی ریس کرے وہ اسی میں سے ہے۔) مسلمانوں کو اس سے بالکل کنارہ کش رہنا چاہیے۔

**نورُ ۳۲:-** بدعقیدہ اور بدمذہبوں سے ہرگز قرابت نہ جوڑیں۔ (ہرگز ہرگز اُن سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم نہ کریں) اس لیے کہ بددینوں کی صحبت فی الحال سراسر نقصان وزیاں ہے۔ اور آئندہ اس کا اثر اولاد پر پڑتا ہی ہے۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی صورتوں میں یہ دغدغہ رہتا ہے کہ یہ نکاح صحیح بھی ہوا یا نہیں۔ اور بعض صورتوں میں تو واقعی نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا باطل ومردود رہتا ہے۔ مثلاً وہ خارجی، رافضی اور وہابی جن کی بدمذہبی و بددینی حدِ کفر تک پہنچ چکی ہے اور نیچری وغیرہم (کہ ایسوں سے نکاح بالقطع والیقین باطل محض و زنائے خالص ہے) بلکہ وہ شیعہ جو محض تفضیلی ہوتے ہیں۔ (اور تبرا نہیں کرتے صرف مولیٰ علی کو باقی خلفاء پر فضیلت دیتے ہیں) اُن سے بھی رشتۂ زوجیت قائم کرنا اصلاً روا و صحیح نہیں۔ کہ تفضیل کا رُخ، رافضیت کی جانب ہے اور رافضیت کا منہ کفر کی طرف۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اگر اس حکم شرعی پر دنیا میں کاربند نہ رہیں تو دنیا میں بھی اس کا وبال چکھیں گے اور آخرت میں بھی اس واحد قہار کے عتاب کے مستحق اور سخت گرفت و مواخذہ میں گرفتار ہوں گے۔ خیر شرط است۔

**نورُ ۳۳:-** شب عاشورہ اور یوم عاشورا (محرم کی دسویں شب وروز) میں

حضرت سید الشہداء کا عرس، مشائخ کرام کے طور پر کرنا چاہیئے۔ یعنی شب عاشوراء عبادت، قرآن شریف کی تلاوت اور حدیث و درود و کلمہ طیبہ کی قرأت میں شہدائے کرام کی ارواحِ طیبہ کو ان کا ثواب نذر کرنے کی نیت سے گزاریں۔ اور حضرت سید الشہداء امام حسین علیٰ جدہٖ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح پُر فتوح سے فیضان حاصل کریں۔ یعنی اپنے قلب کو ملاءِ اعلیٰ سے اتصال دے کر حضرت سید الشہداء کی روحِ مبارک سے مربوط کریں۔ بایں طور کہ آنکھ بند کیے یہ تصور کریں کہ میرا قلب میرے پیرانِ عظام کے وسیلے سے سید الشہداء کی روح سے متصل ہے اور حضرت والا کی روح مبارک کا فیضان میرے دل میں پہنچ رہا ہے کہ اس کی برکت سے میرے باطن کا عروج بڑھ رہا ہے اور ترقی پا رہا ہے۔ تمام رات اسی تصور میں مستغرق رہیں۔ ڈوب جائیں، اور عاشوراء کے دن جو کچھ بھی میسر آئے بہ نیت ثواب فقراء و مساکین کو کھلائیں۔ یہی طریقہ معمول رہا ہے۔ حضرات صوفیائے کرام کا اور اس کی برکت سے تمام سال ان کا باطن، ترقی پاتا رہتا ہے۔

اور ایسا ہرگز نہ کریں کہ یہ مبارک و بابرکت رات بدعات شنیعہ میں گزر جائے اور حضرت والا کے روضۂ انور کی نقل کی درستی میں فضول خرچیوں میں پڑ کر صریح مخالف شرع امور کی تعمیل کرنے لگیں اور ثواب کی بجائے عذاب میں مبتلا رہیں اور حضرت سید الشہداء علیٰ جدہٖ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی روح مبارک کو اپنی ناکردنی حرکتوں کے باعث بیزار کر دیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی بدعتوں میں مشغولیت اور ایسی نازیبا برائیوں مصروفیت سے خود حضرت امام کے جد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیزار و ناراض ہیں تو امام کی خوشنودی اور رضا مندی کے کیا معنی۔

یہ بابرکت ساری کی ساری رات، ذکر و عبادت کی بجائے لہو و لعب میں گزار دینا شرعاً ممنوع۔ باجے گاجے بجانا۔ نوحہ کرنا۔ سینہ کوبی، بال نوچنا اور چہرہ کو پیٹنا اور مصنوعی رونے کو رنگِ حقیقت دینا۔ ظاہر ہے کہ کس قدر رب الارباب جل مجدہ کے غضب و عقاب و عتاب کا موجب اور امام عالی جناب کی روحانی

بیزاری کا باعث ہو گا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

**نور ۳۴:-** جن امام ہو انسان کا یہ جائز و روا ہے اس لیے کہ دونوں مکلف ہیں البتہ خلاف اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ جن انسان سے اشرف نہیں۔ اور فرشتہ کی امامت ان دونوں، یعنی جنّ و انسان کے حق میں فرض نمازوں میں جائز نہیں۔ اس لیے کہ فرشتہ مکلف نہیں۔ یعنی نماز اس پر فرض نہیں۔ نفل کا حکم رکھتی ہے اور جنّ و انسان پر فرض ہے اور فرض نماز کی بنا نفل نماز پر جائز نہیں۔

اور حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت کی۔ بایں معنی ہے کہ حضرت جبریل کو بارگاہ الٰہی سے اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ اور اُن دونوں دِنوں کی نماز حضرت جبریل علیہ السلام پر بھی فرض کی گئی (اور اس طرح فرض کی بناء فرض پر ہوئی)

(وھذا احسن مِمّا فی الطحاوی ورد المحتار واللہ تعالیٰ اعلم)

**نور ۳۵:-** والدین کی فرمانبرداری، مباح و جائز امور میں واجب و لازم ہے۔ اور غیر مشروع، خلاف شرع امور میں حرام و ممنوع۔ مثلاً کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ شراب پی یا نماز مت پڑھ تو اس حکم میں اس کی اطاعت حلال نہیں۔ ہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ سختی سے ان کے مقابلہ پر نہ آئے نہ انہیں کرخت جواب دے بلکہ ایسے حیلے بہانوں سے کہ انہیں ناگوار نہ گزریں۔ اس فعل کے ارتکاب سے باز رہے۔ ہاں اگر باپ کہے کہ کل نفلی روزہ مت رکھنا۔ تو اس حکم کی تعمیل کرے۔ اس لیے کہ روزہ نفل واجب نہیں۔ اور ایسے امور میں جو شرعاً واجب التعمیل نہیں، ماں باپ کے حکم کے باعث تاخیر ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

**نور ۳۶:-** موذی جانوروں کو، اس سے پہلے کہ وہ کوئی ایذا پہنچائیں، مار ڈالیں جیسے شیر، بھیڑیا، ریچھ، سانپ، بچھو، کٹ کھنا کتا۔ پسو اور جوں وغیرہ جانور۔ اسی طرح تمام خبیث جانوروں۔ مثلاً چوہا۔ کوّا، چیل اور بندر جیسے

موذیوں کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اگرچہ آدمی حرم واحرام میں ہو۔ ہاں جو جانور موذی نہ ہوں۔ انہیں خوراک یا دوا حاصل کرنے یا فروخت کرنے کے لیے مارا جائے۔ تو روا ہے ورنہ ناجائز۔ اسی طرح وہ شکار بھی حرام ہے جو آجکل بندوق، تیر کمان یا مچھلی پکڑنے کے لیے کانٹوں سے کھیلا جاتا ہے کہ اس سے مقصود نہ غذا حاصل کرنا ہوتا ہے نہ فروخت کرنا۔ بلکہ شوقیہ محض تفریح طبع اور وقت گزاری کے لیے کھیلتے ہیں۔ ایسا شکار بالاتفاق حرام ہے۔ (خواہ روزانہ ہو یا گاہ گاہ یہ تو ایک قسم کا کھیل ہے ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں۔

آج کل کے بڑے بڑے شکاری، جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے خاص اپنی ضرورت کی، کھانے یا پہننے کی چیز لانے کو جانا، اپنی کسرشان سمجھیں یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر، مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہونا مصیبت جانیں۔ وہ گرم دوپہر گرم لوہیں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو دوپہر بلکہ دو دو دن شکار کھیلنے کے لیے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں۔ حاشا وکلا۔ بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام۔ (فتاویٰ رضویہ، مترجم)

یونہی کسی ایسے جانور کو مارنا، جو نہ موذی ہے نہ خبیث، اور نہ اس کا کھانا مقصود ہے نہ دوا وغیرہ کسی ضرورت میں مطلوب، یہ بھی ممنوع ہے اور بے سود بھی کہ نہ کسی نفع کے لیے ہے اور نہ کسی ضرر کے دفع کو) ایسے جانور خدائی چراگاہ کے جانور کہلاتے ہیں۔ اور جس طرح دنیاوی بادشاہوں کی خاص چراگاہوں کے جانوروں کا شکار۔ عوام الناس کے لیے ممنوع ہوتا ہے۔ یوں ہی خدائی چراگاہ کے ان جانوروں کا شکار ممنوع وناجائز ہے۔ ہاں اگر ایسے جانور بھی نقصان پہنچائیں۔ مثلاً گیدڑ کہ کھیتی باڑی کو تباہ وبرباد کریں، تو پھر ان کے نقصان رسانی کا ازالہ ضروری ہے خواہ کسی طور پر انجام پائیں۔

**نور ۳۷** :۔ کسی ذی روح کی تصویر کھینچنا یا اس کے کھینچنے کا حکم دینا مطلقاً

حرام ہے۔ ہاں اپنے پاس یا اپنے گھر میں رکھنا۔ چند صورتوں میں حرام ہے۔

(۱) کسی جاندار کی تصویر ہو اور ایسی کہ اُس تصویر سے تمام اعضاء کی سلامتی کے سلامتی کے ساتھ اس کا مدار زندگی ہو۔ یعنی اس کے اعضاء میں کسی ایسے عضو کو کم نہ کیا گیا ہو کہ اُس کے نہ ہونے سے اس کی زندگی متصور نہ ہو (یعنی ناظریہ سمجھے کہ گویا وہ زندہ کو دیکھ رہا ہے (مثلاً صرف چہرہ کی تصویر یا سینہ و کمر تک کی تصویر کہ ان کا رکھنا حرام نہیں۔ (یعنی جبکہ مقصود ان کا اعزاز و تکریم نہ ہو) اس لیے کہ اس سے زندگی متصور نہیں۔ برخلاف اس کے، اگر زانو تک ہو تو بھی رکھنا جائز نہیں کہ حیات اس حالت میں متصور ہے (اور شک نہیں کہ جاندار کی تصویر میں چہرہ ہی اصل ہے۔ اگر چہرہ نہیں تو اسے صورت حیوانی نہ کہا جائے گا۔ ولہذا صرف چہرے یا نصف سینہ تک کی تصاویر یقیناً معنیٰ بت میں ہیں۔ اور ان کا مکان میں باعزاز رکھنا۔ نصب کرنا، چوکھٹوں میں رکھ کر دیوار پر لگانا۔ یا پردے یا دیوار یا کسی اونچی رہنے والی چیز پر اس کا منقوش کرنا۔ یا دیوار گیروں پر انسان یا حیوان کے چہرے لگانا یا پانی کے نل۔ یا لاٹھی کی بالائی شام پر کسی حیوان کا چہرہ بنوانا۔ یا کسی ایسی بنی ہوئی چیز کو باعزاز رکھنا، استعمال کرنا۔ سب ناجائز و حرام اور مانع دخولِ ملائکہ رحمت ہے۔

(افادات رضویہ۔ مترجم)

(۲) تصویر اتنی چھوٹی نہ ہو کہ اگر زمین پر رکھ کر اور کھڑے ہو کر اُسے دیکھا جائے تو اس کے اعضاء کی تمیز و تفصیل معلوم نہ ہو سکے (یوں ہی تصویر بریدہ ہو تو اس میں کراہت نہیں)

(۳) توہین و اہانت کے لیے نہ ڈالی گئی ہو۔ مثلاً وہ تصویریں جو پائیدانوں یا جوتے اتارنے کی جگہوں پر بنی ہوں۔ (ان میں کوئی مضائقہ نہیں) یونہی صورتِ ضرورت مستثنیٰ ہے۔ عدم جواز کی۔ جب یہ تمام شرطیں یکجا پائی جائیں تو اب ان تصویروں کا گھروں میں رکھنا بالاتفاق حرام ہے۔ خواہ وہ عکسی ہوں یا دستی۔ کاغذ وغیرہ پر ہوں یا دیوار پر نقش سب ناجائز صورتیں ہیں اور ان صورتوں میں ان کا

دکھنا ناجائز، بے برکتی کا باعث، فرشتوں کی ایذا اور ملائکہ رحمت کی عدم دخول کا موجب ہے۔

اور ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں کسی جاندار کی تصویر بشرائط معلومہ موجود ہو خواہ روبرو یا بالائے سر، یا نمازی کے دائیں بائیں، یا محل سجود (سجدہ گاہ) میں بہر صورت نماز مکروہ تحریمی ہے۔ برخلاف قبر کہ اس کا سامنے ہونا (اگر نمازی و قبر کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو) نماز کو مکروہ تحریمی کر دیتا ہے (ہاں اگر مزار کا دروازہ بند ہو تو اس کے سامنے نماز پڑھنے میں حرج نہیں) اور قبر اگر دائیں بائیں ہو تو نماز بلا کراہت درست و صحیح ہے۔

اور کتوں کا پالنا، اگر مکان وغیرہ کی حفاظت کی خاطر ہو جائز ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ ورنہ نقصانِ ثواب کا باعث بھی ہے اور ملائکہ رحمت کے دخول کا مانع بھی۔ اور بہر صورت (مکان و زراعت کی حفاظت کی خاطر بھی) ان کے پالنے میں کمال احتیاط ضروری ہے۔ انہیں کسی مقررہ جگہ پر باندھے رکھیں اور پورا گھر اُس کے تصرف میں نہ آنے دیں کہ ہر جگہ بلا روک ٹوک پھرتا رہے اور طہارت کی حفاظت بھی دشوار تر ہو جائے۔

**نور ۳۸** :- رہائشی مکانوں میں قبریں نہ بنائی جائیں کہ یہ خاصّہ ہے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا، اس لیے کہ وہ بعد وفات بھی بحیات حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں اور زندہ ہوتا ہے وہ اپنے مکان رہائشی ہی میں رہتا ہے۔ اور وجہ مذکورہ بالا کے علاوہ ان کی حقیقی جسمانی دنیاوی حیات پر اور بھی دلائل قائم ہیں۔ مثلاً اُن کا ترکہ اُن کے ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتا۔ کہ میت کا مالِ متروکہ قابل تقسیم ہے نہ کہ زندہ کا۔ یوں ہی ان کی وفات شریف کے بعد ان کی ازواج مطہرات کا نکاح ہمیشہ ہمیش کے لیے باقی رہتا ہے۔ نیز اُن کے اجسام طیبہ، زمین پر حرام ہیں۔ اور زمین جسم مُردہ کو کھا لیتی ہے نہ کہ زندہ جسم کو۔ لہٰذا ان کی وفات کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو اپنی زندگی میں کسی

دُور دراز سفر پر جائے۔ کہ اس سفر سے نہ اس کا نکاح فسخ ہوتا ہے اور نہ اس کا مال، قابلِ تقسیم۔ مختصر یہ کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کو بھی موت آتی ہے۔ لیکن ایسی کہ فقط آنی ہے۔ تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لیے ایک آن کو اُن پر موت طاری ہوئی۔ پھر بدستور زندہ ہو گئے۔ اُن کا نقل مکانی ایسا ہی ہے جیسے مسافر کا ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جانا۔

**نُور ۳۹:** جس شہر یا گاؤں، بلکہ جس مکان میں، میت کا انتقال ہوا، اُسی شہر یا گاؤں بلکہ اسی گھر والوں کے قبرستان میں دفن کریں۔ نہ کہ اُنہیں مکانوں میں جہاں اُن کا انتقال ہوا کہ یہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہے۔ یونہی عامۃ المسلمین کے قبرستان سے الگ تھلگ بھی اُن کی قبر نہ بنائیں کہ میت کے لیے مزید وحشت وغربت کا باعث ہے۔ بلکہ اسی جگہ اور اسی قبرستان میں دفن کریں۔ جہاں اس بستی کے عوام الناس مدفون ہیں۔ اور (بڑے شہروں میں) یہ فاصلہ دو ایک میل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور اتنا فاصلہ آبادی سے شرعاً مطلوب بھی ہے۔ ہاں اس سے زیادہ فاصلہ رکھنا، اگرچہ وہ شہر کی بڑی اور زیادہ آبادی کے پیش نظر ہو ممنوع وغیر مناسب ہے۔ اس لیے کہ اسمیں خواہ مخواہ میں ایک ایسے حکم میں تاخیر ہوتی ہے۔ جس میں شریعت، کو تعجیل منظور ہے۔

یونہی نمازِ جنازہ کو اس لیے موخر کرنا کہ نمازِ جمعہ میں نمازیوں کی کثرت ہوگی، یہ بھی ممنوع ومکروہ ہے۔ یہاں تک کہ علمائے کرام فرماتے ہیں۔ اگر شہر میں دو قبرستان ہوں۔ ایک مثلاً مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ تو میت کو اسی سمت کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ جس سمت اس میت کی رہائش تھی۔ دیکھے نا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کو دامن اُحد میں دفن فرمایا۔ اور حالانکہ مدینہ طیبہ قریب ہی واقع تھا۔ وہاں اُن کے جنازے نہ لائے گئے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موضع حُبشی میں کہ مکہ معظمہ کے قریب ہے رحلت فرمائی تو اُن کی نعش مبارک کو بخیال فضیلت، مکہ

لاکر دفن کیا گیا۔ اور جب حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ کے مزار پر بہ نیت زیارت تشریف لائیں تو فرمایا کہ واللہ اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو لوگ تمہیں دفن نہ کرتے۔ مگر اسی مقام میں جہاں تمہاری وفات ہوئی (یعنی اسی مقام حبشی میں)

لہٰذا یہ جو اس زمانہ میں جاہلوں کا طریقہ ہے اور جیسے ایران کے روافض کے دیکھا دیکھی اختیار کیا گیا ہے کہ کربلائے معلیٰ میں دفن کرنے یا کسی اور غرض کے ماتحت میت کو تابوت میں رکھ کر کسی مدت مقررہ تک کے لیے زمین کو سپرد کر دیتے ہیں اور وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کے لیے لے جاتے ہیں۔ یہ رواج محض لغو بے ہودہ اور خلاف شریعت مطہرہ ہے۔ ابھی اوپر مذکور ہوا کہ دفن سے پیشتر مقام موت کے علاوہ کہیں اور لے جاکر دفن کرنے کے متعلق علمائے کرام نے کیا حکم دیا تو دفن کرنے کے بعد میت کو قبر سے نکال کر اسے کہیں اور منتقل کرنا کس طرح جائز و مباح ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بالاتفاق ممنوع و ناروا ہے۔ لہٰذا زمین کو سونپنا ایک لاحاصل حرکت اور روافض کی بدعت قبیحہ ہے۔

**نورُ ۱۴** :- بعض مواقع پر ضرورتِ شدیدہ کے پیشِ نظر شریعت مطہرہ نے بعد از دفن میت نعش کو قبر سے نکالنے کی اجازت بھی دی ہے۔ ازاں جملہ ایک ضرورت یہ ہے کہ میت غصب کردہ زمین میں دفن کر دیا گیا یا کسی نے بہ حق شفعہ اس قطعہ اراضی کو حاصل کر لیا اور اب اس پر راضی نہیں کہ وہاں میت مدفون رہے، یا فرض کر لیں کہ کسی ظالم و ناخدا ترس نے، ظلم و جبر سے میت کو قبر سے نکال پھینکا تو ایسی شدید ضرورتوں کے باعث، نعش کو قبر سے نکال کر کسی اور جگہ دفن کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ورنہ سخت ممنوع و ناجائز ہے۔

یونہی دفن کرنے والوں میں سے کسی شخص کا کچھ مال قبر میں گر گیا اور دفن کے بعد یاد آیا تو قبر کھول کر نکال سکتے ہیں۔ قبر پھر علیٰ حالہ بند کر دیں۔ اگرچہ قبر مکمل ہو چکی ہو۔ یوں ہی اگر میت کو غلطی سے قبلہ سے منہ پھرا ہوا یا بائیں پہلو پر دفن کر دیا

گیا تو جب تک مٹی نہ دی گئی ہو تختے اٹھا کر، بطریق مسنون میت کو قبر میں لٹا دیں۔ اور مٹی دینے کے بعد، قبر کو کھودنا ممنوع ہے۔

(یا مثلاً عورت کو کسی وارث نے زیور سمیت دفن کر دیا اور بعض ورثہ موجود نہ تھے تو ان ورثہ کو قبر کھود کر زیور نکال لینے کی اجازت ہے۔ (عالمگیری درمختار)

**نور ۴۱** :- قبر کی وصیت واجب التعمیل نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی نے وصیت کی کہ میری موت کے بعد، میری قبر فلاں جگہ بنائی جائے تو بہتر یہی ہے کہ اس کی وصیت کے مطابق عمل کریں۔ بشرطیکہ اس میں کوئی چیز سدِ راہ نہ ہو۔ پھر بھی اس کی وصیت کے خلاف کیا تب بھی کوئی گناہ نہیں۔ اس وصیت کی تعمیل ہی واجب نہ تھی کہ لامحالہ اس کے مطابق عمل کیا جاتا۔ اس لیے کہ وقتِ وصیت موت کی جگہ مبہم ہے۔ کسے معلوم کہ موت کہاں آئے گی اور قبر کہاں ہو گی۔ لہٰذا یہ وصیت واجب العمل نہیں۔

**نور ۴۲** :- سنت یہ ہے کہ قبر (کا اندرونی حصہ جو جسم میت سے متصل ہوتا ہے اس) کو پختہ نہ کیا جائے۔ اور قبر کو اونٹ کے کوہان کی مانند ڈھلواں رکھیں قبر کی لمبائی میت کے قد برابر ہو اور چوڑائی آدھے قد کی اور (بہتر یہ ہے کہ) گہرائی بھی قد برابر ہو (ورنہ کم از کم نصف قد کی) اور متوسط درجہ یہ ہے کہ سینہ تک ہو۔ ردالمحتار)

میت کو پشت کے بل یعنی چت نہ لٹائیں بلکہ داہنی طرف کروٹ پر لٹائیں۔ اور اس کی پیٹھ کے پیچھے مٹی کا پشتہ بنا دیں تاکہ نہ صرف اس کا منھ بلکہ پوری کروٹ قبلہ کی طرف رہے۔ یہ وہ سنت کریمہ ہے جو عام طور پر ان اطراف کے مسلمانوں میں متروک ہو چکی ہے۔ الا من شاء اللہ۔ عموماً صرف میت کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں اور باقی جسم چت سونے کی حالت پر رکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہونے دیں۔ افضل و مسنون قبر لحد ہے (کہ قبر کھود کر اس میں قبلہ کی طرف میت کے رکھنے کی جگہ کھود دیں) تاکہ قبر کی چھت بھی زمین پر رہے۔ صندوقچی نہیں، جس کی چھت لکڑی کے تختوں یا پتھر وغیرہ کی ہوتی ہے۔ (اور جو

ہندوستان وپاکستان میں عموماً رائج ہے) قبر میں یعنی اس (کے اس حصہ میں کہ میت کے جسم سے قریب ہے) پکی اینٹ لگانا مکروہ ہے (کہ اینٹ آگ سے پکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آگ کے اثر سے مسلمانوں کو بچائے (عالمگیری)

ہمارے مرشد گرامی کی یہی وصیت تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ البتہ کچھ مصلحت وقتی اور کچھ رواج کی پابندی کے باعث، اس پر عمل نہ ہوا۔

اور مصنوعی قبر بنانا بھی حرام و ناجائز ہے اور اس کی زیارت کو جانا بھی ناجائز و حرام ہے۔

**نور ۴۳:-** میں نے بارہا دیکھا اور سنا کہ حضرت جدّی و مرشدی قدس سرہ سرمدی اپنی زبانِ فیض ترجمان سے ماہ محرم الحرام میں تعزیہ داری اور مرثیہ خوانی جیسی بدعات قبیحہ کے ارتکاب سے منع فرمایا کرتے تھے بلکہ ارشاد فرماتے تھے کہ ایک روز میں نے اپنے مرشد گرامی یعنی حضور اچھے میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ دہلی میں استاد مکرم مولانا الشاہ عبدالعزیز صاحب کو میں نے دیکھا کہ ماہ محرم الحرام میں دس روز مسلسل حضرات حسنین علی جدہما الکریم و علیہما الصلوٰۃ والتسلیم کی شہادت پر مشتمل وعظ فرماتے ہیں اور دسویں محرم کو صبح سے وقت شہادت یعنی زوال آفتاب تک، فضائل شہادت وغیرہ بیان فرماکر، لنگر تقسیم فرماتے ہیں۔

حضرت والا مرتبت نے یہ بات سن کر ارشاد فرمایا کہ ان کا یہ طریقہ بہت خوب و مرغوب ہے لیکن اگر مجھے ان سے ملاقات کا اتفاق ہوتا تو ان سے کہتا کہ خاص ماہ محرم الحرام ہی میں اس قدر اہتمام مناسب نہیں۔ ان ایام میں قدر قلیل پر ان گرامی حضرات کی فاتحہ دلائیں اور پھر دوسرے مہینے میں وعظ و لنگر وغیرہ کا یہ اہتمام عمل میں لائیں۔ اس لیے کہ خاص ان ایام محرم میں اس قسم کی مجالس کا انعقاد، روافض کا شعار بن چکا ہے تو صرف اسی مہینے میں بڑھ چڑھ کر اہتمام کرنا گویا رفض کا دروازہ کھولنا ہے۔ سنّی مسلمانوں کی آئندہ اولاد اپنے آباؤ اجداد کے یہ احوال سن کر گمان

کرے گی کہ وہ شیعہ ہی ہوں گے۔ البتہ تقیہ اختیار کر لیا ہوگا۔ پھر ہندوستان میں دو[2] فریق مسلمانوں کے مانے جاتے ہیں۔ ایک سُنی دوسرا شیعی۔[2] ان میں سے کوئی بھی شہادت اور فضائل حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا منکر و مخالف نہیں ہے تو ان اطراف میں اس قسم کے وعظ و ذکر کی چنداں حاجت بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر کہیں خارجیوں کا غلبہ و فتنہ ہو تو یہ ضروری ہے (تاکہ ان پر رد و انکار ہو سکے) مگر خارجی ان شہروں میں پائے نہیں جاتے" حضرت مرشد المرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادات گرامی ختم ہوئے۔

اس کے بعد میرے شیخ گرامی حضرت عالی جناب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حسب تاریخ سے یہ مصلحت آمیز مسئلہ اپنے مرشد برحق سے سنا۔ میں نے بھی اس ماہ اور خاص ان تواریخ میں ایسے امور کے اہتمام سے احتیاط برتی۔ اس لیے کہ اب تو یہ بدعتیں ماہ محرم میں اور بڑھ گئی ہیں۔

اس فقیر نے بھی یہ فائدہ اپنے متوسلین کی راہنمائی کے لیے لکھا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل بخشے۔ نیز ہمارے خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت مرشد المرشد اچھے میاں قدس سرہما نے میرے جد امجد کے علاتی بھائی جُمّا میاں صاحب کا تعزیہ جو انہوں نے خانقاہِ فلک بارگاہ سے باہر رکھوا دیا اور باوجودیکہ کبھی آپ نے (فقر و درویشی وغیرہ) کسی بات کا دعویٰ نہ کیا تھا۔ اس روز شدت غضب میں اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر ارشاد فرمایا تھا کہ جُمّا میاں "جس رافضی کی قبر چاہو کھود کر دیکھ لو۔ اگر وہاں انسان کی جگہ خنزیر نہ ہو تو فقیر کو فقیر مت کہنا"۔

## نور ۴۴

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ اس حدیث شریف کے مضمون پر مطلع ہو کر اس پر عمل پیرا ہیں۔ اس لیے کہ یہ فتنہ ہمارے اس دور میں برابر رواج پاتا جا رہا ہے۔ اس فتنہ سے دور و نفور رہنا اپنے اوپر ضروری جانیں۔

**تشبُّہ** اس وقت متحقق ہوتا ہے کہ یا تو وہ فعل فی نفسہٖ ہماری شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ یا پھر یہ شخص کفار اور فساق و فجار کے ساتھ مشابہت کی نیت سے اسے عمل میں لا رہا ہے اگر ان دو صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو تشبُّہ متحقق

نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی ایسا کام جو شریعتِ غرّاء میں مباح و جائز ہے۔ تشبّہ کی نیت و ارادہ کے بغیر اس کے بجالانے میں اگرچہ مشابہت پائی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تشبّہ میں داخل نہیں۔ اسے یوں سمجھیں کہ شلوار زیر جامہ پہننا ایرانیوں کا قدیم لباس ہے۔ اہل عرب کا لباسِ قدیمی نہیں۔ بلکہ عرب میں اس کی بجائے تہ بند استعمال کرتے ہیں اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتحیۃ نے بھی شلوار پہننے سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے حق میں نعم السِتر (اچھی پوشش) آیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص شلوار پہنے تو اگرچہ ایرانیوں سے مشابہت پائی گئی تب بھی مضائقہ نہیں۔ اس لیے کہ اس میں کسی حکم شریعت کی مخالفت نہ پائی گئی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

ہاں وہ امر کہ خلاف شریعت ہو اور اس کے فعل سے وجود میں آئے یا نہ آئے، اس سے ضرور بالضرور اجتناب کرنا چاہیے۔ مثلاً سر پر بال ہوں تو بائیں جانب کان کے قریب ان میں مانگ نکالنا، نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ کوئی حکمِ شرعی نہیں بلکہ شریعت نے مانگ کی جگہ سر کے وسط میں مقرر فرمائی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بائیں جانب کان کے قریب سر میں مانگ نکالے گا یقیناً تشبہ میں داخل ہوگا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

۱۶
داستاذی و استاذ العلماء حضرت صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہار شریعت میں لباس کے بیان میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس قوم سے مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے" یہ حدیث ایک اصل کلی ہے کہ لباس وعادات و اطوار میں کن لوگوں سے مشابہت کرنی چاہیے اور کن سے نہیں کرنی چاہیے۔ کفار و فسّاق و فجّار سے مشابہت بری ہے اور اہل تقویٰ و اصلاح کی مشابہت اچھی ہے۔ پھر اس تشبّہ کے بھی درجات ہیں اور انہیں کے اعتبار سے احکام بھی مختلف ہیں۔ کفار و فسّاق سے تشبّہ کا ادنیٰ مرتبہ کراہت ہے۔ مسلمان اپنے کو اُن لوگوں سے ممتاز رکھے کہ پہچانا جاسکے، اور غیر مسلم کا شبہ اس پر نہ ہو سکے۔ ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں سے تشبّہ کریں، اور ان مردوں پر جو عورتوں سے تشبّہ

کریں"۔ انتہی۔

فقیر مترجم کہتا ہے کہ اللہ اللہ کہاں یہ احکام شرعیہ اور کہاں ہم مسلمانوں کا عادات و اطوار اور لباس وغیرہ میں یہ رویہ۔

بہ بین تفاوت راہ است از کجا تا بکجا

**نور ۴۵:-** اولیائے کے مزارات پر حاضری مسلمان مرد و عورت دونوں کے لیے جائز (موجب سعادت اور باعث برکت) ہے۔ در مختار میں یہی قول اختیار کیا۔ لیکن اگر عورتوں کی جانب سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو انہیں روک دیں (خصوصاً جوانوں کو) اس لیے کہ فساد و فتنہ کی راہ روکنا، منفعت حاصل کرنے پر مقدم اور اہم ہے اسی لیے رد المحتار میں فرمایا کہ عورتیں، عزیزوں کی قبروں پر جائیں گی تو جزع فزع کریں گی۔ لہذا ممنوع ہے۔ اور صالحین کی قبور پر برکت کے لیے جائیں تو بوڑھیوں کے حرج نہیں۔ اور جوانوں کے لیے ممنوع"۔ اور فتاوی رضویہ میں فرمایا کہ یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جزع فزع ہے اور صالحین کی قبور پر یا تعظیم میں حد سے گزر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی۔ کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بہ کثرت پائی جاتی ہیں"۔ نیز فرمایا فتنہ وہی نہیں کہ عورت کے دل سے پیدا ہو۔ وہ بھی ہے۔ اور سخت تر ہے وہ جس کا فساق سے عورت پر اندیشہ۔ یہاں عورت کی صلاح (اگرچہ کیسی ہی صالحہ و پارسا ہو) کیا کام دے گی"۔

**نور ۴۶:-** **سوال** :- وہ کون سا وقت ہے جب تکلیفات شرعیہ معاف ہو جائیں۔

**جواب** :- جب مجذوبیت سے عقل تکلیفی زائل ہو جائے۔ ورنہ نہیں۔

**نور ۴۷:-** انسان کا دوا دارو وغیرہ کرنا تین طور پر ہے۔ ۱۔ فائدہ قطعی و یقینی ہو۔ (۲) یا ظنی ہو۔ (۳) یا وہمی ہو۔ اول کا ترک کرنے والا گناہ گار ہے۔ دوم کا ترک نہ باعث گناہ ہے نہ موجب ثواب۔ اور صورت اخیرہ کا ترک کرنے والا مستحق ثواب ہے۔ اول سے مراد

کھانا پینا ہے کہ صحت اور بقائے زندگی کے لیے یقیناً مفید ہے۔ آدمی اگر یک لخت چھوڑ دے اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو یہ گناہگار ہوگا کہ فعل حرام کا مرتکب ہوا۔ اور دوم سے مراد ہے، دواؤں کے ذریعہ علاج معالجہ، کہ ان سے فائدہ حکم رکھتا ہے۔ لہذا اگر دفعِ مرض کے لیے علاج نہ کیا اور اسی مرض میں فوت ہو گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اس سلسلہ میں اُس سے باز پرس نہ ہوگی۔ اور اگر علاج کیا۔ دوا لی۔ یہ بھی جائز ہے۔ البتہ اس صورت میں کوئی ثواب نہ پائے گا۔ اس لیے کہ یہ مباح ہے۔ نہ اس پر ثواب اور نہ ترک پہ گناہ و عتاب۔ ہاں اگر نیت یہ ہو کہ اس میں سُنت نبوی کا اتباع بھی ہے اور حکم نبوت کا امتثال و تعمیل بھی۔ تو اپنی اس نیتِ صالحہ پر انشاءاللہ تعالیٰ ثواب بھی پائے گا۔ جیسا کہ تمام مباح امور کا حکم ہے کہ ہر امر مباح نیت محمودہ سے محمود۔ اور نیت مذمومہ سے مذموم ہو جاتا ہے۔ جبکہ فی نفسہٖ نہ وہ محمود و قابل ثواب ہے نہ مذموم و لائق عتاب اور تیسری صورت کہ فائدہ کا صرف وہم و گمان ہے۔ اس سے مراد ہے جھاڑ پھونک۔ اور تعویذ گنڈوں سے علاج کہ اس کا فائدہ وہم کا حکم رکھتا ہے اور اس کا ارتکاب خلاف توکل اور اسے ختم کرنے والا ہے۔ اور اس کا ترک توکل پر ثابت قدمی کی دلیل ہے۔ اسی لیے اس کا ترک کرنے والا، انشاءاللہ تعالیٰ مستحقِ ثواب ہے۔

اس باب میں سبقت حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصّہ میں آئی کہ جب آپ نے اس سلسلہ میں حدیث نبوی، زبان رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنی تو کھڑے ہو گئے اور عرض کی یا رسول اللہ آج سے اس کا ترک میں خود پر لازم کرتا ہوں۔ ان کے بعد اور صحابہ نے بھی یہی کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عکاشہ سبقت لے گیے، رضی اللہ عنہ" یہ سعادتِ ازلی اُن کے نصیب میں تھی۔ اس لیے اوروں پر سبقت لے گیے۔ اور جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

**نورہم**:- یاد رکھنا چاہیئے کہ تمام حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک

مکروہ) زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے اور اس کی ضد ہے عتاق (یعنی غلاموں کا آزاد کرنا) مرد حتی الامکان اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ ہاں مجبور ہو جائے تو دے سکتا ہے (علماء فرماتے ہیں کہ حتی الامکان عورت کے ساتھ نیک برتاؤ اور اس کی دلجوئی، اور اسے خوش کر کے اپنی اطاعت پر لانا؛ اور اس کی کج خلقی پر صبر کرنا چاہیے اور اصلاح ناممکن ہو تو وہ اس کا اختیار ضرور رکھتا ہے (فتاویٰ رضویہ)

اور زوجین میں افتراق یعنی زن و شو میں جدائی کی متعدد صورتیں ہیں۔

۱۔ طلاق اور اس کے ہم معنی و ہم نتیجہ دوسرے امور۔

۲۔ کسی ایک کی موت۔

۳۔ دینِ اسلام کو چھوڑ دینا جسے ارتداد کہتے ہیں۔ خواہ کسی جانب سے ہو۔ مرتد مرد ہو جائے خواہ عورت۔ ان تینوں صورتوں میں سے دو صورتیں یعنی طلاق دینا یا معاذ اللہ مرتد ہو جانا، امور اختیاریہ سے ہیں کہ آدمی کرے خواہ نہ کرے۔ البتہ موت سبب اضطراری ہے۔

موت عورت کی واقع ہو تو مرد اس کے حق میں محض اجنبی ہو جاتا ہے۔ البتہ اُسے دیکھ سکتا ہے۔ بدن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اسی لیے اسے اپنی مردہ بیوی کو غسل دینا جائز نہیں۔ ہاں مرد کی موت سے نکاح کے کچھ تعلقات، عورت کے حق میں باقی رہتے ہیں۔ مثلاً جب تک عدت گذر نہ جائے وہ کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی۔

برصغیر پاک و ہند میں شامت اعمال اور عورتوں مردوں میں جہالت کے فروغ نے ٹوٹکے اور جادو ٹونے کو جو زوجین میں جدائی کا موجب ہے۔ بہت رواج دیا ہے۔ لوگ اپنی ناپاک دنیاوی اغراض کا شکار ہو کر معاذ اللہ شرک و کفر اختیار کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح محبت و تسخیر کے اعمال میں لوگ حرام حلال کا فرق نہیں کرتے۔ اور عورتوں کا تو یہ خاصہ ہے کہ اپنے شوہروں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے کوئی حیلہ ہاتھ آجائے تو احرام حلال، جائز و ناجائز میں امتیاز اور انجام پر

غور خوض کیے بغیر آنکھ میچ کر اس پر کار بند ہو جاتی ہیں۔ وہ اس کی بھی پابندی نہیں کرتیں۔ کہ فلاں علوی علوم کا عامل ہے۔ فلاں سفلی علم رکھتا ہے اور فلاں جادوگر ہے (اپنی دھن میں سب بھول جاتی ہیں) اسی طرح جاہل مرد و عورت اپنے بیٹوں فرزندوں کی صحت یابی اور عمر میں درازی اور ایسے ہی دوسری اغراض کے لیے جادوگروں اور شیطانوں تک کے پاس جانے میں ذرا نہیں جھجکتے۔ اور کہتے یہ ہیں کہ ہم خود تو نہیں کرتے دوسرے کرتے ہیں۔ ہمارا اس میں کیا گناہ۔ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ کفر پر راضی ہونے والا بھی انہیں کافروں میں شمار ہوتا ہے۔

یہ فائدہ ایسے ہی ناواقفوں کی تنبیہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس سے پوری طرح آگاہ رہیں۔ اس سے دور بھاگیں کہ اس دور میں اس کی ایسی کثرت ہے کہ جاہلوں میں سے شاید کوئی ایک احتیاط برتتا ہو۔ بہت سے تو ان امور شرکیہ میں مبتلا ہو کر کفر میں جا پڑتے ہیں اور اپنا نکاح بھی فاسد و باطل کر لیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام ہوگی۔ پھر ناحق باپ کا ترکہ پائے گی حالانکہ ولد الزنا اولاد شرعاً ترکہ پدری سے محروم رکھی گئی ہے۔ الٰہی ہمیں بداعمالیوں کی شامت سے بچائے رکھ۔

واضح رہے کہ اپنے شوہر کو اپنے قابو اور اپنی مٹھی میں رکھنے کی خاطر مباح امور سے بھی مدد لینا عورت پر حرام ہے۔ چہ جائیکہ حرام اور کفری امور سے مدد لینا۔ والعیاذ باللہ

**نور ۴۹**: ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مالک الملک یا ملک الملوک جیسے الفاظ کہنا ممنوع ہے۔

# چھٹا لمعہ (تابش ۶)

## اخلاق و نصائح کے بیان میں

**نورا:-** اپنے راز کی بات کسی سے مت کہو۔ مشہور ہے کہ اَلسِّرُّ اِذَا جَاوَزَ الِاثْنَیْنِ فَشَا۔ راز جب دوسرے تک تجاوز کرتا ہے تو فاش ہو جاتا ہے۔

**نور ۲:-** کسی عالم دین کا فعل مت دیکھو کہ کیا کرتا ہے۔ قول سنو کہ کیا کہتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا فعل اس کی ذات تک محدود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خلاف سُنّت ہو اور اُس کا قول، دوسروں کے لیے ہے۔ اور ان کی دیانتداری سے یہ بات متوقع نہیں کہ خلاف سُنّت بیان کریں۔ لہذا ان کا عمل اگر بر خلاف سُنّت ہے تو اس پر عمل نہ کریں۔ موافق سُنّت پائیں تو اس پر عمل پیرا ہوں۔ اور اگرچہ قول کا حکم بھی یہی ہے۔ مگر قول خلاف شرع نہیں ہوتا کہ وہ اوروں کے لیے ہے (ہاں واعظ اگر جاہل ہو تو اُسے واعظ کہنا ہی حرام ہے اور عوام کو اس کا سننا بھی ناجائز و گناہ ہے)

**نور ۳:-** بزرگوں کی خوخصلت اختیار کرنے کے درپے مت ہو کہ اُن کی عادتیں اور خصلتیں انہیں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ البتہ اُن کی عبادتوں اور طرقِ بندگی کو اختیار کرو کہ یہ عبادتیں اِن میں، اُن میں سب میں مشترک ہیں۔

(اور سب اُن کی بجاآوری کے پابند) اسی لیے کہتے ہیں کہ بے دلیل کسی کی عادت کی پیروی کرنا، گمراہی کی باعث ہے۔ اور اس کی تحقیق و تفتیش کرنا، ہدایت کی موجب یعنی کسی کی عادت دریافت کرنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا عین ہدایت و ایمان ہے اور محض تقلید یعنی اس کی ماہیّت و کیفیت کی حقیقت جانے بغیر، گمراہی و محرومی ہے۔ جبکہ تقلیدِ عبادت کہ مشترک ہے۔ ترقی درجات کی موجب ہے۔ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ اور اس پر عمل، اس مقام کے مناسب ہے جیسا کہ معلوم و مشہور اور قرآن کریم کی سورہ کہف میں مذکور ہے۔

**نورُ ۴**:۔ برائیوں اور فسق و فجور میں مبتلا رہنے والوں کو نصیحت کرتے رہو۔ کیا عجب کہ وہ اپنی نافرمانیوں سے باز آکر توبہ کرلیں۔ البتہ ان کی برائیاں جب تک متعدی نہ ہوں (دوسروں سے بیان نہ کرو۔ تاکہ وہ شوخ چشمی اور بیحیائی نہ اختیار کریں۔ بلکہ تم سے راضی و خوشنود رہتے ہوئے تمہاری نصیحت پر عمل پیرا رہیں۔

**نورُ ۵**:۔ اپنے زیر دستوں پر تم رحم کرو۔ تاکہ جو تم پر زبردست ہیں وہ تم پر رحم کھائیں۔

**نورُ ۶**:۔ کبھی کسی کو گالی نہ دو کہ جواب میں خود بھی گالی کھاؤ۔ گالی گلوچ دنیا میں ننگ ہی ہے اور آخرت میں گناہ۔ گالیاں بکنے والے دُنیا میں کون سی بے عزتی ہے جو نہیں بھگتتے اور اپنی بدزبانی کے باعث کون سے کڑوے گھونٹ ہیں جو نہیں نگلتے۔ پھر اس بدگوئی کا نقصان، اسی دُنیا تک محدود نہیں۔ آخرت میں بڑا تلخ اور بہت دشوار ہے۔

**نورُ ۷**:۔ جو جانور تم نے پال رکھے ہیں۔ ہاتھی سے کبوتر اور گھوڑے سے کُتے تک، سب کی خبرگیری رکھو۔ انہیں دانہ پانی دینا اپنا فرض جانو۔ کہ بے زبان و بے یار و مددگار ہیں۔ اور تیری قید میں۔ اور تیرا اور ان کا مالک کوئی اور ہے اس وقت سے ڈر کر تو ان سے غفلت میں پڑا رہے۔ اور اس کی سزا پائے، احادیث شریف میں اس کی تاکید بر تاکید آئی ہے۔

**نُور ۸** :- جو شخص کھڑے ہو کر پاجامہ پہنے اور بیٹھ کر عمامہ باندھے وہ ایسی بلاء و مصیبت میں گرفتار ہوگا جس کا کوئی علاج نہیں۔

**نُور ۹** :- اعتکاف کے علاوہ ضرورت سے زیادہ مسجد میں نہ رہیں۔ اس لیے کہ مسجد میں زیادہ رہنے سے آداب مسجد ملحوظ نہیں رہتے۔ مسجد نماز پڑھنے کے لیے ہے۔ نہ کہ گھر بنانے کے لیے۔ بلکہ نماز میں بھی افضل یہ ہے کہ فرض نماز کے علاوہ باقی سُنن و نوافل اپنے گھروں پر پڑھیں کہ برکت رہے اور معتکف کے لیے بھی حکم وجوبی ہے کہ آداب مسجد کی نگاہ داشت کرے (اس سے غفلت نہ برتے)

**نُور ۱۰** :- ہمیشہ با ادب رہو بے ادب مت ہو خصوصاً۔ اولیاء و اصفیا و اتقیاء (نیک خو۔ نیک سیرت اور اللہ کے برگزیدہ بندوں) نیز علماء و فضلاء و فقراء کے آداب کی نگہداشت و رعایت میں ہمیشہ کوشاں رہو۔ حضرت مولائے رومی فرماتے ہیں :-

از خدا جوئیم توفیقِ ادب — بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(ہم خدائے تعالیٰ سے ادب اور عمدہ روش کی توفیق چاہتے ہیں کہ بے ادب و بد روش فضل الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ پھر بے ادب صرف اپنے آپ ہی کو برائی و کجروی میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ کجروی و بے ادبی کی آگ سی دنیا میں لگا دیتا ہے جو باعث محرومی ہے)

اور اولیاء اللہ کی وجاہتوں، نیز اُن کا اور اُن کے تصرفات کا انکار نہ کرو کہ خاتمۂ بد کا اندیشہ ہے۔ خدا پناہ میں رکھے۔

**نُور ۱۱** :- ملاقات و ہم نشینی اور محبت و دوستی، خواہ کسی کے ساتھ ہو، اس میں منافقانہ روش اختیار نہ کرو۔ نفاق آمیز دوستی سے کھلی دشمنی کہیں بہتر ہے۔

**نورُ ۱۲:-** کسی کا راز معلوم کرنے کے درپے نہ ہو اور نہ کسی کی بات پر خفیہ کان لگاؤ۔ یعنی کسی کی بات، پوشیدہ رہ کر اور چھپ کر ہرگز نہ سنو کہ یہ حرام ہے اور سخت ممنوع۔ یونہی کسی کے مخفی اور بند خط دیکھنے اور پڑھنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔ اور اسے شرعاً و اخلاقاً بدترین اور بُری عادتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

**نورُ ۱۳:-** جہاں تک بن پڑے اپنے بدخواہ سے انتقام مت لو۔ صبر جمیل اختیار کرو کہ اجر جلیل اور ثواب عظیم پاؤ گے اور اگر کوئی شخص تمہاری دشمنی میں سامنے آ ہی جائے اور تمہارا حق جبراً تم سے لینا چاہیے تو ہماری پہلی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ اپنی عاجزی و بے کسی کا اظہار اس کی منت و خوشامد کرو۔ اپنا سر اُس کے قدموں پر رکھ دو اور اپنی ٹوپی اس کے پیروں پر ڈال دو تاکہ تمہاری اس عاجزی وانکساری پر تمہارا خدا تم سے راضی ہو جائے اور تمہاری حمایت و طرفداری فرمائے اگر وہ دشمن اس پر راضی ہو جائے۔ تمہارا حق تمہیں واپس کر دے اور تمہاری حالت پر ترس کھائے تو اس سے کیا بہتر ہے۔ تم نے اپنا حق پالیا اور اُسے باطل سے چھٹکارا ملا۔ اور اس سے کام نہ چلے تو اب مجبوری اس کی زیادتی و زبردستی کے دفعیہ کی تدبیر کرو۔ لیکن نہ ایسی کہ ستم کے جواب میں خود ظلم و ستم میں مبتلا ہو جاؤ (اور اسے ناحق ستاؤ۔)

**نورُ ۱۴:-** اپنے قرابت داروں سے صلہ رحمی نہ چھوڑو اور ان کے دشمن و بدخواہ نہ بنو اگرچہ وہ تمہیں ستائیں اور تمہیں اپنے ظلم کا نشانہ بنائیں مثل مشہور ہے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی، اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ

(بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دینا تو بڑا آسان ہے لیکن جوانمردی یہ ہے کہ جو تم سے بُرائی کرے تم اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ)

ہاں جب یہ دیکھو کہ ترک تعلق کے علاوہ کوئی اور تدبیر کارگر نہیں۔ تو اب قطع تعلق کر سکتے لیکن بہ طریق احسن کہ اس آیۂ کریمہ کے مصداق بن جاؤ۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ؕ

(اور ان کی باتوں پر صبر فرماؤ۔ اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو)

اس وصیت کو تاکیدی جانیں۔ اس لیے کہ قطع رحمی کرنے والوں کے لیے بڑی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ الٰہی ہمیں اس قطع رحمی سے محفوظ رکھ۔

**نور ۱۵:** جو تم سے چھوٹے ہیں ان کے ساتھ اس قول کے مطابق سلوک کرو کہ از خورداں خطا واز بزرگاں عطا (چھوٹے قصور کرتے ہیں اور ان کے بڑے معافی وبخشش) اور جو تم سے بڑے ہیں (خواہ علم وفضل ہیں خواہ عمر میں) اُن سے اس مصرع کے موافق پیش آؤ کہ

خطائے بزرگاں گرفتن خطا ست

(بڑوں کی کسی کوتاہی پر اُن کی گرفت کرنا، خود اپنی جگہ بڑی کوتاہی و کم فہمی اور باعث محرومی ہے)

**نور ۱۶:** تمہارے بڑے تمہیں کوئی نصیحت کریں تو اس سے رنجیدہ نہ ہو۔ اور چھوٹوں کی تادیب وتنبیہ سے غافل نہ رہو کہ دونوں روشیں فائدوں سے خالی نہیں۔

**نور ۱۷:** مسلمان بھائی کی تعریف اس کے منہ پر مت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا نفس سرکش ہو جائے اور خودستائی وخودنمائی اور خود پسندی اُس کے دل میں بس جائے۔ ایسی تعریف کی احادیث میں بھی ممانعت آئی ہے۔

**نور ۱۸:** اپنے پڑوسی سے نیک برتاؤ اور اچھا سلوک کرو کہ (وہ تمہارا گرویدہ ہو اور) تمہارا خدا تم سے راضی ہو۔ پڑوسیوں کے حقوق کی جہاں تک تم سے ہو سکے نگہداشت کرو۔ مثلاً وہ تمہاری دیوار میں معمولی تصرف کا خواہاں ہے اور اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ البتہ وہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

تو اسے بخوشی اجازت دے دو۔ اور بہ طیب خاطر اسے گوارا کرو۔ اسی طرح اور دوسرے امور (جن میں تمہارا نقصان نہیں اور اُسے آرام پہنچتا ہے)

**نورُ ۱۹:-** محض عورتوں کی رائے پر کاربند ہو کر کوئی کام نہ کرو کہ وہ ناقص العقل ہیں۔ اہل الرائے اور قابلِ مشاورت نہیں۔ یونہی عورتوں کے ہاتھ میں زمامِ حکومت مت دو۔ یعنی انہیں اپنا والی و پیشرو نہ بناؤ کہ شرعاً سخت ممنوع ہے۔ (اور بموجب احادیث ایسی قوم فلاح سے عاری)

**نورُ ۲۰:-** غصہ آجائے تو اپنے اوپر قابو رکھو کہ غصہ شیطان کی جانب سے ہے۔ ورنہ ہلاکت میں پڑجاؤ گے اور نقصان اٹھاؤ گے۔ ہاں شیطانی غصہ وہ ہے جو نفس و شیطان کے بھڑکانے سے آئے (اور خلافِ شرع امور پر اکسائے) اور غضب رحمانی یعنی خدا و رسول کے لیے کسی بات پر غصہ یہ ہے کہ اللہ و رسول جلّ وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہو۔ مثلاً دین کی حمایت میں کافروں سے جہاد اور مظلوم کا ظالم سے انتقام۔ غضبِ رحمانی محمود و پسندیدہ ہے اور غصہ شیطانی مردود و ناپسندیدہ۔

**نورُ ۲۱:-** ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو۔ اور احکامِ خداوندی سے موافقت کرو۔ تاکہ ساری مخلوق تم سے خوف زدہ رہے اور تمہاری اطاعت کرے۔

**نورُ ۲۲:-** کسی کا عیب دیکھنا اور اس کی پردہ پوشی کرنا، اجرِ جلیل کا موجب ہے۔ اور مقبولانِ ربِّ جمیل کی عادت اگر اسے نصیحت کرتا ہے تو برملا۔ لوگوں کی موجودگی میں نہ کرو بلکہ خلوت و تنہائی میں اسے سمجھاؤ۔ جیسا کہ بزرگانِ دین کی روش ہے کہ اس صورت میں اس کی پردہ پوشی ہوجاتی ہے اور بندہ پر خالقِ عزّوجلّ کی ستاری و پردہ پوشی کا پرتو پڑتا ہے اور اس سے مراتبِ قرب میں ترقی ہوتی ہے۔

**نورُ ۲۳:-** سوال:- خالص دوست کون ہے۔؟ جواب:- خالص دوست وہ ہے جو مجمع میں (تمہاری کوتاہی پر) چشم پوشی اور موافقت و ضبط اختیار کرے۔ اور تنہائی میں تمہارا عیب تمہیں بتائے اور نصیحت کرے اس لیے کہ عام مجلس میں پند و نصیحت، بے چینی و آزردگی لاتی ہے اور تمہارا دشمن وہ شخص ہے کہ اگر تمہاری برائی دیکھے تو اس کا چرچا کرے اور بھلائی دیکھے تو دفن کردے، مٹی میں ملادے۔

# ساتواں لمعہ (تابش ۷)

## متفرق فائدوں کے بیان میں

**نور ۱:** ہر ماہ کی پہلی شب کا چاند دیکھیں تو ایک ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اکتالیس مرتبہ الحمد شریف اس طرح پڑھیں کہ ہر بار بسم اللہ الرحمن الرحیم کا آخری میم الحمد کے لام سے ملائیں (یعنی الرَّحِیمِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ اِلٰی آخرہ) اس عمل میں بڑا مزا پوشیدہ ہے اور میں نے اپنے مرشد گرامی سے سنا کہ حضرت مرشد المرشد اس باب میں سخت تاکید فرمایا کرتے تھے۔

اور اگر چاند رات ہونے میں شک ہو یا آسمان پر گرد و غبار اور بادل چھائے ہوں تو ایسی صورت میں یہ عمل اس مہینے میں دو مرتبہ یعنی دو رات کریں۔ ایک دوسری یہی مشتبہ رات اور اس کے بعد والی۔ اس عمل کی برکت سے وہ مہینہ پڑھنے والے کے لیے خیر و برکت کا مہینہ ہوگا۔ اس ماہ کے شر سے وہ محفوظ رہے گا اور روزی میں بھی برکت ہوگی۔ اسے ناغہ نہ کریں۔

**نور ۲:** فرض نماز سے فارغ ہو کر اپنا دایاں ہاتھ پیشانی پر رکھے اور یہ دعا پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ط اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنِّی الْھَمَّ وَالْحُزْنَ ط (اللہ کے نام کی برکت سے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ اے اللہ تو مجھ سے غم و رنج کو دور کر دے)

اہر غم و پریشانی سے بچے ا یہ دعا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ حضرت مرشد برحق کی سُنت بھی ہے کہ حضرت کی دائمی عادت رہی اور کبھی اسے ناغہ نہ ہونے دیا۔ اور وصال کے وقت فقیر کو تعلیم فرمائی۔

**نور ۳**: عزائم جنیبّہ کی دعوت اور بطور سادہ بھی ان کی قرأت میں نے قصداً صرف اس لیے نہ کی مجھے ان الفاظ کے معانی کا علم نہ تھا۔ لیکن دوسری بڑی اور علوی دعاؤں مثلاً حرز یمانی، چہل اسماء، حیدری، مزمل اور بانت العظمۃ وغیرہا میں کامل مشغولیت اور کمال انہماک کے نتیجہ میں اس فقیر کو، اُس آتشی قوم جن پر حکومت و بالادستی حاصل ہوئی اور خلل آسیب و سحر اور رجعت و نظر کے دفعیہّ اور دیگر امراض کے ازالہ کے لیے عاملوں کی روش کے مطابق برسہا برس میں اس میں مصروف رہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہر قسم کے رخنہ و فتور کو میں نے دفع کیا اور تقریباً بارہ سال اسی عالم مشغولیت میں بسر کیے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ میں نے اس میں مصروفیت سے اپنا تعلق ختم کر لیا۔ اس لیے وقت کی بربادی کے علاوہ کوئی خاص دینی فائدہ، اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ جبکہ اصل مقصود ریاضت ہی ہے۔

مجھے اس سارے قضیہ کو تحریر میں لانے اور ایک علٰحدہ مستقل فائدہ کی صورت میں لکھنے کی چنداں حاجت نہ تھی۔ لیکن اس سے میرا مقصود ایک نصیحت گوش گزار کرنا ہے، اُسے بگوش جان، کامل التفات سے سنیں اور ہمیشہ اس کا خیال رکھیں۔

وہ نصیحت یہ ہے کہ یہ کام (تسخیر جنہّ) بڑا پُر خطر ہے (قدم قدم پر خطرے موجود ہیں) اس لیے کہ قوت بازو سے مقابلہ کی بھی اس میں نوبت آجاتی ہے۔ اور یہ مضمون فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (کہ ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دی) سارے عالم خلق میں بھی جاری و ساری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ایسے سے واسطہ و سابقہ پڑ جائے جو تم پر غلبہ و فوقیت رکھتا ہے۔ اس وقت تمہیں نقصان عظیم برداشت کرنا ہوگا (جس کی تلافی ممکن نہ ہو گی) پھر تجربہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ اس میں مشغول رہنے والے لوگوں یعنی عزیمت جنیّ کے عاملوں

کا انجام کار خراب ہوتا ہے۔ بلکہ معاذ اللہ سلب ایمان اور سوءِ خاتمہ کا اندیشہ رہتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جس وقت سے ابلیس لعین باری تعالیٰ کی بارگاہ سے راندۂ و مردود کیا گیا ہے۔ اس وقت سے لے کر اس گھڑی تک کوئی بھی جن، اس مرتبہ کمالِ قرب کو حاصل نہ کر سکا۔ ان کی زیادہ سے زیادہ رسائی اس حد تک ہے کہ طاعت و عبادت کی کثرت سے مسلمان جنّ صالحین میں شمار ہوتے ہیں۔ برخلاف بنی آدم کہ انہیں مرتبہ ولایت خاص یعنی قرب ربانی بدرجہ کمال حاصل ہو جاتا ہے اور اس اعتبار سے جن کا مقام حضرت انسان سے فروتر ہے۔ اس مقام رفیع کے حصول میں جن انسان کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔ اس پر غالب آجانا تو درکنار۔ ہاں کچھ اور مراتب مثلاً تجلّی صفاتی و اسمائی کے مرتبہ کا حصول کہ عرفاً اس فرقہ کو اکملان اعمال کہتے ہیں۔ ایسے کہ ان میں جن کا مقام، انسان کے مقام و مرتبہ سے فروتر نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ جن انسان پر فوقیت و برتری حاصل کر لے۔ لہٰذا عامل محض کہ ولایت خاصہ کہ چاشنی سے باخبر نہیں۔ اس پر اس فرقہ جنّ کا غالب آجانا عین ممکن ہے۔ اس لیے کہ عملی قوت کی راہ اس پر بڑی کشادہ ہے۔ اور یہ مان بھی لیا جائے کہ جن کسی قوت میں خواہ وہ دلالت ہو یا عمل انسان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ تاہم اس کا اندیشہ ہے کہ ان کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں اور اعمال و اشغال کی یہ فضیلت موروثی نہیں۔ کہ عامل کی اولاد بھی عامل ہو تو اس عامل کی موت کے بعد وہ اس کی اولاد کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور دوسرے قرابت داروں اور عزیزوں کو بھی حیرانی و پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ ایسے اعمال و اشغال کو عاملوں کی شرائط کے بموجب یک لخت ترک کر دیں۔ اور ایسی ضرورت ہی پیش آجائے تو تبرکاً حصول برکت کے لیے اسمائے الٰہی سے کچھ لکھ کر خواستگاروں کو دے دیں اکہ موثر حقیقی رب قدیر ہے۔ وہی اس میں اثر دے گا۔

ایک اور قاعدہ کہ خاص اس فقیر کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس سے مطلوب و مقصود

بھی بخوبی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور آدمی کسی خطرہ سے دو چار نہیں ہوتا، یہ ہے کہ جب کوئی حاجتمند اسی ضرورت کے ماتحت عامل کے پاس آئے تو عامل کو چاہیے کہ پہلے اس ایذا رسانی کا سبب معلوم کرے۔ کہ دشمنی و کدورت ہے یا عشق و محبت۔ اس لیے اس قوم کا بنی آدم سے عشق بھی انسان کو نقصان پہنچاتا ہے کہ یہ قوم ہے آتشی۔ اور کسی انسان سے محبت کے باعث ان کا جسم انسانی میں حلول کر جانا جبکہ اس شخص کی ترکیب جسمانی اعتدالی ہے، اُسے اس سابقہ اعتدال سے متغیر و متبدل کر دیتی ہے اور یہی چیز اذیت کا باعث بن جاتی ہے۔ اب اگر اذیت و تکلیف کی وجہ تقاضائے محبت ہے تو ایسے اعمال و اشغال پر کاربند ہونا چاہیئے۔ جن کے نتیجہ میں ان دونوں کے مابین محبت، پژمردہ ہو جائے تاکہ وہ جن اس سے نفرت کرنے لگے اور پھر علیٰحدگی اختیار کرے۔

اور اگر اس ایذا رسانی کا سبب اُن کی غضبناکی اور دشمنی ہے اور اس دشمنی کے باعث کوئی ایسی کوتاہی و خطا ہے جو اس جن کے گمان میں اس شخص سے سرزد ہوئی تو اس وقت ایسا عمل کرے جس کے نتیجہ میں موافقت اور میلانِ طبیعت پیدا ہو اور اس جن کی قوت غضبیہ اور دشمنی کا شعلہ سرد پڑ جائے اور اس سے پیچھا چھوٹے اور اگر اس اذیت کا باعث کسی ساحر کی جادوگری کا کرشمہ ہے تو اس وقت عرفاً اور شرعاً جہاں تک ممکن ہو اس جادوگر سے ساز باز کر کے اس زخم کا اندمال اور اُس کے جادو کا اثر زائل کرے۔ یا پھر اُس جادوگر کی قوتِ سحر سلب کر لے۔ مختصر یہ کہ ایسی تدابیر عمل میں لائے کہ اس سے نجات حاصل ہو، سانپ مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یا پھر اس بلائے مسلّط کو افہام و تفہیم کے ذریعہ، جس میں باہمی اُنسیت اور پاسداری کا پہلو غالب رہے۔ ٹال دے۔ اور پھول خوشبو شیرینی وغیرہ، بطور ہدیہ اسے دے کر اُس بے چارہ کو چھٹکارا دلائے اور اس جن سے عہد و پیمان لے کر، بطور مصالحت مریض کو ساحل نجات تک پہنچائے۔

تجربہ شاہد ہے کہ ان تدابیر کو بروئے کار لانے سے بھی اس کی اذیتوں سے

رہائی مل جاتی ہے اور کوئی آزار و نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ ہاں کسی کو نظر بد لگی ہو یا کوئی اور بیماری ہو تو اس کے علاج و ازالہ میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں کیونکہ یہ ذوی العقول سے نہیں ہیں۔ جیسے بھی ممکن جانے ان کا ازالہ کرے۔

**نور۴:-** تلاوت قرآن کا قاعدہ یہ ہے کہ ختم قرآن میں چالیس دن سے زیادہ نہ لگائے اور تین دن سے کم میں ختم نہ کرے۔ اس کے علاوہ اسے اختیار ہے کہ ہفتہ میں ایک بار ختم کرے یا پورے مہینہ میں۔ ہفتہ میں ختم کرنا ہو تو فمی بشوق کی منزلیں مشہور ہیں اور تین روز میں ختم کرنا مقصود ہو تو منازل "فیل" کا اعتبار مناسب ہے۔ قاعدہ فمی بشوق کی سات منزلیں یہ ہیں۔

۱۔ سورہ فاتحہ سے سورہ مائدہ تک (فم) ۲۔ سورہ مائدہ سے سورہ یونس تک (م ی)
۳۔ سورہ یونس سے سورہ بنی اسرائیل تک (ی ب) ۴۔ بنی اسرائیل سے شعراء تک (ب ش)
۵ سورہ شعراء سے والصافات تک (ش و) ۶۔ والصافات سے سورہ ق تک (و ق)
اور ۷۔ سورہ ق سے آخر قرآن تک (ق)

اور تین روزہ ختم قرآن کی منازل مسمّٰی بہ "فیل" یہ ہیں :۔

(۱) سورہ فاتحہ سے سورہ یونس تک (ف) (۲) سورہ یونس سے سورہ لقمان تک (ی) اور (۳) سورہ لقمان سے ختم قرآن تک (ل)

بعض علماء نے فیل کی بجائے فیر تجویز فرمایا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے :۔

(۱) سورہ فاتحہ سے سورہ یونس تک (ف) (۲) سورہ یونس سے سورہ روم تک (ی) (۳) سورہ روم سے ختم قرآن حکیم تک۔ (ر)

ہفتہ وار ختم قرآن کا ایک طریقہ اور بھی ہے کہ اسے احزاب(۷) کہتے ہیں۔ (روزانہ ایک حزب) یہ طریقہ جلالی ہے اور پہلا طریقہ یعنی "فمی بشوق" جمالی اور وہ طریقہ یہ ہے۔

(۱) سورہ فاتحہ سے سورہ انعام تک (۲) سورہ انعام سے سورہ یونس تک۔
(۳) سورہ یونس سے سورہ طٰہٰ تک (۴) سورہ طٰہٰ سے سورہ عنکبوت تک۔
(۵) سورہ عنکبوت سے سورہ زمر تک (۶) سورہ زمر سے سورہ الصافات تک۔

اور (۷) سورہ والصافات سے آخر قرآن مجید تک۔

ان احزاب کے حروف کا مجموعہ "فابطعزو" ہے۔

۲۴ ایک اور طریقہ ختم قرآن عظیم کا یہ ہے کہ روزانہ سوا پارہ پڑھیں اور چوبیس دن میں کتاب مبین ختم کریں۔ یہ طریقہ دین و دنیا کی قضائے حاجات اور مرادات کے حصول میں خاندان برکات مارہرہ کا دستور اور حضرت سیدنا الشاہ آل محمد قدس سرہٗ العزیز کا معمول رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ثابت قدمی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یا رب العالمین۔

ختم قرآن حمید کا ایک طریقہ اور بھی ہے جس پر یہ فقیر کاربند ہے۔ یہ طریقہ سورت سے شروع اور سورت ہی پر ختم ہوتا ہے۔ اور حساب سے روزانہ سوا پارہ آتا ہے۔ (روز اول کے علاوہ) یعنی

(۱) سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ (۲) سورۂ آل عمران (۳) سورۂ نساء (۴) سورۂ مائدہ (۵) سورۂ انعام (۶) سورۂ اعراف (۷) سورۂ انفال و توبہ (۸) سورۂ یونس سے سورۂ ہود تک (۹) سورۂ یوسف سے سورۂ ابراہیم تک (۱۰) سورۂ حجر سے ختم سورۂ نحل تک (۱۱) سورۂ بنی اسرائیل سے ختم سورۂ کہف تک (۱۲) سورۂ مریم سے ختم سورہ انبیاء تک (۱۳) سورۂ حج سے سورۂ نور تک (۱۴) سورۂ فرقان سے سورۂ نمل تک (۱۵) سورۂ قصص سے سورۂ روم تک (۱۶) سورۂ لقمان سے سورۂ سبا تک (۱۷) سورۂ فاطر سے سورۂ ص تک (۱۸) سورۂ زمر سے سورۂ السجدہ تک (۱۹) سورۂ شوریٰ سے سورۂ جاثیہ تک (۲۰) سورۂ احقاف سے سورۂ النجم تک (۲۱) سورۂ القمر سے سورۂ ممتحنہ تک (۲۲) سورۂ صف سے سورۂ مدثر تک۔ اور (۲۳) سورۂ قیامہ سے ختم قرآن شریف تک۔

(فقیر مترجم کہتا ہے کہ گرمیوں میں صبح کو قرآن مجید ختم کرنا بہتر ہے اور جاڑوں میں اول شب کو کہ حدیث میں ہے "جس نے شروع دن میں قرآن ختم کیا، شام تک فرشتے اس کے لیے استغفار پڑھتے ہیں۔ اور جس نے ابتدائے شب میں ختم کیا

صبح تک استغفار پڑھتے ہیں"۔ اس حدیث کو دارمی نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ تو چونکہ گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے تو صبح کو ختم کرنے میں استغفار ملائکہ زیادہ ہوگی اور جاڑوں کی راتیں بڑی ہوتی ہیں تو شروع رات میں ختم کرنے سے استغفار زیادہ ہوگی۔ (بہار شریعت بحوالہ غنیۃ المستملی)

**نور ۵:** اگر مُردوں کے خیر و شر کے احوال پر آگاہی منظور ہو کہ اگر انہیں نعمت و ثواب میں پاؤ تو شکرِ پروردگار بجالاؤ اور عتاب و عذاب میں دیکھو تو ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور ان کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤ کہ مصلحت اسی میں ہے اور عقل مند کو اشارہ کافی۔ تو سوتے وقت یہ تسبیح پڑھو اور اس کا ثواب اس میت کی روح کو بخش کر کسی سے کوئی بات کیے بغیر سونے کے لیٹ جاؤ۔ اس روح کی جو بھی حالت ہوگی وہ تمہیں اس سے آگاہ کرے گی۔

وہ تسبیحات یہ ہیں :-

جمعرات کی شب میں یَا اَللّٰہُ، شب جمعہ میں کلمہ تمجید۔ ہفتہ کی شب میں کلمہ طیب، اتوار کی شب یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ، پیر کی شب درود شریف، منگل کی شب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اور بدھ کی شب اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ہر تسبیح روزانہ ایک ہزار مرتبہ۔ انشاء اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا راتوں میں سے کسی رات میں تمہیں اس میت کا حال معلوم ہو جائے گا۔ نیز انہیں تسبیحات سے کسی آدمی کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا حال بھی علم میں آجاتا ہے۔ ان تسبیحات کو، شخص معین کے حالات منکشف ہونے کی نیت سے پڑھو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مذکورہ بالا راتوں میں سے کسی رات کو اس کے حالات کا انکشاف ہو جائے گا۔

**نور ۶:** آدمی کا جھوٹا پاک ہے اگرچہ وہ جُنب ہو یا حیض و نفاس والی عورت یا کافر، مگر اس سے بچنا چاہیے جیسے تھوک، ناک کی رینٹھ اور منہ کی کھنکار، کہ پاک ہیں۔ مگر ان سے آدمی گھن کرتا ہے۔ اس سے بہت بدتر کافر کے

جھوٹے کو سمجھنا چاہیئے۔ (بہار شریعت)

اور مسلمانوں کے جھوٹے میں شفا ہے۔ پانی بیٹھ کر پینا چاہیے۔ البتہ وضو کا بچا ہوا پانی، اور آبِ زمزم کھڑے ہو کر پیا جائے اور مسلمان کے جھوٹے پانی کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینا چاہیے۔ (یونہی سبیل کا پانی۔ لیکن ان کا معتبر کتابوں میں سراغ نہیں ملتا) اور حکم شرعی آبِ زمزم کے باب میں یہ ہے کہ خوب سیر ہو کر پیئیں کہ دونوں کوکھیں بھر جائیں۔

**نور:-** امام ابوالحسن نوری قدس سرہُ العزیز سے لوگوں سے پوچھا کہ آدمی اس کا سزاوار کب ہوتا ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کو پند و نصیحت کر سکے۔ ارشاد فرمایا جب کہ حق کو حق تعالیٰ سے سمجھنے لگے۔

## منقول ہے کہ

ایک روز امام ابوالحسن نوری قدس سرہُ نے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہُ کو بر سر منبر دیکھا تو ارشاد فرمایا "اے ابوالقاسم! اللہ تعالیٰ کسی عالم دین کے علم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک وہ اسے اس کے علم میں مصروف (اور اس کے مطابق عمل میں مشغول) نہ کر دے۔ لہٰذا اگر تم اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہو تو اس مقام پر مضبوطی سے چمٹے رہو۔ ورنہ اس منبر نبوی سے نیچے اتر آؤ۔

حضرت جنید قدس سرہُ اس بات کو سن کر فوراً ہی منبر سے نیچے اتر آئے اور ایک مہینہ تک کسی سے کوئی بات نہ کی اور گھر سے باہر تشریف نہ لائے۔ اس مدت کے گزر جانے پر آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ حدیث نہ پہنچی ہوتی کہ حضرت رسالت مآب علیہ الصلوٰت والتحیات نے ارشاد فرمایا ہے کہ آخر زمانے میں قوم کے پیشرو و امام قوم میں سب سے زیادہ بے وقعت و خوار ہوں گے"۔ تو میں ہر گز تم سے کوئی بات نہ کرتا۔" صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ "یہ حضرت جنید قدس سرہُ العزیز (جیسی شخصیت کا) اپنی کوتاہیوں اور قصور

کا اعتراف ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اگرچہ حقوقِ علم کی مراعات وپاسداری میں راست رَو نہیں۔ مگر اپنی کوتاہیوں اور خطا کاریوں کے اقرار و اعتراف میں راہِ راست پر ہوں۔ (خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را)

سُبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ وَلا الٰہَ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر
وَلاحول وَ لاقوۃ اِلّا باللّٰہِ العلی العظیم۔ من جمیع
ماکرہ اللّٰہُ قوۃ قولاً وفعلاً وظاہراً وباطناً۔ ط

تمت
بالخیر

"سراج العوارف فی الوصایا والمعارف"

# عرضِ مترجم

اَلحَمدُ لِلّٰه کہ کتاب مستطاب "مفید سالک و عارف" "سراجُ العوارف فی الوصایا والمعارف" تصنیف لطیف سراج السالکین، تاج العارفین، کاشفِ اسرار طریقت۔ واقف رموز حقیقت مولٰنا و مقتدانا و سیدنا و سندنا حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب بہ میاں صاحب، زیب سجادہ قادریہ برکاتیہ۔ سرکار کلاں مارہرہ مطہرہ، کہ اتنے اختصار و اجمال کے باوجود اپنے مطالب و مضامین میں وافی و کافی اور موضح حق و ثواب ہے۔ اس کا ترجمہ و ایضاح سے اس فقیر قادری برکاتی نوری عفی عنہ نے کہ آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کا ایک فضلہ خوار خدمت گزار ہے۔ آج مورخہ ۱۶ر صفر المظفر ۱۴۰۲ ہجری مطابق ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۱ عیسوی بروز دوشنبہ مبارکہ فراغت پائی۔ اپنی بے بضاعتی کے باوجود، بتوفیق ایزدی، اپنے اساتذہ و مشائخ کرام کو اپنا پشت پناہ بنا کر، اس فقیر نے، اس کتاب لاجواب کے ترجمہ کا آغاز یکم ذیقعد ۱۴۰۱ ہجری مطابق ۳۱ر اگست ۱۹۸۱ء دوشنبہ مبارکہ سے کیا۔ اور اس کا شرف خدمت لیا۔

ابھی نصف منزل ہی طے کی تھی کہ میری شامتِ اعمال نے ایک خبیث مرض کے بیکمہ میں مجھ ناتوان و ضعیف البُنیان پر ایسا شدید حملہ کیا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ اور اس طرح یہ بابرکت خدمت دینِ متین، ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ کے آخری اور محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کے دو سرے ہفتہ تک موقوف رہی اور پھر مولائے کریم جلّ مجدہٗ و عزّ اسمہٗ کے فضلِ عمیم نے دستگیری فرما کر توانائی بخشی کہ دیگر مصروفیات دینی و دنیاوی

کے باوجود یہ مبارک کام، اختتام تک پہنچا۔ یہ گزارش بھی کرتا چلوں کہ اس فقیر برکاتی غفر اللہ تعالیٰ لہ واصلح عملہ نے مناسب مقام و وضاحت مرام کے لیے ترجمہ میں جو زیادات کیں، انہیں اصل کتاب سے امتیاز کے لیے بین القوسین لکھا اور جہاں ضروری جانا، اس کا حوالہ بھی دیا۔

فقیر اس کتاب کا نام **نورٌ علیٰ نورٌ** تجویز کرتا ہے اور یہ نہایت تضرع وزاری، بارگاہ باری تعالیٰ میں دست بدعا ہے کہ وہ مولائے کریم، بہ طفیل رسول رؤف و رحیم، اصل کتاب کی طرح، اس کے ترجمہ کو بھی خالصاً لوجہہ الکریم قبول فرمائے اور دارین میں اس سے اور اس فقیر حقیر کی تمام تصانیف وتالیفات و تراجم سے عامۃ المسلمین اور کافۂ اہل اسلام کو نفع پہنچائے اور اسے اس فقیر کے لیے خاتمہ بالخیر کا ذریعہ بنائے۔

اِنہٗ وَلِیُّ التوفیق علیہ والخیر کلہٗ بیدیہ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین سیدنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ وعلماء ملتہٖ واولیاء امتہٖ اجمعین وعلینا بھم ولھم ومعھم وفیھم برحمتك یا ارحم الراحمین۔ سبحانك اللھم وبحمدك واشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك والحمد للہ رب العالمین۔

**العبد، محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہری عفی عنہٗ**

دارالعلوم احسن البرکات (ٹرسٹ) حیدرآباد سندھ۔ پاکستان۔

۱۶ صفر ۱۴۰۲ھ ۱۴ دسمبر ۱۹۸۱ء دوشنبہ

# تلخیص قطعۂ تاریخ تصنیف کتاب مستطاب

از نتیجۂ طبع سلیم و فہم مستقیم، حامی اسلام، ماحی کفر و ظلام، سراج شریعت مصباح طریقت حضرت مولٰنا و اولٰنا محمد عبدالمقتدر مطیع الرسول قادری برکاتی بدایونی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

بشریٰ لکم اقبلوا طلاب خیرات　　فالدھر حف بانوار و نفحات
ھذا زمان بدا فیہ الھدیٰ وغدا　　فیہ ضلال الوریٰ منکوس رایات
ابدیٰ سراجا من العرفان والحکم　　مولی الندیٰ والھدیٰ رب الکرامات
نور الھدیٰ احمد النوریّ ذوکرم　　ابو الحسین الذی جاء بآیات
ھوالذی احرق الطغویٰ بوارقۃ　　ونضر الحق من فرن الھدایات
ھذا مؤید دین اللہ مجتھدا　　مذیع اسرار عرفان نکیات
اردی الخوارج والرفاض صارمہ　　غدا بہ اھل تفضیل کاموات
ھذا منیر سراج العلم والحکم　　اکرم بہ من سراج ذی الھدایات

فان شئت ادراک عام فیہ قد ظھر
قل فی البرایا شمس السعادات
۱۳۰۹

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولٰنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین وبارک وسلم وشرف وکرم برحمتہ وھو ارحم الراحمین

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی (کرنا) چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے

# سُنّی بہشتی زیور (کامل)

## جلد اوّل

(حصہ اوّل تا پنجم)

خلیلِ ملّت حضرت علّامہ مفتی محمّد خلیل خان برکاتی قدس سرہٗ

الناشر

فرید بک سٹال

۴۰۔ اردو بازار، لاہور ۲ فون نمبر ۳۱۲۱۷۳

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی (کرنا) چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے

# سُنّی بہشتی زیور (کامل)

## جلد دوم

(حصہ ششم تا نہم)

خلیلِ ملت حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی قدس سرہ

فرید بُک اسٹال

۴۰۔ اردو بازار، لاہور ۲ فون نمبر ۳۱۲۱۷۳

سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ و اجتہاد کی روشنی میں اہل اسلام کی صحیح رہنمائی کرنے والی، تمام سال کے نوافل مخصوصہ اور جمعہ و عیدین و جنائز وغیرہا کے احکام پر مشتمل اپنی نوعیت کی قابل مطالعہ کتاب لاجواب یعنی

# الصلوٰۃ

تصنیفِ لطیف

خلیل العلما حضرت مولانا مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہری

فرید بُک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

عورتوں کی عزت و ناموس سے متعلق احکام و ہدایات پر مشتمل شمع فروزاں

# سورۃ النور

ترجمہ

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ

تفسیر و تشریح مسمّٰی بہ

# چادر اور چار دیواری


مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہری

صدر المدرسین دار العلوم احسن البرکات حیدرآباد سندھ



ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (القرآن الحکیم)

اور جس نے رسول کا حکم مانا تو یقیناً اس نے اللہ کا حکم مانا

# بخاری شریف مترجم

قیمت مکمل سیٹ تین جلدیں ——— ۲۲۵/- روپے

مصنفہ

امام المحدثین ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ

ترجمہ از

فاضل شہیر مولٰینا عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

طلب فرمائیے

فرید بُک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (القرآن)

جس نے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی اطاعت کی تو بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے بھی آپ کو ان کا نگہبان (ذمہ دار) بنا کر نہیں بھیجا

# سُنن ابن ماجہ

(عربی، اردو)

جلد اوّل جلد دوم

امام حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربعی القزوینی رحمہ اللہ تعالیٰ

(المتوفی ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ)

ترجمہ: مولینا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

اہتمام و تزیین: سید حامد لطیف چشتی

ناشر

فرید بُک سٹال ۰ ۳۸ اردو بازار۔ لاہور ۲ پاکستان